جناب مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب

دہلوی کے شروع سے جون ۱۸۹۲ع تک کے

لکچروں کا مجموعہ

مرتبۂ

محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں

سنہ ۱۸۹۲ع

مطبع انصاری واقع دہلی میں زیر طبع ہر محصول چھاپا ہوا

انڈکس کتاب مجموعہ لکچر

خلاصہ مضمون	صفحہ
لکچر نمبر ا - انڈین نیشنل کانگرس پر	
لکچرار کے نزدیک نیشنل کانگرس کیا چیز ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے اور مقاصد کیا ؛	۲
یہ کانگرس نیشنل نہیں ہو سکتا نام ہی غلط ہے ؛	۳
غدر ۱۸۵۷ء کے بانی ہنود تھے اور مسلمانوں کی وہ مثل ہوئی کہ آٹے کے ساتھ گھن پس گیا ہندو اور مسلمان بالطبع ضد یکدیگر ہیں ایک دوسرے سے نفور ؛	۴
ہندوستان بدون انگریزی گورنمنٹ کے امن سے نہیں رہ سکتا	״
انگریزی سلطنت نے جسقدر منصفانہ کارروائی سے مخلوق کو رضامند کیا ہے کوئی نہیں کر سکتا ؛	״
اس کانگرس کے جلسوں سے مخالفین سلطنت اور علی الخصوص روس پر کیا اثر ہوگا ؛	۵
گورنمنٹ کو رعایا سے کیا تعلق ہے ؛	״
کیا نیشنل کانگرس ہم لوگوں کے حق میں مضر نہیں ہے ؛	״
موجودہ گورنمنٹ واسطے بہتری کے کیا کیا نمایاں ترقی ہندوستان میں کر رہی ہے ؛	۶
کیا نیشنل کانگرس والے دوسرے ذریعے سے اپنی رائے کا اظہار گورنمنٹ کو نہیں کر سکتے یا صرف یہی ایک ذریعہ ہے	״
گورنمنٹ انگریزی نے واسطے تفتیش حال رعایا کے کیا طریقے رکھے ہیں ؛	۷
ہندوستانی اور انگریزوں میں کیا مناسبت ہے اور ہندوستانیوں کو انگریزوں کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہیئے ؛	۷
نیشنل کانگرس گورنمنٹ کی نگاہوں میں کسقدر مبغوض ہے	״
کیا نیشنل کانگرس والے اس ہیکڑی سے اپنے مطالب میں کامیاب ہو سکتے ہیں ؛	۸
گورنمنٹ کو ابھی تک پورا پورا اعتماد رعایا پر نہیں ہے ؛	״
نیشنل کانگرس کی وجہ سے کیا برا اثر ہندوستانیوں پر مترتب ہوا اور آئندہ کیا اثر مترتب ہوگا ؛	״
رفاہ ملکی کے لیے صلاح نیک ؛	״
نیشنل کانگرس کی ابتدا کن لوگوں سے ہوئی ؛	۹
ہندوستان کے کانگرس کو ولایت کے کانگرس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ؛	״
ہندو اور مسلمان دونوں میں نیشنل کانگرس کی شرکت کس کے حق میں زیادہ مضر ہے ؛	۱۰
مسلمان اہل ہنود کے مقابلہ میں کیوں ضعیف ہیں	۱۱
مسلمانوں کو ہنود پر ترجیح کے موجبات ؛	״
گورنمنٹ نے جو لیاقت کا سٹینڈرڈ ٹھہرادیا ہے اس سے سوسائٹی کو کیا نقصان پہونچا ؛	״
محکومیت کے نتائج ہنود ہیں ؛	۱۲

خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ
اہل اسلام کو ہنود کی رفاقت مضر ہے +	۱۳	رعایا اور گورنمنٹ کے اغراض والبتہ یکار گر ہیں +	۲۴
گورنمنٹ سے رعایا کے مستفید ہونے کا طریقہ +	۱۳	کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ اور رعایا میں گاڑھا اتحاد نہیں	۲۵
لکچر نمبر ۲ تجویز اجراء مدرسہ طبیہ دہلی پر	۱۵	ہے اور اسمیں کسکا قصور ہے +	
طب یونانی اور ڈاکٹری کو بلا وقعت انضمام حکومت		کون چیز رعایائے ہندوستان کو شائستہ اور مہذب	۲۵
دیکھا جاوے تو ترجیح کس کو ہے +	۱۵	بنائے گی +	
ڈاکٹری کا سرمایہ فخر کتنی چیزیں ہیں +	۱۵	مصنف تعلیم ہندوستان کو نئے پیرایہ میں ظاہر	۲۵
ڈاکٹری اہل ہند کے واسطے کیوں نامناسب ہے +	۱۶	کرتا ہے +	
ڈاکٹری کی طبابت کے کون لوگ بڑے معتقد ہیں	۱۶	مسلمان اپنے زمانہ عروج میں تعلیمی حالت میں کسی قوم	۲۶
یونانی طبیبوں کے علاج میں ایک خاص فائدہ +	۱۷	سے پیچھے نہیں رہے +	
ڈاکٹری علاج کا نقص +	۱۷	تمام یوروپ متفق ہے کہ علم نے اسلام ہی کی وجہ سے	۲۶
ہندوستانیوں کو ڈاکٹری اور یونانی علاجوں میں سے کون مفید	۱۷	ترقی پائی +	
ہوگا +		اہل یونان علمیت کے اعتبار سے کیوں سربرآوردہ تھے +	۲۶
طب یونانی اور ڈاکٹری میں خاص فرق +	۱۸	اہل اسلام نے یونانیوں سے علم کس غرض سے حاصل کیا	۲۷
ڈاکٹری ادویہ کی خرابیاں +	۱۸	سلطنت کیا چیز ہے +	۲۷
طب یونانی کن چیزوں میں ڈاکٹری سے کم ہے کن میں	۱۸	پیغمبر صاحب کے وقت میں عرب کا کیا حال تھا +	۲۷
نہیں +		ایسے وحشی گروہ میں پیغمبر صاحب کا پیدا ہونا ہی ایک معجزہ ہے	۲۸
طب یونانی میں تشریح اور آلات کا جو رواج کم ہے اس	۱۹	جس قوم کا سید احمد خاں نے بیڑا اٹھایا ہے اسلام	۲۸
میں کس کا قصور ہے +		کے مقابلے میں کچھ نہیں +	
حکیم عبدالمجید خان صاحب کون ہیں اور ان کے اغراض کیا ہیں	۲۰	پیغمبر صاحب کو ابتدائی زمانہ میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں	۲۸
لکچر نمبر ۳ مسلمانوں کی حالت تعلیم پر	۲۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو کسطرح بکار آمد بنایا +	۲۸
سرسید احمد خاں کی نسبت لکچرار کی رائے +	۲۳	مذہب اسلام کے وجوہات ترقی و تنزل +	۲۹
لکچرار اس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس میں کیوں شریک ہوا	۲۴	سائنس کے وجہ سے اہل اسلام پر کیا اثر پڑا +	۲۹

خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ
اہل یوروپ و نیز سلطنت انگریزی کی بدولت سائنس کو کسقدر فتوحات حاصل ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں ÷	۳۰	وقتیں اُٹھانی پڑیں اور عوام کا خیال ÷	
		سید احمد خاں کی خوش نصیبی اور کامیابی کا تذکرہ ÷	۳۶
کیوں سب سے معظم تر انگریزوں کی سائنٹفک فتوحات ہیں ÷	۳۰	گورنمنٹ کے نوکری عام کر دینے سے ذات کے امتیاز پر کیا اثر ہوا ÷	۳۷
		ایجوکیشنل کانگریس کی ابتدا کس سے ہوئی ÷	۳۸
انگریزی وضع ہندوستان پر کہاں تک محیط ہے ÷	۳۰	بمقابلہ یوروپ اگر آسائش انسانی کا موازنہ کیا جاے تو کون لائنز شیر ہولڈر ہے ÷	۳۸
ہندوستان میں جو اضطراری حکومت انگریزوں کی وجہ سے ہوئی کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی ÷	۳۱	انگریز کس طرح اور کس ذریعے سے دولت گھسیٹے لیے جاتے ہیں ÷	۳۹
ایام غدر ۱۸۵۷ء میں استحقاق سلطنت کے لیے مصنف کے خیالات ÷	۳۱	انگریزوں میں ہنرمندی و صناعی قوت ایجاد کہاں سے آئی اور کیونکر آئی ÷	۴۰
تیرھویں صدی میں سب سے بڑا عظیم الشان تغیر علمی تغیر تھا	۳۱		
ابتداے حکومت مسلمانوں سے ہندوں پر کیا اثر ہوا تھا اور اب سلطنت انگریزی میں کیا ہوا ÷	۳۲	علی گڈہ کالج کو اور کالجوں پر کیا فوقیت ہے ÷	۴۰
		تعلیم یافتہ لوگوں پر تحصیل انگریزی سے کیا نتیجہ مترتب ہوا	۴۱
اہل ہنود کو ترقی اور خوشحالی کسوجہ سے ہے ÷	۳۲	تعلیم موجودہ میں کس چیز کی کسر ہے ÷	۴۱
عام شاعری کی نسبت مصنف کے خیالات ÷	۳۲	ہندوستانیوں کی طبیعتیں خلقۃً کسطرح پر واقع ہوئی ہیں ÷	۴۲
عوام سرکاری تعلیم کو کسوجہ سے پسند کرتے ہیں ÷	۳۳		
انگریزی تعلیم کا مسلمانوں پر رواج پانے پر مصنف کا خیال ÷	۳۳	علوم جدیدہ کے سیکھنے میں عوام کی راے ÷	۴۳
		بعض انگریزوں کا ہندوستانیوں کی زبان کی نسبت کیا خیال ہے ÷	۴۳
لٹریچر سابقہ سے کیا کیا خرابیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں	۳۴		
مسلمان طلبا کیوں ریاضی میں اکثر فیل ہوتے ہیں ÷	۳۴	علوم جدیدہ کے ترجمہ کرانے پر ریمارک ÷	۴۴
علم معقولات کا رواج اب زمانہ سے کیوں اُٹھتا جاتا ہے	۳۵	تعلیم انگریزی سے اب کسیطرح تحرز ممکن نہیں ÷	۴۵
سرسید احمد خاں کو مسلمانوں کی رفارم کے ابتدا میں کسقدر	۳۵	مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کی نسبت مصنف کی راے ÷	۴۶

خلاصہ مضمون	صفحہ
ہندوستان کے عام مسلمانوں کے دین کا ماخذ کیا ہی اور	۴۷
اس ناقص سمجھ سے کیا نتیجے مستنبط ہوتے ہیں ۰	
مسلمان فہم قرآن کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا	۴۷
اب اسلام کی کیا حالت ہی ۰	۴۸
مسلمانوں کو فہم معانی قرآن کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔	۴۸
ترجمہ قرآن شریف کے بارے میں رائے مصنف ۰	۴۹
فقہ اور حدیث کی حالت فی زمانناکیا ہے ۰	۴۹
احادیث کی عزت اور اُسکے جمع کرنے میں محدثوں کو	۵۰
کیا دقتیں پیدا ہوئیں ۰	
علم حدیث سے مسلمانوں کو کسقدر گریز ہے ۰	۵۰
احادیث کس واسطے جمع کی گئیں ۰	۵۱
عام لوگوں کا مذہب کی نسبت کیا خیال ہے ۰	۵۱
مذہب اسلام میں علمیت کی سند کیونکر دیجاتی ہے ۰	۵۲
مروجہ طریقۂ درس عربی میں کیا نقص ہیں ۰	۵۲
مسدس برحالت زمانہ و اظہار افسوس ۰	۵۳ تا ۵۸
لکچر نمبر ۴ - انجمن حمایت اسلام لاہور	۵۹
لفظ حمایت اسلام کیسا پر جوش ہی ۰	۶۰
انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں لوگ کیوں کثرت سے	۷۰
جمع نہیں ہوئے ۰	
نفس اسلام پر جبریہ اشاعت کا کوئی الزام نہیں آسکتا ۰	۷۱
ہندوستان میں کس طرح اسلام پھیلایا گیا اور اُسکے پھیلنے	۷۲
سے اہل ہنود پر کیا اثر پڑا ۰	

خلاصہ مضمون	صفحہ
اصول مذہب کے کیا ہیں اور اسلام میں صفتیں کیا ہیں ۰	۷۲
اسلام انسان کو کیا سکھاتا ہے ۰	۷۳
حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کسطرح خدا کو پہچانا ۰	۷۳
عیسائیوں کے اصول پر اعتراض ۰	۷۳
آنحضرت صلعم اپنا دنیاوی گزارہ کسطرح پر کرتے تھے	۷۴
اور خلاق کی کیا کیفیت تھی ۰	
ابتدائے اسلام میں کیا کیا دقتیں پیش آئیں ۰	۷۵
صدقہ آل رسولؐ پر کیوں حرام کیا گیا ۰	۷۵
اسلام کیوں کثرت سے نہیں پھیلا ۰	۷۵
پادری لوگ اپنے دین کو کیونکر پھیلاتے اور کیا کیا طریقے	۷۵
عمل میں لاتے ہیں ۰	
دنیا میں جتنے اہل مذہب ہیں وہ ایک قسم کے دوکاندار	۷۹
ہیں ۰	
اسلام کو عیسائیوں سے کچھ خطر نہیں اگر ہی تو خود مسلمانوں سے ہے	۸۰
سب سے زیادہ مسلمانوں کو مقدم کام کیا ہے ۰	۸۱
اہل اسلام کی نسبت گروہ مخالفین کیا خیال رکھتے ہیں ۰	۸۱
آنحضرتؐ کو حالت عسر و یسر کیوں دی گئیں ۰	۸۲
مصنف کے اپنے مذہب کی پاسداری کے خیالات ۰	۸۲
اس زمانہ کے مسلمانوں کو نصاریٰ سے ہرگز وحشت نکرنی چاہیے	۸۳
اہل اسلام سخت گیر ہوتے ہیں ۰	۸۳
اسلام کا لب لباب اور اُس کی غرض و غایت کیا ہے ۰	۸۴
اب امت محمدیہ کی کیا حالت ہی ۰	۸۵

خلاصہ مضمون	نمبر صفحہ
اسلام وایمان میں کیا فرق ہے ÷	۸۶
وہ کیا چیز ہے جو اگلے مسلمانوں میں تھی اور اب کے مسلمانوں میں نہیں ÷	۸۸
انگریزی دان متنزل العقیدہ کیوں ہوتے ہیں ÷	۹۰
لکچر نمبر ۵ مسلمانوں کی حالت پر	۹۵
عمارت محمڈن کالج پر ریمارک مصنف ÷	۹۵
فنڈ کے روپیہ میں کیوں کمی ہے ÷	۹۸
مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا تذکرہ ÷	۹۸
کٹھ ملاؤں کے خیالات آیت وللہ العزۃ و لرسولہ وللمؤمنین پر ÷	۱۰۰
مسلمانوں کو جو بزرگان سابقہ کی عظمت یاد دلائی جاتی ہے اسکی نسبت مصنف کی رائے ÷	۱۰۱
اگلے مسلمانوں میں اگر اختلاف باہمی تھا تو کس طریق کا	۱۰۸
از روئے نیچر بھی اسلام فضیلت اور برتری کا دنیا بھر میں مستحق ہے ÷	۱۱۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی ظاہری شوکت کا کسقدر خیال تھا ÷	۱۱۲
ایجوکیشنل کانگرس کی شرکت کی نسبت عوام کے خیالات	۱۱۴
بدون اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے مسلمانوں کی حالت درست نہیں ہو سکتی ÷	۱۱۵
چندہ فراہم کرنے کی تدبیر ÷	۱۱۶
وہ کون باتیں ہیں جن کی مسلمانوں کی درستی میں سخت ضرورت ہے	۱۱۷
جو جس قوم میں پیدا ہوا ہے اسکے خیالات اسیقوم کیطرح کیوں ہوتے ہیں	۱۱۸
سید احمد خاں کیوں اونچے درجے کے انگریزوں کی طرح ماندوبود کرتے ہیں ÷	۱۲۵
لفظ جہاد کی تشریح ÷	۱۲۷
لکچرار جہاد کے کیا معنے سمجھتا ہے ÷	۱۲۷
گورنمنٹ انگریزی مسلمانوں کے حق میں کیسی ہے ÷	۱۲۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد پر کیسے مضبوط تھے اور صحابہ رضہ	۱۲۹
فی سبیل اللہ دینے یا دلانے کا تذکرہ ÷	۱۲۹
لکچر نمبر ۶ افتتاح مدرسہ طبیہ دہلی	۱۳۳
اشعار اظہار تاسف قوم کی حالت پر	۱۳۴
مصنف کا دل شرکت جلسہ مدرسہ طبیہ سے کیوں خوش نہیں ÷	۱۳۵
اس زمانے میں علوم و فنون کی ایجاد و صنعت کون لوگ کر رہے ہیں ÷	۱۳۶
مدرسہ طبیہ کے بارے میں بڑی مشکلات کیا ہیں ÷	۱۳۷
عبدالمجید خاں اور سید احمد خاں میں کیا مماثلت ہے ÷	۱۳۸
لکچر نمبر ۷ اثبات اصول اسلام پر بمقام لاہور	۱۳۹
حب وطن کی توصیف و تشریح اور اس پر ریمارک مصنف	۱۴۰
پنجاب کو تمام ہندوستان پر کیا فضیلت ہے ÷	۱۴۲
انجمن حمایت اسلام لاہور کی توصیف ÷	۱۴۲
مسلمانوں کی رفارمری کا اب تک ڈھنگ درست نہیں ہوا	۱۴۳

خلاصہ مضمون	صفحہ
بے انضمام مذہب لوگوں کے اخلاق نہیں درست ہوسکتے	۱۴۶
لامذہبی کے خیالات کا روح ثبوت اور یہ کس وجہ سے شروع ہوئے ؞	۱۴۷
قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کے بدیہی ثبوت	۱۵۰
آنحضرت ؐ پر وحی کس طرح اُترتی تھی ؞	۱۵۶
آنحضرت صلعم کی نسبت خیالات مصنف ؞	۱۵۸
صحبت ناموافق دین پر کیا اثر کرتی ہے ؞	۱۶۳
صحابہ رضوان اللہ علیہم کس قدر تعمیل حکم حضرت ؐ میں سرگرم تھے اور وہ دنیا کی گزارہ کس طرح کرتے تھے ؞	۱۶۴
ہر ایک کام کا مدار نیت پر ہے اور اُس کا فاعلِ مختار بندہ ہے ؞	۱۶۵
اسلام نے مذہب عیسائی کے ساتھ کیا سلوک کیا ؞	۱۶۵
مذہب اسلام کو مذہب عیسائی کے مقابلے میں کیا کیا مشکلات ہیں ؞	۱۶۶
مذہبی چھیڑ چھاڑ سے گریز کرنا مناسب ہے ؞	۱۶۷
اسلام اور مذاہب سابقہ جو منزل من اللہ تھے اُن میں فرق کلیتہً یا جزئیتہً ؞	۱۶۹
مخالفین مذہب کے بعض اعتراضات کے جواب ؞	۱۷۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم المرسلین ہونیکا ثبوت	۱۷۲
لکچر نمبر ۸ ۔ مدرسۂ طبیہ دہلی پر	۱۷۳
دہلی کالج کی تعلیم سے مصنف کو کس قدر نفع ہوا ؞	۱۷۴
طبابت بے مشق نہیں آسکتی ؞	۱۷۴

خلاصہ مضمون	صفحہ
طبیب کو کس سند کی زیادہ تر ضرورت ہے ؞	۱۷۴
اگر مدرسۂ طبیہ دہلی کی تمنا پوری نہ ہوئی تو آئندہ صدی عیسوی تک اس طب کا کیا ہونا ہے ؞	۱۷۵
حکیم عبد المجید خاں صاحب کو سید کی طرح چندے کے معاملہ میں کوشش کرنی چاہیئے ؞	۱۷۵
مدرسۂ طبیہ کی زیادہ تر خوش قسمتی کس وجہ سے ہے ؞	۱۷۶
لکچر نمبر ۹ ۔ مدرسۂ طبیہ دہلی پر	۱۷۷
بے ہنگام موت کسے کہتے ہیں اور زیادہ تر کس وجہ سے ہوتی ہے ؞	۱۷۷
جنرل اعظم الدین خاں صاحب کی وفات پر کیسا افسوس ہے ؞	۱۷۸
عام لوگوں کے تعلقات مدرسۂ طبیہ کے ساتھ کس طور پر ہیں ؞	۱۸۰
حکیم عبد المجید خاں صاحب مدرسۂ طبیہ کیواسطے کیا کیا کوششیں کر رہے ہیں اور کیوں ؞	۱۸۰
دنیا میں سب سے زیادہ فخر کا کون ذریعہ ہے ؞	۱۸۱
مسلمانوں میں افلاس و تنزل کی ایک خاص وجہ ؞	۱۸۱
مصنف کی طرز و روش فی زماننا ؞	۱۸۱
اگر مسلمان فضولیات سے بچنا چاہیں تو کیا بات اختیار کریں ؞	۱۸۲
مدرسۂ طبیہ کو نصیحت ؞	۱۸۳
زمانہ تدوین طب یونانی سے اب تک کس قدر انقلاب	۱۸۴

خلاصہ مضمون	صفحہ
واقع ہوتے ہیں ۔	
جن چیزوں کے واسطے مدرسۃ طبیہ دہلی کی بنیاد قایم کی گئی وہ ابھی کوسوں دور ہیں ۔	۱۸۶
محمڈن کالج کی کسقدر دھن سید احمد خاں کو تھی ۔	۱۸۷
اپنے لکچر کی نسبت مصنف کے خیال ۔	۱۸۷
مدرسۃ طبیہ کے واسطے کیسا لکچرار ہونا چاہیئے ۔	۱۸۷
مولویت کو طبابت سے کیا نسبت ہے ۔	۱۸۷
طلبہ کا امتحان کیونکر لیا جایا کرے ۔	۱۸۸
لکچر نمبر ۱۰ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس	۱۸۹
نظم مسلمانوں کی حالت و نکبت پر افسوس ۔	۱۹۰
کون جا بجا کامیابی ہے جو سر سید کو حاصل ہوئی ۔	۱۹۱
مصنف انگریزی الفاظ کیوں لکچر میں استعمال کرتا ہے ۔	۱۹۱
مصنف نے کس وجہ سے کالج میں انگریزی تعلیم نہیں پائی ۔	۱۹۲
انگریزی کے امپرو کرنے کا کیا طریقہ ہے ۔	۱۹۳
اگر ایک زبان سلیقہ سے حاصل کر لیوے تو دوسری زبان سہولت سے آسکتی ہے ۔	۱۹۳
حالی صاحب کی نظم کی کسقدر وقعت ہے اور علی الخصوص کون لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں ۔	۱۹۴

خلاصہ مضمون	صفحہ
آئندہ زبان اردو کی کیا کیفیت ہوگی ۔	۱۹۴
انگریزی تعلیم میں پہلی سی رغبتیں اب باقی نہیں ۔	۱۹۵
حضور نظام نے جو اس کالج کی مدد کی ہے اس کا اظہار شکریہ کس طریقے سے کیا جاسکے ۔	۱۹۶
مسلمانوں کو کمی مقدور کا خیال نہ کر کے حتی المقدور محمڈن کالج کی مدد کرنی چاہیئے ۔	۱۹۷
مصنف کے ذاتی خیالات اپنے لیئے ۔	۱۹۷
کوئی چیز ہو حد سے تجاوز کرنے سے اصلی مزہ باقی نہیں رہتا ۔	۱۹۸
گورنمنٹ نظام کے عطیے کی نسبت ریمارک مصنف ۔	۱۹۸
گورنمنٹ نظام نے جو مدد کی اس میں کیا مقصود تھا ۔	۱۹۹
مسلمان کتنی قسم کے ہیں ۔	۱۹۹
تعلیم کے لیے انتخاب غلط کیا جاتا ہے اس سے کیا برا اثر ہوتا ہے ۔	۲۰۰
مسلمانوں کے تعلیمی فنڈ کی کیا حالت ہے ۔	۲۰۰
عوام سکالرشپ کو کیا سمجھتے ہیں ۔	۲۰۰
عربی کے طالب علم کس طرح گزارہ کرتے تھے اور اب کرتے ہیں ۔	۲۰۰

خلاصہ مضمون	صفحہ
انگریزی طلبا کی کیا کیفیت ہے ۔	۲۰۱
انگریزی طلبا اور سوبجروں میں کیا فرق ہے ۔	۲۰۱
تعلیم میں مدد دینا خیرات کے مروجہ طریقوں سے کیوں بہتر ہے ۔	۲۰۱
مسلمان تعلیم کو کسقدر آسان سمجھتے ہیں ۔	۲۰۲
اہل ہند و اہل یوروپ کی حالت میں کسقدر فرق ہے ۔	۲۰۲
کون تعلیم ایسی ہے جو کبھی ناکامیاب نہیں ہوسکتی ۔	۲۰۳
مفلسی ور محکومی کس وجہ سے بری ہے ۔	۲۰۴
ہندوستانی طلبا خلقۃً کیسے ہوتے ہیں ۔	۲۰۵
اس کانفرنس کے اصول ابھی تک کیوں ٹھیک نہیں ہیں ۔	۲۰۵
اس کانفرنس کی کامیابی کی نئی تدبیر ۔	۲۰۶
باستثنا سرسید کے تعلیم میں کون کوشش کرتا ہے ۔	۲۰۶
جس وقت محمڈن کالج کا چندہ شروع ہوا اُس وقت لوگوں کے خیالات کیا تھے ۔	۲۰۷
لوگوں نے ابھی تک اس کانفرنس کی اہمیت کو	۲۰۸

خلاصہ مضمون	صفحہ
نہیں پہچانا ۔	
انسان اگر ترقی کرسکتا ہے تو کس چیز سے ۔	۲۰۷
ٹکنیکل ایجوکیشن کو عام تعلیم کے پروگرام میں شامل کرنے کے بارے میں ریمارک مصنف ۔	۲۰۸
بدون سائنس ٹکنیکل انسٹرکشن کچھ کام نہیں آسکتا ۔	۲۰۸
آدمی کے ساتھ جو دوہری ذمہ داریاں لگی ہیں اُن کی نسبت تذکرہ ۔	۲۰۹
آپ عموماً کس قسم کے مسلمان ہیں ۔	۲۱۰
اظہار رائے مصنف کہ مذہب انسان کے کانسٹیٹیوشن میں داخل ہے مع ثبوت ۔	۲۱۰
جامع دستور العمل دنیا میں کون سا مذہب ہے ۔	۲۱۱
کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے خطہ میں پیدا ہوئے ۔	۲۱۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے ساتھ کیا خیال تھا ۔	۲۱۱
اگر تعلیم مذہب سے علیحدہ رہے گی تو اسلام قائم نہیں رہ سکتا ۔	۲۱۱
مسلمانوں کی ہستی و ترقی مدارج کس وجہ سے ہوسکے ۔	۲۱۱

خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ
اب اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کیا شان اختیار کرنی چاہیئے +	۲۱۲	شرقیہ تعلیم کا سلسلہ پنجاب میں پہلے کس مقام سے شروع ہوا +	۲۲۱
مضمون حدیث انما الاعمال بالنیات کی تشریح +	۲۱۲	مسلمانوں میں اگر تغیر ہوا تو کس قسم کا +	۲۲۳
		انگریزی عملداری میں سب سے زیادہ کون قوم تباہ ہوئی +	۲۲۳
اس زمانے کے مولویوں کے لیے بکار آمد ہدایت +	۲۱۳	مسلمان کیوں تباہ ہیں +	۲۲۴
اس زمانے کے انگریزی خواں کس بلا میں مبتلا ہیں +	۲۱۳	مذہب اسلام کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل +	۲۲۵
کالج میں رہنے اور گھر میں رہنے سے فرق +	۲۱۴	صحابہ کبار رض کو سلطنت لینے سے کیا منظور تھا +	۲۲۵
بدون تعلیم انگریزی اسلام قائم نہیں رہ سکتا +	۲۱۴	دین کیا چیز ہے اور اس کو دنیا کے ساتھ کیا نسبت ہے +	۲۲۵
انگریزی تعلیم میں مدد دینا گویا مسلمانوں کی حالت دنیاوی کا درست کرنا ہے +	۲۱۵	دنیا داری میں اسلام کو کس طریقے سے برتنا چاہیئے +	۲۲۶
خدا کے کارخانے میں دخل نہ دینا چاہیئے +	۲۱۶	دینی احکام بھی بدل جاتے ہیں +	۲۲۸
لفظ جہاد کی تشریح +	۲۱۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کتنے	۲۲۹
لکچر نمبر ۱۱ - انجمن حمایت اسلام لاہور	۲۲۰	حصے تھے اور وہ کس طرح پر صرف ہوئے +	
تغیرات عالم کا تذکرہ +	۲۲۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس خاندان سے	۲۲۹
پچھلی عملداریوں کو عموماً نظر حقارت سے دیکھنا کیوں بے انصافی ہے +	۲۲۰	تھے اور وہ خاندان کیا عزت و شرافت میں تھا +	
مذہب اسلام نے کیوں چار بیبیوں تک کی اجازت دی +	۲۲۱	قوم قریش کی اہل عرب کس قدر عزت کرتے تھے +	۲۳۰

خلاصہ مضمون	صفحہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی طرف ہجرت کرنا *	۲۳۱
حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا ایمان لانا کیوں سب پر فوق رکھتا ہے *	۲۳۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حبشے کی طرف ہجرت کرنا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ کی طرف *	۲۳۴
جو لوگ معترض ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا اُن کا جواب *	۲۳۴
صلح حدیبیہ کا تذکرہ *	۲۳۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت سے مابعد میں کیا کیا اختلاف ہوئے *	۲۳۸
دوسری قوموں کا مسلمانوں کی نسبت کیا خیال ہے *	۲۳۹
مسلمانوں کے مزاجوں کی اُفتاد کیسی واقع ہوئی ہے *	۲۴۰
مذہبی مباحثہ کی ممانعت اور اُس کی برائیاں *	۲۴۴
اگر کوئی مخالف مذہب حملہ کرے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے *	۲۴۶
مسلمانوں کو کیسے عادات اختیار کرنی چاہئیں *	۲۴۶

خلاصہ مضمون	صفحہ
عام لوگوں کے خیالات خدا کی توحید میں کسطرح پر ہیں *	۲۴۶
مسلمانوں میں تالیف قلوب نہ ہونے کے بُرے نتیجے *	۲۴۷
زمانے کی حالت اب کیونکر قائم ہوئی ہے *	۲۴۸
اسلام میں اسباب بے وقعتی کیا ہیں *	۲۴۹
انجمن حمایت اسلام لاہور کس درجے کی انجمن ہے *	۲۴۹
انجمن حمایت اسلام لاہور کے چندہ فراہم کرنے کی نئی تدبیر *	۲۵۰
مسلمانوں کو انگریزی حکومت میں کس طرح گزارہ کرنا چاہیئے *	۲۵۲
لکچر نمبر ۲۱۔ حکیم محمود خاں صاحب کی وفات پر	۲۵۴
سال سنہ ۱۸۹۲ء کی منحوسیت کا تذکرہ اور اُسکے ناشدنی اتفاقات کے حالات	۲۵۵
حکیم محمود خاں صاحب کس شہرت کے آدمی تھے *	۲۵۵
طب یونانی کے اعتبار کو پبلک کی نگاہ میں کس نے قائم رکھا *	۲۵۵
حکیم محمود خاں صاحب کی وفات ملکی مصیبت کیوں ہے *	۲۵۵

خلاصہ مضمون	صفحہ	خلاصہ مضمون	صفحہ
شہر دہلی اب کیوں بدنصیب ہے ۔	۲۵۵	طب یونانی کو مسلمانوں سے کیوں خصوصیت ہے ۔	۲۶۰
حکیم محمود خاں صاحب کی تندرستی کیسی تھی ۔	۲۵۶	مسلمانوں کی تعمیل احکام مذہبی میں کیا حالت ہے ۔	۲۶۰
حکیم محمود خاں صاحب عام بلکہ خاص آدمیوں سے کیوں ممتاز تھے ۔	۲۵۶	مسلمان اس مدرسہ طبیہ میں کیوں جی کھول کر نہیں شریک ہوتے ۔	۲۶۰
حکیم عبدالمجید خاں نے کون ایسا کام کیا ہے جس سے باپ پر بھی سبقت لے گئے ۔	۲۵۶	مدرسہ طبیہ کو جہاں تک آسرا اور سہارا ہے تو کس کا ہے ۔	۲۶۱
لکچر نمبر ۱۳ ۔ مدرسہ طبیہ دہلی پر	۲۵۷		
کامیاب اور غیر کامیاب جلسوں کے حالات ۔	۲۵۸	حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو چندہ مانگنے کی ضرورت نہیں اور روپیہ فراہم کرنے کی نئی تدبیر ۔	۲۶۱
کیوں محمڈن کالج علی گڈھ کی بنیاد غیر مستحکم ہے ۔	۲۵۸	عوام حکیم عبدالمجید صاحب کو کیا سمجھتے ہیں ۔	۲۶۱
انسان کی زندگی میں سب سے نازک وقت کون سا ہوتا ہے ۔	۲۵۸	اشتہار حقیقت میں کیا چیز ہے ۔	۲۶۱
کیوں مدرسہ طبیہ نے اب تک ترقی نہیں پائی ۔	۲۵۹	اشتہار دینے کے طریقے کیا ہیں ۔	۲۶۲
مدرسہ طبیہ کسطرح کا ہونا چاہیئے تھا ۔	۲۵۹	مشہور انگریزی ادویہ کی تفصیل جو عوام میں بکثرت فروخت ہوتی ہیں ۔	۲۶۲
مدرسہ طبیہ نئی چیز کیوں ہے ۔	۲۵۹	جسقدر لوگ غنی ہوتے جاتے ہیں اسیقدر اخراجات بھی بڑھتے ہیں ۔	۲۶۳
مدرسہ طبیہ کی ناکامیابی کا الزام کس پر ہے ۔	۲۵۹	مدارج اعداد کی تعداد کیوں مہاسنکھ تک کی گئی ۔	۲۶۳
مسلمانوں کی حالت پر اظہار رائے مصنف ۔	۲۵۹		
مسلمانوں کے بھیک مانگنے کی کیوں باری آئی	۲۶۰	مسٹر بیچم سوداگر یورپ نے کسقدر روپیہ اشتہار میں صرف کیا	۲۶۴

خلاصہ مضمون	صفحہ
مسٹر ہالوی نے جو رائل کالج بنایا اُس میں کس قدر روپیہ صرف ہوا اور اُس کالج کی کیا عظمت ہوئی ۔	۲۶۴
حکماء ہندوستان کو سب سے زیادہ تر کون سی شرم کی بات ہے ۔	۲۶۴
کیوں ہندوستانی انگریزی ادویہ استعمال کرنے پر مجبور ہیں ۔	۲۶۴
تجارت کی کامیابی کا طریقہ ۔	۲۶۴
ولایت کے ایک اخبار اور ہندوستان کے کل اخباروں کا موازنہ ۔	۲۶۵
متضاد باتیں ایک سر میں جمع نہیں ہو سکتیں ۔	۲۶۵
ہم اگر دنیاوی حالت درست کرنی چاہیں تو کس کی تقلید کرنی چاہیئے ۔	۲۶۶
یورپ کے بعض مشہور تاجروں کا حال ۔	۲۶۶

مجموعہ لکچروں کا انڈکس ختم ہوا

جناب مولانا مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب دہلوی کے

شروع سے جون سنہ ۱۸۹۲ء تک کے

لکچروں کا مجموعہ

مرتبہ

محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی بازار دریبہ کلاں سنہ ۱۸۹۳

مطبع انصاری واقع دہلی میں زیور طبع پہنکر مقبول جہاں ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مولوی حافظ **محمد نذیر احمد خاں صاحب** جس طرح پرانے مولوی اور نئے حافظ ہیں اسی طرح وہ پرانے مصنف اور نئے لکچرار بھی ہیں۔ اب سے چار برس پہلے اور تو اور خود مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو بھی معلوم نہ تھا کہ ان میں لکچر دینے کی بھی قدرت ہی۔ جس طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا عالم ہو وہ بڑا معلم بھی ہو اسی طرح ضرور نہیں کہ جو بڑا منشی یا ادیب ہو وہ بڑا لکچرار بھی ہو۔ لکچر دینے کے لیئے بعض ایسی صفتیں بھی درکار ہیں جو صرف وہبی یعنی خدا داد ہو سکتی ہیں نہ اکتسابی کہ جو چاہے محنت و مشقت سے حاصل کرلے۔ مثلاً لکچرار چاہیئے جہیر الصوت[1] ہو کہ جو کچھ کہے حضار مجلس کو گنتی میں کتنے ہی کیوں نہ ہوں سُنا سکے اور سُنا سکے بھی تو اس طرز پر کہ قریب متاذی[2] نہ ہوں اور بعید محروم نہ رہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو دلّی۔ لاہور علی گڈھ میں لکچر دیتے دیکھا چھ چھ سات سات ہزار آدمیوں کا مجمع اور خدا نے عجیب آواز دی ہی کہ سُننے میں پاس کے پاس اور دور سے دور کے لوگ سب یکساں۔ پھر لکچرار چاہیئے قوی دل دلیر کہ حاضرین[3] کیسے ہی ذی رتبہ اور مقتدر اور لائق ہوں وہ کسی سے نہ جھینپے۔ اچھے اچھوں کو دیکھا کہ دماغ میں بہت کچھ بھرا ہوا ہی گویائی بھی خاصی ہی۔ مگر مجمع کو دیکھ کر کچھ ایسی سٹی گم ہو جاتی ہی کہ ایک بات کہتے نہیں بن پڑتی اور بتکلف کہی بھی تو پسینے پسینے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آواز لڑکھڑائی جاتی ہی۔ ہاتھ پاؤں پڑے کانپ رہے ہیں۔ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب لکچر دینے میں اگر مرعوب ہوتے ہیں تو اسی قدر کہ گرمی کے دنوں میں پانی اور جاڑے میں چاے بار بار پیتے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا تو کہا چیخ کر بولنے میں زور بہت پڑتا اور گلا خشک ہوا چلا جاتا ہی۔ مگر ایسی تو کیا بات ہی کہ آڈینس کا کچھ بھی اثر نہ پڑتا ہو۔ پھر بھی بڑے ہی بے تکان بولنے والے

[1] بلند آواز ۱۲ [2] ایذا نہ پائیں ۱۲ [3] حاضرین ۱۲

ہیں۔ اور ایک خاص بات یہ ہی کہ اس عمر پر چار چار پانچ پانچ گھنٹے متصل اُسی کڑاکے سے بولتے رہیں
اور نہ تھکیں اور نہ آواز بھرائے۔ مولوی نذیر احمد خاں صاحب لکچر لکھ کر اپنے ساتھ لایا کرتے ہیں اور اتنے بڑے
بڑے لکچر جو بجائے خود کتاب نہیں تو رسالے ضرور ہوتے ہیں۔ زبانی یاد داشت پر دیتے ہیں بھی مشکل سگرۂ
جو کچھ لکھ کر لاتے ہیں اسکو نوٹ سمجھو۔ اُچٹی ہوئی سی ایک نظر ڈال لی اور ایک پورے مطلب کو حاضرین کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ادا کر دیا۔ اور اگر سر جھکائے لکھا ہوا دیکھ دیکھ کر بیان کریں جیسے سر رشتہ دار پیش
حاکم رپورٹ پڑھتا ہی یا بار بار تحریر کو دیکھتے جائیں تو سننے والوں کو مزہ ہی کیا خاک ملے۔ اگر بیان میں جادو
ہی اِنّ من البیان لسحرًا[1] تو وہ کہنے والے کی آنکھوں سے نکل کر سننے والے کی آنکھوں میں اور پھر اُس کے
دل میں جگہ کرتا ہی۔ بہت سی باتیں ان کو عین وقت پر سوجھتی جاتی ہیں اور وہی ان کے لکچر کی جان ہوتی ہیں
مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے معدودے چند کے سوائے اکثر بڑے بڑے مطول لکچر دیئے ہیں اور
یہ اُن ہی کی ظرافت اور خوش بیانی کا اثر تھا کہ کبھی کسی کو ملول ہوتے نہ دیکھا۔ وہ جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب
کی تحریر کی طرز خاص ہی اور جو الگ پہچان پڑتی ہی۔ اُس زور سے تو نہیں مگر پھر بھی ان کے لکچروں سے ٹپکی پڑتی ہی
ان کو اردو فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں قدرت حاصل ہی اور عربی انگریزی کے الفاظ بلکہ جملے کے جملے وہ ایسے
بے تکلفی کے ساتھ بولتے چلے جاتے ہیں کہ گویا ان کی اپنی زبان ہی۔ قوم اور ملک نے صرف طرز بیان اور
زور بیان ہی کی وجہ سے ان کے لکچروں کی قدر نہیں کی۔ بلکہ ان کے مطالب اور مضامین ایسے ضروری اور
مفید ہیں کہ ان کے لکچر ان کی تصنیفات پر فائق اور مرجح نہیں تو دلچسپ ہونے میں کسی سے ہیٹے بھی نہیں
انہوں نے بہت سے معرکۃ الآرا مضامین پر نہایت آزادی اور متانت اور استواری سے اپنی رائے ظاہر کی
ہی اور وہ ایسی محکم اور مدلل ہی کہ چار و ناچار اُس سے اتفاق کرنا پڑتا ہی۔ مذہب اسلام اور تعلیم دونوں کیسے ضروری
مضمون ہیں اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے ان پر ایسی موشگافی کے ساتھ بحث کی ہی کہ کوئی
پہلو بچنے نہیں پایا۔ اسلام کی تائید میں ان کے دلائل ایسے تشفی بخش اور یقین لانے والے ہیں کہ علم کلام کی کسی
کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ نوجوان انگریزی خواں جو سائنس اور مذہب کی کشمکش میں ثابت قدم رہ
نہیں سکتے ان کو دین اسلام پر جمے رہنے کے لیئے ان لکچروں سے سہارا لینا ضرور ہی۔
سب سے پہلے فضل الدین صاحب تاجر کتب لاہور نے مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کو جمع کر کے
چھپوایا۔ مگر اُس وقت تک خود لکچر تھوڑے سے ہوئے تھے اور جو ہوئے وہ بھی اُن کو پورے دستیاب

[1] بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں ۱۲

نہیں ہوئے یا انھوں نے کسی وجہ سے سب کو لینا نہیں چاہا۔ چونکہ لکچروں کا سلسلہ جاری ہی اب وہ کتاب ادھوری
اور ناتمام ہی۔ فضل الدین صاحب نے حجم بڑھانے کو یا پڑھنے والوں کی خاطر سے لکچرار کے سوانح عمری سب نہیں
اکثر نہیں تھوڑی برائے نام شروع میں بڑھا دیتے ہیں۔ مگر جو شخص حی و قائم زندہ موجود ہو اپنا دل تو اس کے
حالات قلمبند کرنے کو گوارا نہیں کرتا۔ اول تو معلوم نہیں کہ آخر تک اس کے مزاج میں۔ عادات میں۔ حالات
میں کیسے کیسے تغیر واقع ہوں۔ دوسرے کوئی بندہ بشر ایسا ہوا ہی یا اب ہی یا آئندہ ہونا ممکن ہی جو بے عیب ہو
ہم اسی کو بے عیب سمجھتے ہیں جس کے ہنر اس کے عیوب پر غالب ہوں۔ بہرکیف جس طرح ہر تصویر میں دو رخ ہوتے
ہیں۔ روشن اور تاریک ہر انسان میں دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض قابل مدح اور بعض مستوجب
ملامت۔ اور مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی اس کلیے سے کیوں مستثنیٰ ہوں اگر ہم ان کی نری مدح ہی
مدح کریں تو وہ بیجا خوشامد کے علاوہ جھوٹ بھی ہوگا اور اگر ان کے نقصان اور عیب بھی ظاہر کریں تو بھی
بٹھائے اُن کا اور اُن کے اقارب احباب کا دل دکھائیں۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اپنے میں کسی نقصان کے ہونے سے
رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مگر ایسے بہت بلکہ سب ہیں جو ان نقصانات کے ظاہر کیے جانے سے ضرور آزردہ ہو جاتے ہیں
مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے مزاج میں کوئی نہ کوئی تو خرابی ہی کہ وہ بالا رضامندی نہیں بلکہ خلاف مرضی نوکری سے
الگ ہو کر بیٹھے بیکاری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ نہ ان کو کوئی خطاب ہی نہ وہ شریک کونسل ہیں اور نہ کسی سوسائٹی کے
ممبر فرض کرو کہ ہم اپنے زعم کے مطابق اس خرابی یا اُن خرابیوں کو بیان کریں تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کو بُرا
لگے پر لگے۔ اور کہیں اس سے اُن کو پیدا ہو بے دلی۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی تصنیفات اور لکچروں کے
سلسلے کے انقطاع یا کمی کے ہم باعث ہوں۔ اور پبلک ہم کو کوسیں اور بد دعائیں دیں۔ اس لیے ہم اس پہلو ہی پر نہیں آتے
ورنہ ہم کو تو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اتنا ان کے سب لکچر مل کر نہ ہوتے جتنی ان کی سوانح عمری
مگر ہم نے اس کمی کی تلافی اس طرح پر کر دی ہی کہ اولاً ان کے کل لکچر شروع سے تا تاریخ امروزہ جمع کر دیتے ہیں اب لکچروں کی قسم سے
کوئی حرف متروک نہیں۔ ثانیاً ہم نے کل لکچروں کا ایک انڈکس بنا دیا ہی تاکہ ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ ان لکچروں میں کس
کس قسم کے مطالب ہیں اور وہ کس جگہ ملیں گے۔ ثالثاً عربی اور انگریزی عبارتوں کا ترجمہ اور جہاں ضرورت معلوم ہوئی حاشیہ بطور
فٹ نوٹ کے بڑھا دیا ہی تا فہم مدعا میں سہولت ہو۔ غرض ہمارا خیال یہ ہی کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا
مجموعہ اس سے بہتر کسی نے اس وقت تک ترتیب نہیں دیا۔ رہی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی سوانح عمری ہمارے پاس اس کا
اتنا سامان مہیا ہی کہ جب ہم اس کو پبلک کے روبرو کتاب کے پیرایہ میں پیش کریں گے تو لوگ دیکھ لیں گے کہ سوانح ایسے ہوتے ہیں فقط

انڈین نیشنل کانگرس پر

جو ۵۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بمقام ٹون ہال دہلی میں دیا گیا

تمہید

اس کی حقیقت اس طرح پر ہے کہ بمبئی سے کوئی بھیم جی صاحب نیشنل[2] کانگرس کی طرف سے دہلی میں آئے۔ اتفاقات سے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دورے پر تھے۔ انھوں نے کسی میونسپل کمشنر سے ہال بلا کر ٹون[3] ہال میں تائید کانگرس لکچر[1] دیا۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ کانگرس کی حمایت کو لوگ کھڑے ہوں اسکے ممبر نہیں چندہ دیں۔ ان دنوں سرکاری حکام شاید بایماے گورنمنٹ کانگرس کے مخالف تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ کانگرس کو عروج اور ترقی ہو غرض صاحب ڈپٹی کمشنر نے دورے میں بھیم جی کے لکچر کا حال سنا اور دہلی واپس آئے لوگوں سے ملاقاتوں میں ظاہر ہوا ہوگا کہ بھیم جی نے جو مجمع کیا وہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی رائے کی خلاف تھا۔ اسکی تردید میں دوسرا مجمع ہوا اور بڑے اہتمام از دحام کے ساتھ ہوا لکچر دینے والوں

---

[1] گفتگو۔ وعظ ۱۲ [2] ہندوستانی قومی مجمع۔ یہ ایک جماعت تخمیناً دس برس ہوئے جب قائم ہوئی تھی اور غرض اس کی یہ تھی کہ سرکار انگریزی سے لڑ بھگڑ کر رعایا کے کچھ حقوق دلوائے جائیں ۱۲ [3] لفظی معنی شہر کا کمرہ۔ یہ شہر دہلی میں میونسپل کمیٹی کے اجلاس کی جگہ ہے۔ میونسپلٹی کے علاوہ دیگر مجامع بھی ہوتے رہتے ہیں ۱۲

میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب پیش پیش تھے اور یہ اُن کا لکچر ہے۔

مجکو مجامع عام[1] میں شریک ہونے کی عادت نہیں اور شوق و رغبت بھی نہیں اس لیے کہ میں اپنی زندگی کے اخیر دن ایسے سکون میں بسر کرنے چاہتا ہوں کہ اپنے اختیار سے ایک گوشۂ عافیت میں پڑا ہوں ؏

کہ کس نہ گویدازینجا بخیز و آنجا رو

لیکن چند احباب نے اصرار کیا کہ نیشنل کانگرس کی نسبت میں اپنے خیالات علی رؤس الاشہاد ظاہر کروں۔ اُنھوں نے یہ توقع بھی ظاہر کی کہ تمھارے خیالات معلوم ہونے سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ مسلمانوں کے فائدے کا نام سنکر میں نے نقضِ عادت کیا۔ اور بے تامل آپ لوگوں میں آکھڑا ہوا۔ میرے کان تو تین تین ساڑھے تین تین برس ہوتے کانگرس کے نام سے آشنا ہیں۔ مگر کیا تمام حاضرین کا یہی حال ہے؟ مجکو توقع نہیں مسٹر بھیم جی[2] یا بھینیم جی صاحب (کیونکہ مجکو اُن کے نام کی بھی اچھی طرح صحت نہیں) غرض جو کچھ ہوں۔ اُن کے لکچر سے شاید دو یا تین دن پہلے کا مذکور ہے کہ میں اور مولوی محمد کریم بخش صاحب اور ایک صاحب اور قبل المغرب جامع مسجد کے حوض پر منتظرِ نماز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک شخص مسٹر بھیم جی کا اشتہار دکھا کر پوچھنے لگے کیوں صاحب یہ کیا چیز ہے؟ چونکہ اُنھوں نے لفظ نیشنل کانگرس پر اُنگلی رکھکر پوچھا معلوم ہوا کہ پڑھے لکھے ہیں مگر نہ لفظ نیشنل کانگرس اُن کی زبان سے ادا ہوتا ہے نہ اسکے معنی سمجھے ہیں ضیقِ وقت[3] کی وجہ سے اُنکے ساتھ زیادہ باتیں کرنے کی مہلت تو نہیں ملی تاہم اُنکے طرزِ استفسار سے ایسا مستنبط[4] ہوتا تھا کہ نیشنل کانگرس کو اندر سبھا کی قسم کا کوئی تماشا سمجھے ہیں (چیرز[5]) ابھی تھوڑی دیر میں آپ صاحبوں پر ثابت کر دونگا کہ اندر سبھا کی قسم کا تو نہیں لیکن نیشنل کانگرس تماشا تو ضرور ہے (چیرز) مجکو نیشنل کانگرس کے کسی جلسے میں شریک ہونیکا اتفاق تو نہیں ہوا مگر جہاں تک اخباروں میں پڑھا اور جہاں تک لوگوں سے سُنا اس سے نیشنل کانگرس کی اصل حقیقت میں نے اپنے ذہن میں یوں ٹھہرا رکھی ہی کہ انگریزی تعلیم مدتوں سے چپکے چپکے دلوں میں شورش پیدا کر رہی تھی لوگ نوکری کے واسطے تیاری کرتے اور نوکری ہی کی امید میں سخت سخت زحمتیں اٹھاتے تھے سرکار نے تعلیم پر ملکی ضرورتوں سے بہت زیادہ زور دیا جس کا ضروری نتیجہ یہ تھا کہ خواستگاران نوکری کا ایک بہت بڑا کثیر الانفار[6] گروہ پیدا ہو گیا بیشک عقلاً محال تھا کہ سرکار جن کی

---

[1] مجمع عام میں سب کے روبرو ۱۲ [2] یہ صاحب بمبئی ہیں جو مسلمانوں کا بڑا نامی مقتدر خاندان ہی اُس میں کے ایک ممبر ہیں ۱۲ [3] تنگی ۱۲ [4] معلوم ہوتا تھا ۱۲ [5] یہ ایک انگریزی طریقہ ہی کہ جب کسی لکچر پر سامعین خوش ہوتے تو تالیاں اظہار مسرت کے لیے بجاتے ہیں ۱۲ [6] جس میں کثرت سے آدمی ہوں ۱۲

جزرسی اور کفایت شعاری بھی مشہور ہے۔ اُس حجم غفیر کو نوکریاں دے سکے۔ یوں سلسلہ بسلسلہ بڑھنے سے توقعات۔ توقعات سے حرمان۔ اور حرمان سے نارضامندی پیدا ہوئی۔ جس کا مرادف ہی نیشنل کانگرس پس نیشنل کانگرس اسکے سواے اور کچھ نہیں کہ چند ناکام انگریزی خواں اس پیرایہ میں اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑ رہے ہیں (چیرز) ان کے دلوں میں گورنمنٹ کی طرف سے ناحق کے بخارات بھرے ہوئے ہیں اور انکے بخارات نے ان کی چشم انصاف کو اس قدر تیرہ و تار کر دیا ہے کہ گورنمنٹ میں سوائے عیب کے ان کو کچھ نہیں سوجھتا۔ ایک شاعر عربی نے کیا خوب کہا ہے شعر

وَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ ۔۔۔ وَلٰکِنَّ عَیْنَ السُّخْطِ تُبْدِی الْمَسَاوِیَا

یعنے خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہے جسکو بُرائی ہی بُرائی سوجھتی ہے میں نے اب تک لفظ نیشنل کانگرس استعمال کیا اور آیندہ بھی کروں گا۔ صرف اس وجہ سے کہ جو لوگ نیشنل کانگرس کے بانی اور موجد محرک ہیں اُنھوں نے اپنے گروہ کا یہی نام رکھا ہے "انڈین نیشنل کانگرس" اپنے مُونہ میاں مٹھو لیکن ایک طفل مکتب جسکو ہندوستان کے جغرافیے اور تاریخ سے کچھ بھی مناسبت ہے۔ ہندوستان کے نام کے ساتھ لفظ نیشنل سنکر کان کھڑے کریگا۔ کہ کجا ہندوستان اور کجا نیشنلٹی۔

من چہ مے سرایم و طنبورہ من چہ می سراید

تمام روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں کہ جس میں اس کثرت سے مختلف العقائد مختلف المراسم مختلف العادات اور مختلف الاغراض قومیں رہتی ہوں۔ جیسے ہندوستان میں۔ پس ایسے اجزائے متضادہ کو یکجا کر کے ایک معجون مرکب قوم واحد قرار دینا صریح مغالطہ دہی ہے۔ مگر کس کو؟ اُن کچھ انگریزوں کو جو انڈیا کا اتنا ہی حال جانتے ہیں کہ ایک بڑی زرخیز کالونی ہے اور بس۔ بھلا شکلی تفریقوں کا لحاظ بھی نہ کرو اور ہندو ہندو ایک اور مسلمان مسلمان ایک قوم سمجھو تو خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہیں مگر ہندو اور مسلمان کیونکر ایک قوم میں شامل ہو کر انڈین نیشن کہلا سکتے ہیں (چیرز) گنگا اور سندھ کا سنگم ہو سکتا ہے۔ اور نہیں ہو سکتا تو ہندو اور مسلمان کا جب تک ہندو ہندو ہے اور مسلمان مسلمان بَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا اھ (چیرز) قومیت کے بارے

---

۱ بھیڑ کی بھیڑ ۱۲ ۲ جمع توقع یعنے امید ۱۲ ۳ ناامیدی ۱۲ ۴ ہم معنی ۱۲ ۵ بالکل اندھا ۱۲ ۶ بنا کرنیوالے ۱۲ ۷ ایجاد کرنے والے ۱۲ ۸ تحریک کرنے والے ۱۲ ۹ ضد کیے ہوئے ۱۲ ۱۰ جو دوائیں مفرد دواؤں سے ملکر بنے ۱۲ ۱۱ فریب ۱۲ ۱۲ تازہ ولایت۔ ناواقف ۱۲ ۱۳ ہندوستان ۱۲ ۱۴ نو آباد بستی جہیں کسی ملک کے آدمی آکر بسے ہوں ۱۲ ۱۵ جس جگہ دو دریا باہم ملکر بہیں ۱۲ ۱۶

ہیں ہم ہندؤں کا بخل دیکھتے ہیں کہ ان ہی میں کا کوئی شخص ولایت جاکر واپس آئے تو پھر اُسکو اپنے میں شامل نہیں کرتے۔ اِسکی مثالیں خود ہمارے اسی شہر میں موجود ہیں۔ لیکن جنم کے بھرشٹ[۱] جنم[۲] کے ملیکش[۳] پر مسلمانوں کے حال پر ایسی کیا دیا[۴] اور کرپا ہے کہ ہمکو کانگرس میں اپنے ساتھ گھسیٹے لیے جاتے ہیں (چیرز برے زور سے) ع

ہیں تو ڈوبا ہوں مگر تجھکو بھی لے ڈوبونگا (چیرز) سیو می[۵] فرام مائی فرینڈز* آخر تو کچھ دال میں کالا ہے ×

اسیطرح کا ایک واقعہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا ہو چکا ہے کہ کارتوس پر بگڑے تو ہندو۔ مگر آخرکار ہندؤں کے آٹے کے ساتھ مسلمانوں کا گھُن بھی پس گیا (چیرز) ×

کانگرس والے جو چاہیں سو کہیں۔ میونسپلٹی کے ممبروں کے انتخاب اور مذہبی تقریبات محرمؔ و دسہرہؔ۔ ہولیؔ عیدؔ وغیرہ میں ہر مرتبہ ایسے شواہد پیش آتے رہتے ہیں کہ ہندو و مسلمان دو عناصر ہیں۔ بالطبع ضد یکدگر ایک دوسرے سے نفور[۶]۔ جنکو حاکمان وقت نے بہ زور حکومت جمع کر رکھا ہے (چیرز) ہمارے ہندوستان کی ترکیب ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بدون فارن[۷] گورنمنٹ کے ہم من حیث المجموع چین سے رہ نہیں سکتے۔ ہمنے سیکڑوں برس ہندو اور مسلمان دونوں کی حکومتوں کو آزمایا۔ اور تاریخ میں اسبات کا کافی اور وافی ثبوت موجود ہے کہ کسی ایک گورنمنٹ کو بھی برٹش گورنمنٹ کی سی کامیابی نہیں۔ اُسکا ہزارواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا (چیرز) ہندؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں۔ اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اِسی میں ہے کہ کوئی اجنبی[۸] حاکم اسپر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو اور نہ مسلمان۔ پس ہو نہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو سلاطین یورپ میں سے کون ہے جسنے سلطنت ہندوستان کی طمع نہیں کی۔ فرنچ[۱۰]۔ پورچگیز[۱۱]۔ ڈچ[۱۲] اپنی اپنی جگہ سب نے زور آزمائیاں کیں۔ حضرت شہنشاہ روس کے خاندان میں تو پیٹر دی گریٹ[۱۳] کیوقت سے یہ مرض نسلاً بعد نسل متوارث[۱۴] چلا آتا ہے کہ جس طرح بن پڑے ہندوستان پر قبضہ کیجیے۔ مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اِسی کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے (چیرز) انہوں نے سو سوا سو برس حکومت کر کے اپنی قومی بیدار مغزی۔ جفا کشی لیاقت۔ انصاف۔ رعایا پروری اور بہادری کو ایسے آشکارا طور پر ثابت کر دکھایا جیسے روز روشن میں آفتاب

---

[۱] ناپاک ۱۲ [۲] پیدایشی [۳] بہوت [۴] مہربانی [۵] خدا ایسے دوستوں سے پناہ دے [۶] یعنی کچھ تو اسمیں فریب ہے [۷] نفرت کرنیوالے [۸] ہندوستان کی نہیں بلکہ دوسرے ملک والوں کی سلطنت [۹] اوپری بغیر ۱۲ [۱۰] فرانس والے ۱۲ [۱۱] پرتگال والے [۱۲] یہ بھی ایک انگریزوں کی ایک قوم ہے ۱۲ [۱۳] یہ شخص شاہنشاہان روس میں سب سے بڑا نامور شخص ہے ۱۲ [۱۴] موروثی ۱۲

تو کیا اب بھی کسی منصف مزاج دانشمند ملکی خیرخواہ کے دل میں یہ وسوسہ گذر کرسکتا ہے کہ خدانخواستہ سلطنت بدل جائے[۱]" سب بولو؟ نہیں نہیں نہیں۔ (چیرز) میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسوقت کوئی کانگرس کا طرفدار بھی اِس مجمع میں ہوگا تو اُسکو بھی سوائے نہیں کہنے کے اَور کچھ کہتے نہیں بن پڑیگا۔ لیکن موٹھ سے نہیں کہنا کافی نہیں کردار سے۔ گفتار سے۔ ثبوت دو کہ تم تبدل[۱] سلطنت نہیں چاہتے"۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان کے لینے کا مالیخولیا اِن دلوں روس کے دماغ میں برسرشورش ہے۔ روس جو تمہاری کانگرس کی خبر سُنے گا اور اُسنے ضرور سُنی ہوگی (کیونکہ آجکل کا ایسا وقت ہے کہ گھر میں بات کرو تو اخبار کے ذریعے سے ملکوں ملکوں جا پہونچتی ہے۔ نہ کہ کانگرس جسمیں کشاں کشاں سیکڑوں آدمی بلائے جائیں اور اُس کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اُسکے لیے بگل بجائے جائیں اُسکی منادی اِسطرح کی جائے کہ گویا بلاتشبیہ کانگرس انجیل ہے۔ اور منادی کرنے والے پادری۔ اُسکے لیے اخباروں میں آرٹیکل[۲] لکھے جائیں۔ رسالے تصنیف ہوں اور مشتہر کیے جائیں کیونکر ممکن ہے کہ روس کے کان میں ایسی کانگرس کی بھنک[۳] نہ پڑی ہو۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

بھلا پھر روس نے کانگرس کی خبر سنکر کیا خیال کیا ہوگا؟ وہی جو ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اِس سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان کی رعایا گورنمنٹ سے ناخوش ہے۔ جس مضمون کے ادا کرنے کا دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ تبدل سلطنت کی خواستگار۔ پھر اس خیال نے روس پر کیا اثر کیا ہوگا؟ دیوانہ را ہوئے بس است۔ وہ مجنونانہ حرکت جو وہ پرسوں کرتا کل کریگا۔ اور کل کرتا تو آج۔ افسوس ہے کہ کانگرس والے اپنی حرکت کے اس زبون[۴] نتیجے پر نظر نہیں کرتے۔ گورنمنٹ اور رعایا میں جو تعلق ہے وہ ایسا ہے کہ گورنمنٹ پدر مہربان ہے اور رعایا اولاد۔ یا گورنمنٹ طبیب ہے۔ رعایا مریض۔ یا گورنمنٹ اُستاد شفیق ہے۔ اور رعایا شاگرد لیکن اُن تعلقات کی مزہ داری اسی میں ہے کہ محتاج کو محتاج الیہ[۵] پر پورا پورا بھروسہ ہو اور وہ نہیں ہوگا جب تک محتاج اپنے نیک و بد کو محتاج الیہ پر نہیں چھوڑ بیٹھتا۔ اگر اولاد اپنی تربیت میں یا بیمار اپنے علاج میں یا شاگرد اپنی تعلیم میں اپنی رائے کو دخل دے تو ایک نیچرل[۶] بات ہے کہ باپ اور طبیب اور اُستاد ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر پرداخت میں کمی کرنے لگتے ہیں۔ پس کانگرس کا یہ پہلو کیا ہمارے حق میں مضر نہیں ہوگا۔ ہوگا۔ اور ضرور ہوگا

(چیرز)

---

[۱] بدل جانا [۲] مضامین [۳] آواز [۴] بد [۵] جسکے پاس حاجت لیجاویں [۶] فطرتی۔ خلقی ۱۲

ہم برٹش (ملک) گورنمنٹ کی پچھلی کارروائی پر نظر کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ ٹرنسز یٹو
اور پروگریسو گورنمنٹ ہی یعنے گورنمنٹ کی حالت ٹھہری ہوئی اور جمی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ یوماً فیوماً بہتری
اور درستی اور صفائی اور عمدگی اور آسانی کی طرف ترقی کرتی جاتی ہے۔ چونکہ ہم خود ٹرنسز یٹو اور پروگریسو
کنڈیشن[1] میں ہیں۔ گورنمنٹ کو بھی ٹرنسزیٹو اور پروگریسو ہونا چاہیئے۔ زیادہ نہیں ۱۸۵۷ء کے غدر سے
پہلے کے زمانے کو اس وقت سے مقابلہ کرو تو ظلمت و نور کا فرق پاؤ گے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ ریل۔
یہ تار برقی۔ یہ سررشتۂ تعلیم۔ یہ منی آرڈر۔ یہ پوسٹ کارڈ۔ یہ ویلیو پی ایبل پارسل[2]۔ یہ میونسپلٹی۔ یہ سڑکیں
یہ صفائی۔ یہ نہر۔ یہ سفر بحری و بری کی آسانیاں۔ یہ پولیس۔ یہ اخباروں کی آزادی۔ یہ ہندوستانی
والیانِ ملک کے اختیارات تبنیت۔ یہ نمایشیں۔ یہ معدلت گستری کے قوانین اور ضابطے یہ ہندوستانیو
کی کونسلوں میں شرکت۔ یہ تعزیزی خطاب۔ یہ تجارت کی ترقی۔ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا[3]
غرض یہ سارے انتظام کس نے سوچے؟ کس نے نکالے؟ کانگرس بیچاری تو کے آدمی و کے پیری
کسی کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا۔ ذرا ایمان کو ٹھکانے رکھو اور نیت کو ڈانواڈول مت ہونے دو۔ جنہوں
نے اتنا کچھ کیا ہے۔ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ چلتے بیل کے آر نہ مارو اور کرنے دو (چیرز) کانگرس
والوں کے پاس چکنے چپڑے الفاظ تو بہت سے ہیں جنکے ذریعے سے وہ اپنے اوپر کسی اعتراض کو
اپنی پندار میں جمنے نہیں دیتے۔ مگر ہم تو واقعات کو دیکھتے ہیں ؎

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

کانگرس کی بنیاد صرف اس ایک بات پر ہی کہ حکامِ وقت رعایا کی حالت۔ رعایا کی ضرورتوں سے غافل اور
بے خبر نہیں تو خود غرض اور نامنصف ہیں۔ میں یقین نہیں کرتا کہ کوئی شریف آدمی جسکے نزدیک جھوٹ بولنا
اور (کیا کاعلی) برا ہے۔ ایسے لغو اور بے اصل اور بیہودہ اور غلط الزام لگانے والوں میں شرکت کرسکتا ہے (نعرہ
نہیں نہیں نہیں!!) بارہ برس ہوئے کہ مجھکو برٹش گورنمنٹ سے ایک طرح کا تعلق سا ہے۔ مگر مجھ پر برٹش گورنمنٹ
کے حقوق ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے مجھکو پڑھایا۔ عزت دی۔ نوکری دی۔ میں اس کی رعیت ہوں۔ اور

---

[1] سرکار انگریزی ۱۲ [2] حالت ۱۲ [3] وہ پارسل جو قیمت لے کر ادا کیا جاتا ہے ۱۲ [4] اگر خدا کی نعمتوں کا شمار
کرنا چاہو تو تم ان کو نہ گن سکو گے ۱۲

امن و آسائش اور آزادی سے علی وجہ[1] الکمال متمتع۔ باایں ہمہ میں برٹش گورنمنٹ کا بھاٹ[2] نہ کبھی تھا اور نہ اب ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ کے بہت سے انتظام اصلاح طلب ہیں۔

برٹش گورنمنٹ انسانی گورنمنٹ ہے۔ کون انسان ہے جس سے بھول چوک نہیں ہوتی؟ گورنمنٹ کی نکتہ چینی و اخل بدخواہی نہیں۔ مگر نکتہ چینی کے بھی طریقے ہیں۔ کیا کانگرس والوں کو اس پر قناعت نہیں کہ ہر شخص اخبار کے ذریعے سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ اکثر بڑے بڑے شہروں میں کمیٹیاں ہیں مجلسیں ہیں سوسائٹیاں[3] ہیں ایسوسی ایشن[4] ہیں۔ انجمنیں ہیں۔ خود حکام سفر میں حضر میں درپے تفتیش[5] و تلاش رہتے ہیں حتی کہ ہوس آف کامنس[6] اور پارلیمنٹ[7] کے ممبر تک ہر سال اس ٹوہ[8] میں آنکلتے ہیں۔ اور جو لوگ حکام رس ہیں ان کو ہمیشہ اس طرح کے مواقع حاصل ہوتے رہتے ہیں کہ رعایا کا دکھ درد حاکموں کے کان تک پہونچائیں۔ مگر نیشنل کانگرس کا نیا طریقہ تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ کی مخالفت میں ایک گونہ[9] مجمع ہو۔ سوتی بھڑیں جگائی جائیں۔ جو لوگ امن چین سے اپنے اپنے کام دھندوں میں لگے ہیں سنکر چونک پڑیں کہ ایسی کیا آفت نازل ہوئی جسکی وجہ سے یہ تمام کھلبلی مچ رہی ہے۔ کانگرس والے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھتے کہ انگریزوں کو ہمارے ساتھ اجنبیت محض ہے۔ اس سے بڑھکر اور اجنبیت کیا ہوگی کہ سوائے انسانیت کے ہم میں اور انگریزوں میں کسی طرح کی مشارکت نہیں۔ اسیطرح فاتح[10] اور مفتوح[11] کا تفرقہ۔ کہ تیل اور پانی نہ کبھی ملے ہیں اور نہ کبھی ملیں گے۔ تو ایسے اجنبیوں سے ہماری کار برآری ہو تو کیونکر ہو۔ اسکی یہی ایک تدبیر ہے کہ جسطرح ممکن ہو چاپلوسی[12] و خوشامد سے نہیں (کہ وہ تو میرے نزدیک دناءت[13] اور کمینگی طبیعت اور پستی فطرت کی دلیل ہے) بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری اور سلامت روی سے حکام وقت کو خوشنود کریں تاکہ انکے دلوں میں ہماری مراعات اور مہربانی کے خیالات پیدا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کانگرس کی نسبت گورنمنٹ آف انڈیا اور عہدہ داران انگریزی کے کیسے خیالات ہیں۔ لیکن خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔ عقل کہتی ہے اور میں اسکو اوپن سیکرٹ[14] سمجھتا ہوں کہ ضرور یہ کانگرس گورنمنٹ آف انڈیا اور کل عہدہ داران انگریزی کی نظر میں مبغوض[15] ہوگا اور اسکو مبغوض ہونا چاہیئے۔

کیسا ہی کوئی حلیم اور بردبار اور متین اور باوقار کیوں نہ ہو کب جائز رکھ سکتا ہے کہ یوں کھلم کھلا مجامع[16] اور محافل[17] میں اس کی روئی دھنکی جائے اور روئی دھنکنے والے کون ہوں؟ اپنی ہی رعایا۔ اپنے ہی محکوم

---

[1] پورے طور سے فائدہ حاصل کرنیوالا ۱۲ [2] فقیر ۱۲ [3] کمیٹیاں ۱۲ [4] انجمنیں ۱۲ [5] ہوس آف کامنس اور پارلیمنٹ اُن دو مشہور جماعتوں کا نام ہے جن پر دارومدار نظم و نسخ سلطنت انگریزی منحصر ہے صرف فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ ہوس آف کامنس میں علی العموم وکلا یا لوگ شریک ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ میں خاص خاص ذی مقتدر جیسے لارڈ لٹ وغیرہ شریک ہوتے ہیں ۱۲ [6] وہ جماعت جس سے سلطنت کے معاملات فیصل ہوں ۱۲ [7] کسی چیز کی خفیہ خبر لینا ۱۲ [8] مجمع ۱۲ [9] فتح کرنیوالا غالب ۱۲ [10] فتح کیا ہوا مغلوب ۱۲ [11] خوشامد ۱۲

[12] کمینگی ۱۲ [13] سلطنت ۱۲ [14] بہت ۱۲ [15] راز بتانا ۱۲ [16] بہت ۱۲ [17] جمع ۱۲

اپنے ہی دست نگر۔ اور اپنے ہی محتاج (چیرز) کیا اجنبی لوگوں سے فائدہ حاصل کرنیکا یہی طریقہ ہی؟ بیٹا بن کر سب کوئی لیتا ہے۔ ہیکڑی سے باپ بن کر کسی نے نہیں پایا (چیرز) شعر

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

گورنمنٹ کو ہماری خیر خواہی آزمانے کے بہت ہی کم مواقع ملے ہیں۔ اسلیے کہ اسوقت تک گورنمنٹ صرف اپنے بَل بوتے کے بھروسے پر حکمرانی کر رہی ہے وہ رعایا کی خوشدلی کی بڑی قدر کرتی ہے۔ اور رعایا کو رضامند رکھنے میں سعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی۔ مگر اُسکے فوجی انتظام کہے دیتے ہیں کہ گورنمنٹ کو رعایا پر پورا پورا اعتماد نہیں۔ کیا یہ بے اعتباری گورنمنٹ کے دل کا کھوٹ[۹] ہے؟ اور یہ گورنمنٹ کا قصور ہی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں! ہم اعتماد کو پورا ہونے نہیں دیتے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں ہندوستانی اپنا اعتبار کھو چکے تھے۔ اگر کچھ بھی شرم اور غیرت اور عقل مصلحت اندیش ہوتی تو اُسکے کفارے میں بھلا کچھ نہیں تو پچاس برس کا گونگے پیر کا تو روزہ رکھتے (چیرز) لیکن اخباروں میں۔ مجالس میں جو کچھ بڑبڑاتے رہے سو خیر۔ نوبت باینجا رسید کہ کانگرس نکال کھڑی کی بیچارے رئیسوں کو اچھی سوجھی تھی کہ روس کی شورش سُنکر کوئی روپے سے۔ کوئی فوج سے۔ کوئی اپنے ہاتھ پاؤں سے سرکار کی مدد کو آموجود ہوا۔ اُن دنوں ولایت کے اخباروں میں ہندوستان کی خیر خواہی کی دھوم تھی۔ میں نے دیکھا تو نہیں مگر سُنا کہ انگریزوں کی باچھیں کھلی پڑتی ہیں۔ مسکرانے لگے تھے تو ہنستے بھی ضرور۔ اتنے میں یہ ناشدنی کم بخت کانگرس بنگالہ میں پیدا ہو پڑی۔ اور سارا کیا دھرا ملیامیٹ[۱۰] کر دیا۔ اور پھر وہی بے اعتبار کے بے اعتبار (چیرز)

نیشنل کانگرس پر بدگمانی کرنے کی میرے پاس ایک بڑی وجہ اَور ہے۔ وہ یہ کہ ملکی فلاح اور ملکی رفاہ کچھ اسی ایک کانگرس پر تو منحصر نہیں۔ کانگرس کو بفرضِ محال کامیابی ہو بھی تو یہی نہ کہ نمک کا محصول گھٹ جائے۔ ہتھیار باندھنے کی عام اجازت ہو جائے۔ ہندوستانیوں کو والنٹیر[۱۳] فوج میں داخل کریں۔ انکم ٹیکس[۱۴] موقوف۔ اَور وہی لاسٹ[۱۵] دو نوٹ دی لیسٹ۔ ہندوستانی یعنی بنگالی کمشنر کلکٹر ہونے لگیں۔ یا اسیطرح کی اَور چند باتیں۔ تو کیا اس سے ہندوستان میں دولت پھٹ پڑے گی۔ ارے عقل کے دشمنوں۔ ملک کی دولتمندی

[۱۰] نقص ۱۲ [۱۱] ضائع ۱۲ [۱۲] وہ رعایا کے لوگ جو فوجی کام سیکھیں بلا تنخواہ اور فوجی احکام اپنے ذمہ لیں ۱۲ [۱۳] وہ جو آمدنی سے خراج لیا جاوے ۱۲ [۱۴] آخر کار۔ اگرچہ قوت میں پچھلی باتوں سے کم نہیں ۱۲

کے وہ گڑہی دوسرے ہیں۔ سبسے پہلے اپنے تئیں تعصبات رسمی کے پھندوں سے چھٹاؤ پھر علم حاصل کرو۔ علم سے مراد یہ علم نہیں جسکو پڑھکر انسان بی اے[1]۔ ایم اے۔ بن بیٹھتا۔ اور کانگرس کے خواب پریشان دیکھنے لگتا ہے (چیرز)۔ بلکہ انجنیری۔ ڈاکٹری۔ باٹنی[2]۔ کیمیا[3]۔ جر ثقیل[4]۔ طبعیات۔ جیالوجی[5] وغیرہ جنکے ذریعے سے صنعت اور دستکاری اور ایجاد کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور جنکی تفصیل ہمارے دوست شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خوب جامعیت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ سب کچھ تمہاری ہی مٹی میں ہے۔ اور تمہاری ہی مٹھی میں ہے۔ مگر تمکو اس سے متمتع[6] ہونے کا سلیقہ نہیں۔ جو کر سکتے ہو اور جو تمکو کرنا چاہیئے۔ اسکی تمکو ذرا بھی پروا نہیں۔ اور پروا بھی ہو تو کہاں سے ہو۔ تم کو گورنمنٹ کے انتظاموں پر جرح اور اعتراض کرنے سے فرصت کب ملتی ہے۔ اگر بنگالیوں نے۔ یا پارسیوں نے۔ یا جو لوگ کانگرس کے حامی ہیں۔ اپنے یہ فرائض پورے طور پر ادا کیے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ نیشنل کانگرس رفاہ ملک کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔ مگر جو شخص فرض کو چھوڑ کر نفل پر دوڑے ہمکو تو اسکی خدا پرستی تسلیم نہیں (چیرز)۔ خدا اگر کسی کے دماغ میں اسطرحکا خلل ڈالے کہ وہ انگریزی پڑھ لینے سے اپنے تئیں انڈیا کا بسمارک[7] سمجھنے لگے اور ملک داری کے امور عظیمہ میں راے زنی کرنے کو لڑکوں کا کھیل خیال کرلے تو اسکو سمجھنے اور خیال کرنے دو۔ اپنا مسلک تو یہ ہے

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند　　گدائی گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(چیرز) یہ سچ ہے کہ جسطرح کا ایجی ٹیشن (تحریک) کانگرس کرنا چاہتا ہے۔ ولایت میں اکثر ہوتا رہتا ہے مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کو ولایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے شعر

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا　　پہونچے کب اسکو ہاتھ ہمارے غبار کا

ولایت والوں کی سی لیاقت۔ ان کی سی معلومات۔ ان کی سی روشن دماغی۔ ان کی سی تلاش۔ ان کی سی راستی۔ ان کی سی بلند حوصلگی۔ ان کی سی مستقل مزاجی۔ ان کی سی جفا کشی۔ ان کا سا ربط و ضبط۔ ان کی سی جاں نثاری۔ ان کی سی ٹکسالی خیر خواہی اور انکی سی نہیں۔ بلکہ اسکا عشر عشیر بھی ہندوستانیوں میں

---

[1] یہ درجہ فضیلت علمیت کے ہیں ۱۲ [2] علم نباتات ۱۲ [3] جس علم سے نباتات و جمادات کی ترکیب معلوم ہو ۱۲ [4] جس علم سے آلات کا بنانا اور بوجھ کا اٹھانا سکھایا جاتا ہے ۱۲ [5] علم طبقات الارض جسکے ذریعہ کانیں دریافت کرتے ہیں ۱۲ [6] فائدہ لینے کا ۱۲ [7] یہ شخص شہنشاہ حال جرمنی کے دادا کے وقت میں وزیر تھا یہ وہ نامور شخص ہے جسنے سلطنت جرمن کو متحد کیا اور فرانس پر غلبہ پایا مثل نپولین بونا پارٹ کے اپنے بھی کارنامے دکھائے

ہوتا تو ایک کانگرس صبح - اور ایک کانگرس شام ع چشم ما روشن و دل ماشاد *

کانگرس والے جیسی غلطی اپنے بارے میں کرتے ہیں کہ اپنی وقعت زائد از واجب ٹھہرا لیتے ہیں - اِسی طرح کی غلطی اپنے گورنمنٹ کی نسبت بھی ہوتی ہے - لارڈ[1] ڈفرن دورہ کرتے کرتے کراچی میں گئے - تو وہاں کے عمائد ریل کی ایک سڑک کے لیے اُنکو پیٹے اور اصرار کیا کہ اُسکی منظوری نہ کریں تو دیر اینڈ دن (ابھی اسی جگہہ) وعدہ تو کر لیں - لارڈ صاحب نے یہ کہکر اپنا پنڈ چھوڑایا کہ میں وعدہ تو کر لوں - لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ کلکتہ ہو نیکر اسیطرح کی اَور ضرورتیں پیش ہوں اور میری بھی رائے رہے - کراچی کے عمائد[2] کی نظر ایک محدود خطے میں محصور تھی - اور لارڈ صاحب کی نگاہ سارے ہندوستان پر حاوی - ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہی حال ہے کانگرس اور گورنمنٹ کا - میں نے تو کانگرس میں کبھی کوئی انوکھا مسئلہ پیش ہوتے نہیں دیکھا - وہی پُرانی باتیں ہیں جنکو برسوں سے اخبار میں بکتے ہیں - کانگرس کے ممبر اہل غرض ہیں - و اہل الغرض مجنون - (چیرز) ان کی رائے غرضمندانہ رائے ہے - گورنمنٹ کا بالکل دوسرا حال ہے اُسکو پولیٹیکل[3] اور عام ملکی مصلحتوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے - الغرض یہ دو مخالف دو مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں - اور جب تک حیثیتوں کا اختلاف ہے - اختلاف رائے رفع ہو نہیں سکتا - مگر اختلاف رائے کو کسی غرض فاسد پر محمول کرنا کیا ضرور ہے - اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ گورنمنٹ ہماری کسی حاجت کے بر لانے میں بخل اور مضایقہ نہیں کرتی - مگر بمجبوری - اور فرض کیا کہ بعض باتوں میں گورنمنٹ بر سر غلط ہے تو کبار رعایا - اور رعایا بھی زیر بار احسانات گوناگوں اور چند در چند ہونے کی حیثیت سے ہمارا ڈیوٹی[4] نہیں ہے کہ ہم خوشدلی کے ساتھ گورنمنٹ کے حکم کو انگیز کریں سے

آنرا کہ بجاے نست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے (چیرز)

اب تک میں نے عام طور پر کانگرس کی قباحتوں کی طرف اشارہ کیا وہ بھی مجملاً اِس خیال سے کہ میرے بعد اَور چند صاحب بھی کچھ کہنے والے ہیں - اور وہ یقیناً مجھ سے بہتر کہیں گے - بس اب میں اخیر میں مختصر طور پر اتنا اَور کہنا چاہتا ہوں کہ کانگرس کی شرکت اگر ہندؤں کے لیے مضر ہے تو ہم مسلمانوں کے حق میں

[1] یہ مشہور گورنر جنرل ہندوستان میں حکومت کر گئے ہیں لارڈ لینسڈون صاحب سے پہلے یہی صاحب تھے بڑی کامیابی سے انکا زمانہ ختم ہوا ڈفرن ہاسپٹلیں جسقدر ہندوستان میں ہیں یہ لیڈی ڈفرن کی یادگار ہیں ۱۲
[2] رئیساء ۱۲
[3] صاحب غرض ۱۲ متعلق نظم ونسق ملک
[4] فرض ۱۲

مہلک۔ (چیز) ہم جس جس پہلو سے ہندوؤں کے ساتھ اپنی حالت کا موازنہ[1] کرتے ہیں۔ ہندوؤں ہی کا
پلہ جھکا ہوا ہے۔ سب سے پہلے وہ شمار میں ہم سے اضعاف مضاعفہ[2] زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ ٹھہرے ملک کے اصل باشندے
اور ہم تو ملک گیری کے لیے گھر سے نکلے۔ آئے۔ لڑے۔ فتح پائی۔ شامت جو آئی رہ پڑے (چیز) ہم تھوڑے
بھی ہندوؤں پر بھاری تھے۔ مگر بے مقدوری اور تہیدستی نے ہمکو رہا سہا اور بھی پست کر دیا۔ لوگ ہمکو
بے مقدوری کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن میں اسکو بھی اضطراری[3] سمجھتا ہوں۔ ہم لوگوں نے بغرور سلطنت
ذرائع معاش کی کچھ قدر نہ کی۔ زوال سلطنت کے ساتھ بے معاش رہ گئے۔ اب رہی لیاقت تو پہلے اسکا
مفہوم متعین ہونا چاہیئے کہ لیاقت ہی کیا چیز؟ اگر لیاقت سے مراد تعلیم کا سٹینڈرڈ (درجہ) ہے جسکا
امتحان پاس کرنے سے ڈپلومہ[4] ملتا یا ڈگری[5] حاصل ہوتی ہے۔ تو بیشک اس خصوص میں ہندوؤں کو
مسلمانوں پر ترجیح ہے۔ جب کبھی بی۔ اے۔ ایم۔ اے کی فہرست نظر پڑی۔ چھڑے اِلّا ماشاء اللہ شاذ
و نادر[6] اکّا دُکّا مسلمان۔ لیکن میری نظر میں اس لیاقت کی کچھ بہت وقعت نہیں۔ مجھکو کئی بی اے۔ ایم اے
ڈگریداروں کے ساتھ طبع آزمائی کا اتفاق ہوا ہے۔ باوجودیکہ میں نے کسی کالج یا اسکول میں انگریزی
نہیں پڑھی۔ اور میں انگریزی کا عطائی[7] ہوں نہ کلاونت[8]۔ لیکن میں اسکو خودستائی کی راہ سے نہیں کہتا
بلکہ حکایتِ نفس الامری ہے کہ استنباطِ مطلب میں میری طبیعت اُن سے زیادہ لڑتی تھی۔ لیاقت حقیقت
میں اسکا نام ہے کہ انسان میں مادۂ قابل ہو اور جسطرف توجہ کرے کچھ کر نکلے۔ ولایت میں آدمی بی اے
ایم اے کے درجے کو پہونچکر لایق ہو جاتا ہوگا۔ کیونکہ انگریزی اُنکی مادری زبان ہے اور بڑی مطلب تو سوسائٹی
ہوتی ہے۔ انگریزی سوسائٹی کا کیا کہنا۔ مگر ہمارے یہاں ایک تو ملکی زبان کی پچڑ لگی ہے جسکو انگریزی
سے کچھ بھی مناسبت نہیں اور سوسائٹی کی رد اِرۂ ناگفتہ بہ یہ سبب ہے کہ ہمارے ڈگریدار ہم لوگوں کی نظروں
میں اپنی وقعت نہیں بٹھا سکتے۔ اور پھر نرے لکھ پڑھ لینے سے وقعت نہیں ہوتی۔ اسکو چاہیئے مارل کریج[9]
سوشیل پوزیشن[10]۔ ہم اُن ڈگریداروں کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں کہ انکو نوکری کا حاصل کرنا آسان ہو گرچہ
ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے کہا تھا کہ سرکار کے بہت سے انتظام اصلاح طلب ہیں جنمیں سے ایک بڑا ضروری
انتظام لیاقت کے سٹینڈرڈ کا ٹھہرانا ہے۔ انگریزوں نے اپنی ولایت پر قیاس کر کے صرف یونیورسٹی کی

---

[1] وزن کرنا ۱۲ [2] چند در چند ۱۲ [3] غیر اختیاری ۱۲ [4] سند ۱۲ [5] خطاب بافضیلت ۱۲ [6] یعنی ایک دو ۱۲ [7] عطائی اسکو کہتے ہیں جسکا پیشہ گانا نہو اور گانا سیکھے ۱۲ [8] پکا راگ گانے والا ۱۲ [9] اخلاقی جرأت ۱۲ [10] سوسائٹی میں وقعت کا ہونا ۱۲

ڈگری کا معیار لیاقت ہونا تسلیم کر لیا۔ جسنے ہماری سوسائٹی کو زیروزبر کر رکھا ہے۔ جو لوگ سوشلی ادنی درجہ کے ہیں یونیورسٹی کی ڈگری سے بڑی خدمتوں پر پہونچ جاتے ہیں اور انکے تعزز خدمتی اور سوشیل پوزیشن میں عجب کشمکش واقع ہوتی ہے۔ ہم بمقابلہ ہنود شمار ہیں۔ تمول میں اتنے ہیٹے نہیں جتنے کہ اس زمانے کی لیاقت میں یا یوں کہو کہ انگریزی دانی میں۔ اسپر مسلمانوں کو دوست اور دشمن ایسا ایسا الزام دیتے ہیں کہ معاذ اللہ۔ لیکن میں اس خصوص میں بھی مسلمانوں کو کسیقدر معذور سمجھتا ہوں۔ صدہا سال کی محکومی نے ہندؤں کو ایسا گرادیا کہ اگر سچ پوچھو تو ان میں سنس اوف آونر (حمیت) باقی نہیں۔ نہ انکے پاس مذاہب ہی نہ لٹریچر[1] نہ کوئی علم جسپر وہ فخر کر سکیں۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ہندؤں میں یہ چیزیں سرے سے تہیں ہی نہیں۔ تھیں اور بہت عمدگی کے ساتھ تھیں۔ مگر محکومی ایسی بری بلا ہے کہ سب فضیلتوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں "پیری و صد عیب"۔ میں کہتا ہوں "محکومی و ہمہ عیب" (چیرز) مسلمانوں کی عملداری میں ہندو ہماری زبان سیکھتے۔ ہمارے علوم پڑہتے۔ ہماری تقلید کرتے۔ ہمارے تہوار مناتے۔ یہاں تک کہ ہمارے بزرگوں کی پرستش کرتے تھے۔ جب آتے انگریز تو ہندؤں کے پاس اپنا تو کچھ اثاثہ نہ تھا لگے انگریزوں ہی کا کلمہ پڑھنے۔ خرابی اور بڑی خرابی ہم مسلمانوں کی ہے کہ ہم مذہب رکھتے ہیں محکم مضبوط۔ استوار۔ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ[2] (چیرز) کہ انقلاب کی آندھیاں اسکو جنبش بھی تو نہیں دے سکتیں۔ ہمارے پاس لٹریچر ہے۔ جسنے ایک وقت تمام روئے زمین کو ہلا مارا تھا۔ (چیرز) وہ ہمارے دلوں کی تسلی ہے۔ ہماری جانوں کی توانائی ہماری آنکھوں کا نور۔ ہماری روحوں کا سرور۔ ہمارے پاس علوم ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر انگریزوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر لیے ہیں۔ مگر آخر ہیں تو ہمارے۔ غرض ہماری عظمت کے نشان ماند پڑ گئے ہیں مگر مٹے نہیں (چیرز) ہمکو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ اگر انگریزی نہ پڑہیں تو تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی نہیں۔ اپنے علوم نہ پڑھیں تو اپنی ہی سوسائٹی میں عزت نہیں وقعت نہیں۔ دونوں پڑھیں اتنی مہلت نہیں۔ وقت میں گنجائش نہیں۔ غرض ہم اپنے پرانے کمالات کو تھوڑا بہت نباہے چلے جاتے ہیں تو ہم طبیعتوں سے مجبور ہیں۔ لیکن کیا اتنی ہی بات سے کہ ہمنے ہندؤں کی طرح انگریزی کو اوڑھنا بچھونا نہیں کر لیا۔ ہم نالائق ہو گئے؟ ہیکڑی کا تو کچھ جواب نہیں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر۔ مگر میرا ایڈریس

---

[1] علم ادب انشا پردازی ۱۲ [2] اُس درخت کی جڑ جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان میں ۱۲

یہ ہے۔ اور یہ (زرطیف (دلی یقین) مبنی ہے ساری عمر کے تجربے پر کہ کارفرمائی جیسی ایک مسلمان کر سکتا ہے ہندو سے نہیں ہو سکتی نہیں ہو سکتی!! ہرگز نہیں ہو سکتی! (چیرز) کارفرمائی کی شرط اعظم ہے۔ خودداری ذاتی تعزز، فورس آف کیریکٹر (ہمت، جرأت) اور یہ حرارت مسلمانوں کے خون سے ابھی تک تو نکلی نہیں۔ الغرض ہمارا کیس ایک اسپیشل[۱] کیس ہے اسکی روئداد کسیطرح ہندوؤں کی روئداد سے نہیں ملتی۔ ہندو جب زور دینگے کثرت اور انگریزی دانی پر! اور یہی جگہ ہمارے ہاں پانی کے مرنے کی ہے (چیرز) پس ہمکو ہندوؤں کی رفاقت ضرور نقصان پہونچاتے گی۔ میری صلاح مانو تو نہ روؤ نہ جھینکو۔ متوکلاً علی اللہ[۲] چپ چاپ بیٹھے رہو۔ وہ کارساز ہمارے لیے اسباب مہیا کر رہا ہے ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد (چیرز)

اسی کانگرس نے ضرور گورنمنٹ کو چوکنا کیا ہوگا۔ کوئی دن جاتا ہے کہ لیاقت کے سٹینڈرڈ میں ترمیم ہوگی۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ تعلیم انگریزی کی ٹون مدہم کر دی جائے گی، مگر گورنمنٹ کو اس کی تدبیر تو چار و ناچار کرنی پڑے گی کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ اُن کے خیالات سوشیل[۳] رفارم، لوکل امپروومینٹ[۴] کی طرف مصروف ہوں جس سے ملک کو فائدہ پہونچے۔ اور ایسے کیڑے اُن کے مغز میں نہ کلبلانے پائیں کہ بجٹ اسٹمنٹ[۵] کی وصولی کے بدون اُن کو چین نہ پڑے (بٹڑے زور سے چیرز) ع

چہ دانی تو اے بندہ کار خدائی

نیشنل کانگرس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری حمیت تو گوارا نہیں کرتی کہ ہندوؤں کے طفیلی بنکر کوئی دنیوی مفاد حاصل کریں، گو وہ مفاد کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ع

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

ہمکو جو کچھ فائدہ اس عملداری میں ہونے والا ہے۔ ہم اُس کو لیں گے۔ کوئین وکٹوریہ سے۔ وائسرائے سے۔ لفٹنٹ گورنر سے۔ کمشنر سے۔ ڈپٹی کمشنر سے، اور انشاءاللہ بے مانگے لیں گے۔ تم نے نہیں سُنا "بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک" (چیرز) ہمکو ان کانگرس والوں کی

[۱] خاص صورت ۱۲ [۲] خدا پر بھروسہ کرکے ۱۲ [۳] طرز تمدن کی اصلاح ۱۲ [۴] ملکی بہبودی ۱۲ [۵] تخمینہ آمد و مصارف آئندہ

یہ دبڑ و گھسڑ و کارروائی بالکل پسند نہیں۔ کہ ہمیں بجٹ دکھا لیا کرو۔ بدون ہماری منظوری کے کوڑی خرچ نہ کرو۔ وضع قوانین ہمسے متعلق رکھو۔ یعنی ہمکو گورمنٹ کا ڈکٹیٹر (آمر) بناؤ ؎

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہادیں
شبنم کیطرح سے ہمیں رونا نہیں آتا (چیرز)

آخر تو جرأت کی ہی تھی تو طیہ و تمہید برطرف ایکدم سے یہی درخواست کیوں نہ کی کہ سلطنت ہمارے حوالہ کرو۔ اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔ (چیرز)

"بہ مرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود"

کیوں بھائیو ایسی درخواست پر کوئی تم میں سے دستخط کرتا؟ نکرتا ہرگز نہ کرتا! (چیرز) بس تو کانگرس کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکنا۔ کہ "این ہمہ بچہ شتر است" (قہقہہ اور بڑے زور سے چیرز) ❖ ❖

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

جن دنوں دہلی میں مدرسۂ طبیہ کے جاری کرنے کی تجویز درپیش تھی ایک مجلس میں
مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب بھی بلائے گئے تھے، اور اُسوقت عمائد شہر
دہلی ہندو و مسلمان جمع تھے۔ یہ مضمون اُس جلسے میں پڑھا گیا۔ اور اخباروں کے
علاوہ رسالے کے طور پر علحدہ چھپکر شائع ہوا

مضمون

اگر کوئی شخص طب یونانی اور ڈاکٹری میں محاکمہ[1] کرنیکا قصد کرے تو اُسکو اِس سے قطع نظر کرنا پڑے گا کہ ڈاکٹری طب حکام ہے۔ اگر ڈاکٹری کو اُس وقعت سے جو انضمام حکومت کی وجہ سے اُس کو حاصل ہے مجرد کرکے دیکھا جائے تو موجبات ترجیح طب یونانی کی طرف بہت ہیں اور ڈاکٹری کی جانب کم۔ ڈاکٹری کا تمام سرمایۂ فخر تین چیزیں ہیں۔ تشریح۔ اور آلات۔ اور علم کیمیا جسکو ادویہ کی تحلیل و ترکیب میں مدخل عظیم ہے۔ لیکن اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے مفاخر کی فہرست اسقدر بڑی ہو کہ بجائے خود کتاب ہو اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری ظنیت کے حضیض سے ترقی کرکے اوج یقینیت پر پہونچ گئی ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ ڈاکٹری کے کل علاج حکمی ہیں تیر بہدف۔ تاہم جب اِس بات پر نظر کیجاتی ہے کہ ڈاکٹری علاج ہندوستان میں وضع الشئ فی غیر محلہ[2] ہے اسکی تمام فضیلتیں مرجوح معلوم ہوتی ہیں۔ ہم ڈاکٹری کی توہین نہیں کرتے وہ عمدہ اور بہت عمدہ اور نہایت عمدہ ہی

[1] فیصلہ ۱۲ [2] چیز کو بے جگہ رکھ دینا ۱۲

اگر اہل یورپ کے لیے جہاں کی آب و ہوا جہاں کے موسم جہاں کی پیداوار جہاں کے مراسم و عادات کے لحاظ سے طبِ ڈاکٹری مدوّن ہوئی نہ اہل ہند کے لیے جو کسی بات میں بھی اہل یورپ کے مماثل نہیں۔ ایک مضمون کو اپنے خیال کے مطابق ناسخ نے کیا اچھی طرح باندھا ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے ✤ جس چیز کے ناسخ کوئی قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا ✤ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

مجھکو یہ قطعہ اس بات پر یاد آیا کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک مخلوق کی حالت کے مطابق نہ صرف ما یحتاج زندگی بلکہ آسایش کے سامان مہیا فرما دیتے ہیں۔ انتظام الٰہی کے خلاف ہی کہ ہم رہیں ہندوستان میں اور حفظ صحت کے لیے محتاج ہوں اُن چیزوں کے جو یورپ اور امریکہ میں میسر آتی ہیں۔ مگر یوں کہو کہ ہم غور نہیں کرتے اور خواہ مخواہ پتلون کے شکنجے میں اپنی ٹانگیں پھنسانی چاہتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی طبابت کے بڑے معتقد اکثر وہی لوگ ہیں۔ جنکے سروں میں حسب تقاضائے وقت آزادی کے خیال پڑے اُبل رہے ہیں۔ لیکن اگر آزادی اسی کا نام ہے کہ اد بدا کر اپنی ہر پرانی چیز کو ترک کیا جائے تو جہاں تک یہ آزادی طبابت سے متعلق ہے ہمارے نزدیک اِن لوگوں کی وہی کہاوت ہی کہ گڑھے سے نکلے اور کوئے میں گرے۔ سلطنت۔ حکومت۔ دولت۔ دستکاری۔ تجارت۔ سب کچھ جا کر ایک جان بچی تھی وہ بھی دوسروں کے بس میں کر دی تو حقیقت میں دنیا سے آزاد ہوتے ✤

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پا بگل ✤ کیسی آزادی کہ یاں چال ہے آزاد کا

جو دوائیں اطبائے یونانی استعمال کراتے ہیں سب ہمارے ملک کی پیداوار ہیں اور اگر یہ دوائیں دوا کے طور پر کام میں نہ لائی جائیں تو دوسرے کسی مصرف کی نہیں۔ پس ملکی خیر خواہی کب جائز رکھ سکتی ہے کہ اتنی ملکی دولت کو ضائع ہونے دیا جائے۔ خصوصاً اُس صورت میں کہ ہم ملکی خیر خواہی کا بھی دم بھرتے ہوں۔ یونانی طبیبوں کے طرز علاج میں ایک بڑا مفاد یہ ہے کہ اُنہوں نے دوا اور اُسکے بنانے کی ترکیب لکھ کر نسخہ بیمار کے حوالہ کیا۔ اس طریقے سے بیمار کے علاج کے علاوہ من وجہٍ اُسکو علم طب سے آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پہلے آدمیوں کے گھروں میں اکثر بوڑھی عورتیں تک بہت سی دواؤں اور اُنکے خواص سے واقف ہوتی ہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ عام لوگوں کی طبّی معلومات کو جمع کیا جائے تو کئی طبیب حاذق بنیں۔ اگر کوئی شدید ضرورت پیش آجائے اور طبیب فی الوقت

بہم پہونچ سکے تو کمتر ایسا ہوگا کہ پاس پڑوس والوں میں سے کوئی دوا نہ بتا سکے ✤

طبیب بھی بشر ہے اور اُس سے بھی خطا ہونی ممکن ہے ۔ مگر اُس کی غلطی عطّار اور بیمار اور بیمار دار اتنے لوگوں کی نظروں سے بچکر جا نہیں سکتی ۔ اور یوں علاج یونانی میں احتمالات خطر کم ہیں ۔ برخلاف ڈاکٹری علاج کے کہ المعنی فی بطن الشاعر[۱] ۔ کہ ڈاکٹر صاحب ہی سمجھیں اور کہیں غلطی کی تو بیمار کا خدا حافظ اور طبّ ڈاکٹری کی معلومات کا طب یونانی کی طرح عام ہونا تو ڈیڑھ سو برس سے ادھر متوقع نہیں ۔ جو شخص ڈاکٹری علاج کا التزام کرے اُسکو ایسے اتفاق کے لیے کوئی انتظام پہلے سے سوچ رکھنا چاہیئے کہ وقت پر ڈاکٹر میسّر نہ آئے تو کیا تدبیر کرے ۔ ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ احتمال ڈاکٹری دوا کے ساتھ لگا ہے ۔ کیا عقلاً ناممکن ہے کہ کسی دوا کا ذخیرہ تمام ہو جائے اور وقت پر بہم نہ پہونچ سکے ✤

غرض یونانی اور ڈاکٹری علاج تو دونوں ہیں مگر یونانی علاج ہندوستانیوں کے حق میں علی بصیرۃ[۲] قابل مزید اطمینان اور اختیاری ہے اور ڈاکٹری علاج تحرّی[۳] عرضۂ خطر اور قابو سے باہر ۔ طب یونانی اور ڈاکٹری میں ایک وجہ فرق اور ہے جس سے ہم قطع نظر نہیں کر سکتے وہ یہ کہ امراض جسمانی کے علاوہ ہم سب کے سب الا ما شاء اللہ افلاس کے مرض میں بھی مبتلا ہیں ۔ پس ہمارے امراض جسمانی کا علاج اس مرض کی رعایت سے ہونا چاہیئے ۔ یونانی دوائیں چونکہ ہمارے ملک کی پیداوار ہیں ہمکو بہت ارزاں ملتی ہیں برخلاف انگریزی دواؤں کے کہ دوا کی لاگت اُسکے یہاں تک آنے کا خرچ ۔ اُسپر نفع تجارت اُسپر انگریزی نام ہونے کی قیمت کہ پانی کو اکوا لکھدیا ۔ بیمار بیچارہ کیا جانے کہ اکوا کیا بلا ہے دوا فروش نے اکوا کے ایک ڈراپ یعنی ایک بوند کا ایک آنہ لگا لیا دینا ہی پڑتا ہے اور طبیب اور ڈاکٹر کی فیس پر خیال کرو تو یہاں روپئے سے کام چلے تو ڈاکٹر کو کم سے کم گنی (اشرفی) صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین[۴] یہ مسئلہ عقلی اور ساری دنیا کا متفق علیہ ہے کہ طب کسی ملک اور کسی قوم اور کسی زمانے کی ہو ظنّی تھی ظنّی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کو ظنّی رہے گی ۔ اُس حکیم مطلق کی طرف سے ہر متنفس کے ساتھ ایک طبیب الٰہی متعین ہے طبیعت کہ وہی مدبّر بدن ہے طبیب کا کام ہے طبیعت کی تقویت اور بس ۔ طبیعت کی تقویت کی بہت سی تدبیریں ہیں ۔ اُن میں سب سے بڑی دوا اور میرے نزدیک دوا سے بھی بڑی طبیب

[۱] شعر کی مراد شاعر کے پیٹ میں ۱۲ [۲] جس کو علاج کرنے والا خود بھی سمجھ سکے ۱۲ [۳] ڈھنڈیائی ہوئی زرد جس کو دیکھنے والے پھڑک اٹھیں ۱۲ [۴] اٹکل ۱۲

کی توجہ ۔ ہمدردی ۔ تسکین ۔ تسلی ۔ تشفی اور یہی وہ تدبیریں ہیں جنکا ڈاکٹری علاج میں اہتمام نہیں یا
ہے تو جیسا ہونا چاہیئے ویسا نہیں ۔ پھر کیا ڈاکٹر کیا طبیب مزد علاج تو دونوں لیتے ہیں ۔ مگر لینے لینے
میں فرق ہے ۔ طبیب کو تو لیتا ہے مگر یہہ کہکر کہ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی ۔ اور ڈاکٹر خود طلب کرتا
ہے بلکہ سرکاری قاعدہ کے مطابق بل بھیجدیتا ہے ۔ اور اگر بل وقت پر نہ پٹا تو آخر[۹۱] الدواء الکی نالش
ان دنوں لوگ معاش کی طرف سے اسقدر تنگ ہیں کہ مخمصے کی نوبت ہے ۔ اگر طب یونانی کی طرف توجہ
کریں تو ہم خرما و ہم ثواب مگر قومی اور ملکی بدقسمتی اندھا کردے اور ایسا پیچ ۔ ایسا تیقن ایسا بےمنت
فائدہ نہ سوجھ پڑے اور دس دس پندرہ پندرہ روپے کی نوکری کے لیے امتحان کی مصیبت اٹھائیں
دربدر ٹھوکریں کھاتے پھریں تو اسکا علاج نہ یونانیوں کے پاس ہے اور نہ ڈاکٹروں کے پاس دُنیاوی
قباحتوں کے علاوہ جنکو میں نے مجملاً بیان کیا ہم میں سے بہتیرے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو بتقاضائے
احتیاط مذہبی ڈاکٹری علاج سے محترز ہیں اور اُن کا احتراز محض بیجا بھی نہیں ڈاکٹری علاج میں شراب
دوا ہے جیسا کسی احمق نے افیون کے حق میں کہا ہے ع خود مرض و جملہ مرض را دواست ۔ اور ہمارے
معتقدات کی رو سے لا شفاء فی الحرام[۹۲] ۔ انگریزی دوائیں بعض ایسی بھی ہیں ۔ کہ اگر شراب نہیں ہیں
تو شراب کی لاگ سے اُن کا ست کھینچا گیا ہے ۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ عموماً ڈاکٹری علاج کے گرویدہ ہیں
ہر دوا کی نسبت تحقیقات کرکے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اسمیں شراب کا شائبہ نہیں یا مذہباً جواز کی صورت
نکال لی ہے ۔ ابھی چند روز ہوتے ۔ شہر میں شورش ہوئی تھی کہ قند مُردوں کی ہڈیوں سے صاف کیا جاتا
ہے خبر نہیں ہندؤں نے قند کو ترک کیا یا پنڈتوں سے اگیا[۹۳] لے لی ۔ غرض ایک بات کو دُبدھے میں
کیوں رکھو یکسو کیوں نہیں کرتے کہ دوا میں آمیزش حرام چیز کی ہے یا نہیں اور ہے تو مذہباً اسکا
استعمال روا ہے یا نہیں ۔ فتوئے جواز لینے کے بعد اختیار باقی ہے کہ اُسکا نعم البدل یا بدل دوائے یونانی
ہوتے ساتے جواز سے استفادہ کرو یا شیوۂ احتیاط پر کاربند ہو ان چند باتوں کے سننے کے بعد جو
میں نے بیان کیں میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ہندوستانی انصافاً ڈاکٹری کو یونانی پر ترجیح دے مگر کیمیا
اور تشریح اور آلات کا کیا جواب ۔ سو کیمیا سے جو بڑا کام ڈاکٹروں نے لیا ہے میرے گمان میں یہی ہے
کہ دواؤں کے ست بننے لگے ہیں صاف ۔ قلیل المقدار ۔ قوی الاثر ۔ ان میں جو دوا ہماری طب یونانی سے

---

[۹۱] داغ دینا سب سے آخر درجہ کی دوا ہے ۱۲ [۹۲] حرام چیزوں میں شفا نہیں ہے ۱۲ [۹۳] اجازت ۱۲

خارج ہے لاحاجۃ[1] لنا فیہ اور جو دوا ہماری طب کی ہے تو ہم اُسکو اپنے قدیم طریقے سے کیوں نہ استعمال کریں۔ جسکا نفع سیکڑوں برس کے تجربے سے محقق ہو چکا ہے۔ ہندوستانیوں سے عموماً انگریزی دواؤں کی تیزی کی شکایت سُنی جاتی ہے اور ایک بات سے تو شاید کوئی بھی انکار نکرے گا کہ یونانیوں کی طرح ڈاکٹری مریض زیادہ دن تک نہیں جھولتا۔ چٹ پٹ اِدہر یا اُدہر۔ ہمکو مدتوں حیرت رہی کہ آیا اِن مریضوں کو مرگ مفاجات کے سوا دوسری طرح مرنا نہیں آتا یا ہم نہیں سُنتے۔ آخر کار یہ بات ذہن میں آئی کہ دوائیں ہوتی ہیں قوی الاثر اور سریع الاثر اگر مرض پر غالب آئیں تو مریض جلدی سے چنگا ہو گیا اور اگر اُلٹی پڑیں تو مویّد علت ہو کر مریض کا کام تمام کر دیا۔ یہ ہے ضرر عاجل جو دواؤں کی روحوں کے استعمال پر مترتب ہوتا ہے خدا جانے یہ دوائی روحیں کتنی انسانی روحوں کے معاوضے میں ہیں۔ دواؤں کے قوی الاثر اور سریع الاثر ہونے کی وجہ سے مفردات الامراض کو تو ڈاکٹر خیر سنبھال بھی لیتے ہیں۔ مگر مرکبات الامراض اِس ملک کے تو کسیطرح ان کے قابو کے نہیں۔ اب رہی تشریح اور آلات یہ دونوں لازم و ملزوم اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ طب یونانی میں تشریح نہیں تو وہ بیچارہ طب سے بے خبر ہے طب یونانی میں تشریح ہے اور مکمل ہے اسوقت تک اُسکی غلطی یا فروگزاشت نہیں پکڑی گئی اور نہ پکڑی جا سکتی ہے کیونکہ وہ بھی مبنی ہے مشاہدہ اور رأی العین[2] پر۔ مگر ہاں یہ طب کا نہیں بلکہ طبیبوں کا قصور ہے کہ اُنہوں نے نہیں معلوم کیُّن کھا کر یا ڈر کر چیر پھاڑ سے کنارہ کیا۔ کتابوں میں سب کچھ ہے مگر طبیبوں کو اس کی چشم دید تصدیق نہیں اور انکے اذہان میں بھی جسم انسان کی ساخت مرتسم[3] نہیں اطبائے یونانی میں یہ بڑا نقص ہے اور اسنے ڈاکٹروں کو اُن کے مقابلے میں اور بھی قوی کر دیا۔ لوگوں میں سمجھ کہاں ساری طب کو اسپر قیاس کر کے ڈاکٹری کی طرف جُھک پڑے اور بازار طبابت اسقدر مندا ہوا کہ جسکا داخل ہے اس کس مپرسی کے ساتھ تو چالیس پچاس برس بھی چلتا ہوا نہیں دکھائی دیتا سخت افسوس کی بات ہے کہ ہندوستانیوں سے طب جیسی نعمت جو مدار زندگی ہو سلب ہو جائے صرف اتنی ذری سی بات سے کہ لوگ اُسکی قدر نہیں کرتے بے وجہ معقول یا طبیب اس کے ایک حصّے کو ہاتھ نہیں لگاتے بے عذر مقبول۔ یہ زمانہ قومی و ملکی خیر خواہی کے جوش کا ہے اور لوگ بھی طرح طرح پر اپنے ہموطنوں کے فائدوں کے لیے کوشش کر رہے ہیں مگر جس کوشش کا بیڑا حکیم عبد المجید خاں صاحب نے اُٹھایا ہے خدا اُسکو مشکور کرے یہ تعلیم

---

[1] ہمکو وہ چیز درکار نہیں ہے ۱۲ [2] آنکھ کے دیکھنے پر ۱۲ [3] منتقش ۱۲

وبے مانند ہے۔ اول معلوم کرنا چاہیئے کہ حکیم عبد المجید خاں صاحب ہیں کون۔ پھر پوچھنا چاہیئے کہ انکے اغراض کیا ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان میں کوئی ایسا شہر یا قصبہ ہے؟ جہاں کے لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ جناب حکیم محمود خاں صاحب دہلی میں اول درجے کے طبیب حاذق ہیں۔ اور جو شخص حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اُسکو یہ بھی معلوم ہے کہ مدتوں سے حکیم صاحب کا مطب اُنکے خلف اکبر وارشد حکیم عبد المجید خاں صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ پس جو شہرہ حکیم محمود خاں صاحب کا ہے حقیقت میں من حیث المطب حکیم عبد المجید خاں صاحب کا حق ہے۔ طب کی حقیقت طب کا بہلا برا الحکیم عبد المجید خاں صاحب سے بڑھکر کوئی کیا جانے گا۔ یہ خیال اُنہی کے دل میں گذرا کہ طب کا ایک مدرسہ جاری کرنا ضرور ہے۔ اس مدرسے کے اجرا سے اُنکی یہ غرض ہے کہ بالفعل طب یونانی کو سنبھال کر آئندہ اسکو ترقی دیجائے بمثل اُن لوگوں کے جو کہتے ہیں کرنے کے لیے نہ صرف کہنے کے لیے۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب اپنے اغراض کے صاف صاف بیان کرنے میں مضایقہ سا کرتے ہیں۔ مگر واقع میں اُنکا مطلب یہ ہے کہ طب کے طریقہ درس کو باقاعدہ کیا جائے وہ اس بے تمیزی کو نہایت حقارت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور وہ حقارت کی چیز ہے بھی۔ کہ چند روز کسی طبیب کے مطب میں بیٹھنے اور بے سلسلہ دو چار کتابیں پڑھ لینے یا صرف کسی طبیب کا جانشین ہوجانے سے کسی شخص پر طبیب کا اطلاق کیا جائے۔ پس اُنھوں نے ٹھیک سوچا ہے کہ طب کا مدرسہ ہوگا اور اُسمیں باقاعدہ درس دیا جائے گا۔ امتحان ہوگا سند ملیگی۔ تو نیم حکیم خطرۂ جان جو حشرات الارض کیطرح اطراف وجوانب میں منتشر ہورہے ہیں رفتہ رفتہ معدوم ہوجائیں گے۔ اسکے علاوہ اُنکے اغراض میں یہ بھی ہے کہ جراحی جسکو اطبائے یونانی نے عملاً ترک کر رکھا ہے شرط طبابت گردانی جائے اور درحالیکہ انگریزی آلات بہم پہونچ سکتے ہیں اور کتابوں میں مسائل تشریح بکمال شرح وبسط لکھے ہوئے موجود ہیں۔ حکیم صاحب کا یہ ارادہ بادی النظر میں دشوار تو معلوم ہوتا ہے مگر کوئی اسکو محال و ناممکن نہیں کہہ سکتا۔ حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ ان کے مدرسے کے طبیب آپ فصد کھول لیا کریں جگہ سے ٹلے ہوئے اعضا کو اُنکے اصلی موقع پر بٹھا دیا کریں۔ عند الضرورت چیر پھاڑ قطع و برید کرلیا کریں۔ غرض نہ صرف طبیب ہوں بلکہ جراح بھی۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب اسپر بڑا زور ڈالنے کو ہیں کہ انکے طبیب دوا شناس اور دوا ساز بھی ہوں یعنی بقدر تعلق طبابت یونانی کیمیا کے ماہر۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب دلی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں اور اُنکا دلی زبان سے کہنا اور دوسرے کا ڈھنڈورا پیٹنا برابر ہے کہ جب ہم طب یونانی کو تازہ اور مستحکم کر چکیں گے

تو وید کی ڈاکٹری کی بکار آمد چیزوں کے لینے اور رواج دینے میں بھی کوشش کرینگے۔ سبحان اللہ اصلی رفارم تو اسیکا نام ہے اور اسیکی ہمکو ضرورت ہے۔ خدا کرے دوسرے رفارمروں کے بھی الیسی خیال ہوں۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا اسیطرح کی بہت تحریکیں سنا کرتا ہوں ابتدا میں غل ہے اور شور ہے اور اہتمام ہے اور ابرام ہے اور آخر میں کچھہ نہیں۔ اگر حکیم عبدالمجید خاں صاحب نرے مجوز اور محرک ہوتے تو میں اس مدرسے کو بھی ہندوستانیوں کی عام تجویزوں کیطرح بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ واقع میں ایک اعتبار سے انہوں نے مدرسہ جاری کر دیا۔ درس طب اور مطب[۲] دو چیزیں ہیں اور دہلی میں اسوقت دونوں چیزیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی دونوں مٹھیوں میں ہیں تو جب انہوں نے مدرسی کو کہ وہی بڑا کام تھا اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے متعلق کر لیا تو اب رہ کیا گیا صرف حیثیت کا بدل دینا جو لوگ حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے استفادہ طب کر رہے ہیں اپنی حالت پر قایم رہیں لیکن اس حیثیت سے کہ مدرسہ طبیہ مجوزہ کے طالب علم کہلائے جائیں اور حکیم صاحب اور انکے بھائی بے تنخواہ کے مدرس۔ اس سے زیادہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب مدرسہ جدید کو کیا دیتے اور کیا کرتے کہ تینوں بھائیوں نے اپنی خدمتوں کو بے مزد و بے منت وقف مدرسہ کر دیا اب لوگوں کی ہمتوں کو دیکھنا ہے۔ اگر مثقال[۱] حبۃ من خردل بھی سر میں عقل اور دل میں خیر ہے تو جی کھولکر چندہ دیں کہ کتابیں اور آلات خریدے جائیں۔ جدید طلبہ داخل ہونے شروع ہوں۔ اُن کے رہنے بیٹھنے اور کھانے کا ٹھکانا کیا جائے۔ اور مدرسہ ترقی پکڑے اگر ایسے محل پر بھی لوگوں نے کوتاہی کی تو سمجھ لیں کہ ہندوستان سے طب رخصت ہوئی۔ اور زندگانی سے عافیت۔ واللہ[۲] ولی التوفیق دہلی میں تو کوئی ایسا مجنون بھی خیال نہیں کر سکتا۔ مگر ہاں باہر والے جنکو حکیم عبدالمجید خان صاحب کے تفصیلی حالات سے آگہی نہو اس مثل کے مطابق کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ شاید بدگمانی کریں تو ایسی بدگمانی ان[۳] بعض الظن اثم میں داخل ہوگی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب فی حد ذاتہ بڑی مقدرت کے آدمی ہیں۔ اور اُن کی شان ماشاء اللہ اللّٰھم[۴] زد فزد اس سے بہت ارفع ہے کہ ایسی دنی اور خسیس منفعت پر نظر کریں۔ تو جو لوگ چندہ دینا چاہیں۔ وہ سمجھ لیں اور بخوبی مطمئن رہیں کہ اُن کا دیا ہرگز اکارت نہیں

[۱] رائی کے ایک دانے کے برابر ۱۲ [۲] اللہ توفیق دینے والا ہے ۱۲ [۳] بعضے گمان داخل گناہ ہیں ۱۲ [۴] خدا زیادہ اور زیادہ کرے

جا سکتا۔ نہ صرف اس اعتبار سے کہ آپ کو آخرت میں ثواب ملے گا وہ تو ملے ہی گا اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ چند ملے گا من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا[1] مگر دنیا میں بھی اِن کی کوڑی کوڑی کمال احتیاط اور کفایت شعاری کے ساتھ طب یونانی کی اصلاح اور ترقی میں خرچ ہوگی[2] واللہ علی ما نقول

وکیل

[1] جو ایک نیکی کرے گا وہ دس نیکیوں کا ثواب پائے گا۔ ۱۲ [2] جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اُس کا گواہ ہے ۱۲

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی حالت تعلیم پر

جو جناب ممدوح نے محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے تیسرے سالانہ جلسے میں ۲۸- دسمبر ۱۸۸۸ء کو بمقام لاہور دیا

مع بندہائے مسدس مصنفہ جناب ممدوح جو انہوں نے اپنی تصنیف قصہ مبتلا سے اس جلسے میں پڑھے

لاہور میں جو مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کا سلسلہ قائم ہوا۔ اُسکا یہ پہلا لکچر ہے اور جسقدر ازدحام اس لکچر میں تھا ویسا سو لاہور کے دوسری جگہ دیکھا بھی نہیں گیا اسی موقع پر ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب نے اپنے خیمے و شامیانے آنریبل سر سید احمد خاں کو مانگے دیئے تھے۔ تمام پنجاب کے قریب قریب کل رُوداراآدمی موجود تھے۔ اور خود لاہور پنجاب گورنمنٹ کا سیٹ ہی اُسمیں کئی قسم کے کالج ہیں بہت سے دفتروں کے ہیڈ کوارٹر بھی ہیں اور وہاں اسطرح کے مجامع کا چرچا بھی بہت ہی۔ اس لکچر میں ہمنے بہت سے آدمیوں کو کبھی ہنستے اور کبھی روتے دیکھا ہے اور اسی لکچر نے پنجاب میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کا سکّہ بٹھایا۔ اور وہ لکچر یہ ہے

غالباً آپ صاحبوں نے اسی حیثیت سے مجھکو جانا اور پہچانا ہوگا کہ آنریبل سر سیّد احمد خاں صاحب کے

فالورز[۵۱] میں بھی ہوں۔ اگر فالورز سے وہ لوگ مراد ہوں جو اس کانگرس میں شریک ہونے کے لیے اُنکے ساتھ آئے بلکہ اگر وہ لوگ بھی مراد ہوں جو سر سید احمد خاں کو بڑا انلائٹنڈ[۵۲] بڑا عالی خیال بڑا مآل اندیش بڑا مدبر بڑا مستقل مزاج بڑا متحمل اور مسلمانوں کا بڑا بھاری بڑا اور سچا خیر خواہ باور کرتے ہیں فانا اولھم واقدامھم (تو میں سب سے اول اور سب سے آگے ہوں) لیکن اگر فالورز سے مراد ہوں بلا تحقیقات اُنکے تمام خیالات کے تسلیم کرنے والے اگرچہ وہ خیالات مذہبی ہی کیوں نہوں تو میں اس بھرے مجمع میں پکارکے کہتا ہوں انی بریء (میں بری ہوں) سر سید احمد خاں کی طلب کے علاوہ مجھکو اس کانگریس میں شریک ہونے کے لیے ایک وجہ اور بھی داعی ہوئی کہ میرے نزدیک ایسے مجمع کے لیے تمام ہندوستان میں پنجاب سے اور تمام پنجاب میں لاہور سے بہتر کوئی موقع نہیں ہوسکتا اسوقت کیا رعایا کیا سرکار سب کی ہمتیں پنجاب کی طرف مصروف ہیں اور جس زور سے ڈفنسیو (ملکی حدود کی حفاظت) کارروائیاں ہو رہی ہیں آپ سب صاحبوں کو معلوم ہیں مگر تعلیم سے بڑھکر کوئی ڈفنس[۵۳] نہیں بشرطیکہ مناسب طور پر ہو۔ یونیورسٹیاں اور کالج تو بجائے خود میں کہتا ہوں ہر ضلع بلکہ ہر تحصیلی اسکول ایک ٹور آف اسٹرنگتھ (قلعہ مستحکم و استوار) ہے اگر اُس میں تعلیم اچھی ہو۔ رعایا گورنمنٹ کی دولت ہے۔ اور اُسکی رضامندی گورنمنٹ کی قوت۔ رعایا اور گورنمنٹ کے اغراض ایسے وابستہ بہمدگر ہیں کہ اگر رعایا گڈ (اچھی) رعایا ہو اور گورنمنٹ گڈ گورنمنٹ تو رعایا ہی گورنمنٹ ہے اور گورنمنٹ ہی رعایا۔ مگر افسوس بڑے افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بدنصیب ہندوستان کی رعایا اور گورنمنٹ میں وہ گاڑھا اتحاد نہیں ہے اور اُسکے ہونے میں ابھی بہت دیر معلوم ہوتی ہے جسکا ہونا رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ ضروری ہے۔ برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں حکومت کرتے ہوئے قرن ہو گئے۔ بھلا پھر کونسی چیز رعایا اور گورنمنٹ میں اتحاد کے پیدا ہونے کی مانع ہے۔ کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھکر شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے؟ نہیں نہیں۔ ایسی منقاد و اسقدر مطیع کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ[۵۴] کا روکنا مشکل۔ اور ایک نہتے کانسٹبل کو انبوہ رعایا کا سنبھالنا آسان۔ پھر کسکا قصور ہے؟ رعایا کا۔ کیونکہ اَن ایجوکیٹڈ (نا تعلیم یافتہ ہیں) ان بیچاروں کو گورنمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ گورنمنٹ کے پرنسپلز (اصول) سے آگہی نہیں۔ ابًا عن جدٍ اُنہوں نے دیکھے ہیں۔ ڈسپاٹک (شخصی خودمختار) حکومتیں ان کے ذہنوں میں متوارث[۵۵] طور پر یہ بات مرتکز ہو گئی ہے

۵۱ پیرو ۱۲ ۵۲ روشن ضمیر ۱۲ ۵۳ حفاظت - حمایت ۱۲ ۵۴ گلہ ۵۵ متوارث ۱۲ ۰۱۰

کہ سلطنت اسیواسطے موضوع ہوئی ہے کہ حاکم وقت کی آسایش کے لیے رعایا مصیبت اُٹھائے۔ رعایا کمائے۔ حاکم اُڑائے۔ رعایا اپنی انڈسٹریوں کو مسوسے تاکہ بادشاہ کے نوکروں کے چاکروں کے پیشکاروں کو تحفہ ہو۔ رعایا جاڑے میں ٹھٹھرے تاکہ شاہی اصطبل کے پتریل کے ٹٹو کشمیری شالوں کی گردنیاں اوڑھیں

پس اے ممبران ایجوکیشنل کانگرس میں آپ صاحبوں کو صمیم قلب سے مبارکباد دیتا ہوں ولیبلغ عنی الشاھد الغائب (جو شخص حاضر ہے میری طرف سے اُسکو جو حاضر نہیں ہے یہ پیام پہونچادے) کہ آپ صاحبوں نے زمانے کی رمز کو خوب سمجھا۔ کوئی شخص جسکو عقل سے ذرا سا بھی بہرہ ہے اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ تعلیم ہی رعایا ہندوستان کو شائستہ اور مہذب بنائے گی۔ تعلیم ہی ان کو دولت کی کیمیا سکھائے گی۔ تعلیم ہی انکی نظر میں برٹش گورنمنٹ کی قدر بڑھائے گی۔ تعلیم ہی انکو برٹش گورنمنٹ کی برکتوں سے متمتع ہونے کی حرص دلائے گی۔ تعلیم ہی بدگمان رعایا اور رُکی ہوئی گورنمنٹ کے دلوں میں صفائی کرائے گی۔ اور جب وہ زمانہ آئیگا (خدا جانے ہم میں سے بھی کسی کو وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا یا نہیں) کہ رعایا اور گورنمنٹ ایک جان دو قالب ہونگی تو ہندوستان کو جنت نشان کہنا حکایت نفس لامری ہوگا۔ نہ ایشیائی شاعروں کا سا مبالغہ۔ اُسوقت ہندوستان کی سلطنت پوری پوری سلطنت سلطنت ہوگی مستحکم کَاَنَّھُمَا بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (رگچ کی ہوئی عمارت) بیرونی دشمنوں روس وغیرہ سے بیخطر اور اندرونی ڈسٹربنس (فسادات) مجامع ناروا و اشتلہا سے فارغ +

تعلیم یعنی ہندوستانیوں کی تعلیم ایک ایسا مضمون ہے۔ جسپر سالہا سال سے غور کیاجارہا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ میں بھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ تعلیم کے تعلق میں کوئی نئی انوکھی بات کہہ سکونگا جو کسی کو نہ سوجھی ہو۔ یا جو کسی کی زبان یا کسی کے قلم سے نہ نکلی ہو۔ میں اسی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھونگا کہ ان ہی مطالب کو نئے پیرائیہ میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کرسکوں۔ میری مثال اس زمانے کے ایک شاعر کی سی ہے کہ بیچارہ کوئی نیا مضمون نہیں پاتا جسطرف ذہن کو دوڑاتا ہو دیکھتا ہے کہ وصل اور ہجر اور انتظار اور رواسوخت اور سراپا اور بہار اور خزاں اور استغناف مذہب اور بزرگان دین کے ساتھ استہزاء وغیرہ وغیرہ کوئی خیال نہیں جسمیں "اور ابنیڈ او ورکیں" (بار بار) سیکڑوں ہزاروں نے طبع آزمائی نہیں کی۔ ناچار ہار کر تھک کر بندش پر قناعت کرتا ہے وہ بھی ہر ایک کو نصیب نہیں۔ جسطرح ایک کسان ہل جوتنے میں اپنے مٹھے بیل کی کبھی دُم مروڑتا کبھی اُسکو ٹٹکاری دیتا کبھی اُسکے گدگدی

کرتا۔ اور کبھی سانٹا مارتا اور آر بھی چبھوتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو مسلمانوں کی رفارم کے درپے ہیں مسلمانوں کو کبھی اِن کے بزرگوں کی شان و شوکت اُن کی عظمت اُن کی فتوحات اُن کے ہر طرح کے کمالات یاد دلاتے کبھی مسلمانوں کی حالت موجودہ کی تباہی۔ اُن کی مفلسی اقوام معاصر کے مقابلے میں اُن کی بے وقعتی کا مرثیہ اُن کو سُناتے اور کبھی اُن کو کاہلی اور تعصب پر ملامت کرتے اس غرض سے کہ مسلمانوں کی غیرت کو تازیانہ ہو۔ میں بھی یہی کچھ کروں گا۔ اور اس کے سوائے کر بھی کیا سکتا ہوں ؞

یہ بات مسلمات سے ہے کہ مسلمان فی زمان عروجھم (اپنے عروج کے زمانے میں) کسی قوم سے علوم میں ہیٹے نہیں رہے۔ وہ تحصیل علم پر اس قدر حریص تھے کہ جہاں سے اور جس ڈھب سے جو کچھ ہاتھ لگا لے اُڑے جس طرح مسلمانوں کی ملک گیری حیرت انگیز ہے کہ ایک ہی صدی میں تمام روئے زمین پر لمن الملک الیوم (آج کوئی اور بھی ہمارے سوائے ملک کا مالک ہے) ڈنکا بجا پھرے۔ اسی طرح بلکہ اُس سے زیادہ اُن کی علمی فتوحات محل استعجاب ہیں۔ شروع شروع میں بعض متعصبین نے انگریزی کی مثل "گیو ڈی ڈاگ اے بیڈ نیم اینڈ ہینگ ہم اوٹ" (کتے پر پہلے کچھ الزام لگاؤ پھر اُس کو لات مار کر باہر کرو) کے مطابق مسلمانوں پر بہتان بندی کی تھی کہ اُنھوں نے اپنے مذہب کے ضعف کی پردہ داری کے لیئے علوم کو معدوم کرنا چاہا۔ مگر فیکٹس (واقعات) کس کے دبائے دبتے ہیں۔ آخر کار ہسٹری (تاریخ) پکار اُٹھی کہ جھوٹ! اب تمام یوروپ میں شاید ایک متنفس بھی اِس سے انکار کرنے والا نہیں۔ کہ علم کی روشنی ان میں ابتداءً مسلمانوں ہی نے پھیلائی۔ ایک منصف مزاج اور محقق انگریز کا یہ مقولہ کسی آرٹکل (مضمون) میں نظر پڑا تھا کہ "مسلمانوں کی تعلیم میں کوشش کرنا حقیقت میں اُن کے بزرگوں کا دیا ہوا قرضہ اتارنا ہے"۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ فلیٹرنگ لینگوج (الفاظ مدح) پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیئے میں بھی شیخی میں آ گیا تھا۔ مگر اسی وقت یہ شعر یاد آ گیا ؎

ان الفتے من یقول ھا انا ذا　　لیس الفتے من یقول کان ابی

(مرد وہ ہے جو کہے میری ذات میں یہ ہنر ہے۔ وہ مرد نہیں ہے جو باپ پر فخر کرے) پھر تو وہ کامپلیمنٹری (توصیفی) الفاظ ہیچ میچ کی نشتر کی طرح چبھنے لگے۔ ہم اپنے علمائے متقدمین کو اُن کے زمانے کے لحاظ سے اور بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن وقتوں میں علم کچھ ایسی بہت بکار آمد چیز نہ تھی یونانی جو علم کے اعتبار سے سب میں سر برآوردہ تھے اُن کے سارے کمالات کا خلاصہ تھا حکمۃ نظری وہ ذہنی احتمالات کی بھول بھلیاں میں بھٹکتے پھرتے پھرنے کو عقل انسانی کی معراج جانتے تھے لولا الاعتبارات

لبطلت الحکمۃ (اگر عبارات نہ ہوں تو فلسفہ بیکار ہو جائے) عملیات کی طرف ملتفت ہونا اُن کی چڑ تھی اور یہی وجہ تھی کہ اکثر فلاسفہ اہل تجرید سے تھے۔ ظاہر ہے کہ دنیاوی کوئی سی ضرورت بھی ایسے علم کے بار دن اٹھی نہیں رہ سکتی۔ بااین ہمہ جو علمائے متقدمین اہل اسلام فارغ البالی زمانے میں یونانیوں کے علوم کے طالب ہوئے تو اس سے صاف ثابت ہے کہ انھوں نے علم کو طلب کیا لا لجلب منفعۃ بل رغبۃ الی نفس العلم (کوئی مفاد حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ نفس علم کے لیے) الحمد للہ۔ ان ہی کے اعقاب ہم ہیں فخلف من بعدھم خلف (اُن کے بعد ایسے لوگ ہوئے) ع

بدنام کنندہ نکو نامے چند

کہ علم شرط زندگی قرار پاگیا ہے اور پھر اس سے گریز کرتے ہیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میں اسی مطلب کو دوسری طرز پر کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں ٭

سلطنت کے معنی ہیں غلبہ جس کے ذرائع اب سے زیادہ دور نہیں ڈیڑھ سو برس پہلے تک بہادری اور گاؤزوری میں منحصر تھے۔ قومیں آپس میں زور آزمائیاں کرتیں جس قوم کے لوگ بچھڑتے۔ پچھاڑنے والے اُن پر حکمرانی کرنے لگتے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عرب کا قریب قریب ویسا ہی حال تھا جیسا افغانستان کا۔ اُس جزیرے میں سینکڑوں قومیں رہتی تھیں۔ وحشی۔ خودسر۔ جنگ جو۔ زشت خو۔ جن کے کنارے حکومت کے جوئے سے بالکل آشنا نہ تھے۔ یہ لوگ ذری ذری سی بات پر ایک دوسرے سے بگڑ بیٹھتے۔ اور جب ایک دفعہ بگڑتے تو جانو کہ اُن کی نسلوں میں بنی آدم اور سانپ کی سی عداوت مستمرہ قائم ہوتی وہ سرزمین ہی کسی طرح سویلزیشن (تہذیب) کے مناسب نہ تھی۔ ریگستان اور جھلسے ہوئے پہاڑوں کے سوا کوسوں پانی کا نام نہیں کھیتی کیا خاک ہو۔ ناچار پانی اور چارے کی تلاش میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ وہ تو خدا نے کچھ اپنی قدرت سے اونٹ کو پیدا کر دیا تھا کہ وہ بحساب وجعلنا من الماء کل شیء حی (ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا) مستثنیٰ ہے۔ ورنہ آدمی کا تو کیا مقدور تھا کہ اُس سرزمین میں ٹھہر سکے اونٹ کیا تھا اہل عرب کے حق میں زنبیل عمرو تھا۔ کھانا۔ پینا۔ کپڑا۔ مکان۔ اپنا جھن۔ بار برداری سواری غرض اُن کی اکثر ضرورتوں کی سربراہی اونٹ سے ہوتی تھی۔ اونٹ کی رسد اِن کی ضرورتوں کو کافی نہ ہوتی تو وہ اُس کی تلافی کرتے شکار سے اور ہتھے پر چڑھ گیا تو کسی قافلے کی لوٹ مار سے۔ الغرض سرزمین کی حالت اور

انکی اپنی عادت دونوں نے اہل عرب کو چست وچالاک جفاکش اور بیباک بنادیا تھا۔ جن صفتوں کا مجموعہ سپاہی کہلاتا ہے یوں جزیرہ عرب فی حد ذاتہ[1] گویا جرار خونخوار فوج کی چھاونی تھی جیسے افغانستان اگر آپس ہیں خانہ جنگیاں انکو مشغول کیئے رہیں تو انکے پڑوس سے پناہ مانگنی چاہیئے ؎

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں ٭ رکھدیگا ورنہ عقل کے بخیئے ادھیڑ تو

مکینک (علم جرثقیل) کا یہ مسئلہ بچپن کا پڑھا ہوا ابھی تک میرے خیال میں ہے کہ جب برابر کے دو محرک مقابل کی سمتوں سے ایک جسم کو ہلانا چاہیں تو دونوں کا اثر ضائع - یہ قاعدہ کچھ اسطرح کا عام ہے کہ فزکس (جسمانیات) منٹل (ذہنیات) مارل (اخلاق) پولیٹیکل (نظم ممالک سیاست مدن) وغیرہ سبھی جگہہ چلتا ہی بناءً علیٰ ذٰلک عرب کی ساری بہادری اور تمام فوجی قوت اکارت تھی۔ جو چاہے اُسکو بخت واتفاق سمجھے مگر ہم تو ایسی سرزمین اور ایسی سوسائٹی میں پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدا ہونے کو آیت اللہ اور معجزہ اور خرق عادت ہی مانتے ہیں۔ آنرایبل سر سید احمد خاں نے جس رفارم کا بیڑا اُٹھایا ہے بہلاوہ بھی اشاعت اسلام کے مقابلے میں کچھ رفارم ہے۔ مسلمان یوماً فیوماً مفلس اور ذلیل وخوار ہوتے چلے جاتے ہیں بیچارے سید آل رسول دوسری قوموں کے نمونے دکھا دکھا کر مسلمانوں کو ہر چند سمجھاتے ہیں مگر مسلمان ہیں کہ پچھے[2] پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتے جل شانہ وہ کیا دل تھا الم نشرح لک صدرک (کیا ہمنے تیرے سینے کو نہیں کھولدیا) جسنے عرب کے بگڑے دلوں کے رفارم نہیں بلکہ قلب ماہیت کا ارادہ کیا ہم اُن دقتوں اور مزاحمتوں کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے جو پیغمبر صاحبؐ کو اس ارادے کی تکمیل میں پیش آئیں ٭ دستور کی بات ہے کہ کوئی کام کیسا ہی مشکل کیوں نہو ہو جانے کے بعد لوگوں کو آسان دکھائی دینے لگتا ہے

کل ما لم یکن من الصعب فی الانفس ٭ سہل فیہا اذا ہو کانا

(جو چیز نہیں ہوتی لوگوں کو مشکل معلوم ہوتی ہے اور وہی چیز ہوئے پیچھے آسان دکھائی دینے لگتی ہے) ہر چند ان باتوں کے بیان کرنے میں مجھکو مزہ ملتا ہے مگر میں اپنی لائین سے باہر ہوا جاتا ہوں۔ ان حالات میں میرے مطلب کی اتنی ہی بات ہے کہ جب تک پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) نے اُس فوجی قوۃ کو جو عرب کے لوگوں میں تھی اور اعلے درجے کی تھی مگر ضائع اور رائگاں حسن تدابیر سے بکار آمد نہیں بنالیا اُن کو کامیابی نہیں ہوئی اُنہوں نے مذہبی تعلیم کے ذریعے سے پچھلی رنجشوں کو لوگوں کے دلوں سے نکال یکدلی

[1] اپنی ذات میں ۱۲ [2] بنا بریں ۱۲ ٭

اور اخوۃ اسلامی کا قایم ہونا تھا۔ کہ اہل عرب کی مجموعی شجاعت اور سپہگری کا نزلہ اطراف پر گرنا شروع ہوا۔ پس اگر اسلام کو طائر سے تشبیہ دیں تو اُسکا داہنا بازو مذہب تھا اور بایاں سپہگری۔ اسلام کی ابتدائی حالت ایک اُبال کی سی تھی۔ جسنے دیگچی کی تہ تک کے پانی کو اُچھال ڈالا۔ یہ تو عروج اسلام کی حقیقت ہی اب رہا تنزل۔ لوگ اپنے اپنے پندار کے مطابق اُسکے گوناگون اسباب قرار دیتے ہیں ؏

ہرکس بخیال خویش خبطے دارد

مجھکو دوسرے خیالات سے اسوقت بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کو تنزل اسلام میں دخل ہے میں اُسپر چند ریمارکس کرونگا۔ تنزل اسلام سے مراد ہے ضعفِ سلطنت۔ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ ترقی اسلام ہی اُسکے تنزل کا باعث ہوئی۔ اور قوت کے ساتھ ساتھ ضعف بڑھتا گیا۔ دنیا کے کارخانے کا بھی عجیب انتظام ہے اضداد میں علاقۂ علیۃ و معلولیۃ ہے

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے ٭ زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

عروس سلطنت آئی تو آسایش آرام طلبی کاہلی عیش و عشرت سُستی اور غفلت اپنی سہیلیوں کو ساتھ لائی۔ رفتہ رفتہ سلطنت کی صلاحیت سلب اور اُسکے ساتھ سلطنت منتزع ہوگئی۔ اگرچہ ابھی تک چند اسلامی سلطنتیں باقی ہیں۔ مگر نامنتظم ضعیف۔ محتاج۔ مغلوب۔ اور جو لوگ زمانے کی آلاپ سے اُسکے راگ کو پہچانتے ہیں اسبات پر متفق ہیں کہ ان سلطنتوں کا ثبات و قیام اب صدیوں اور قرنوں کی نہیں بلکہ برسوں کی بات ہے ؏

اگر بانار شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

اہل یورپ کے باہمی محاسدات دفع ہوئے اور یہ نقش باطل کی طرح صفحۂ روزگار سے مٹے انا للہ و انا الیہ راجعون[1] جو اسباب عموماً اسلامی سلطنتوں کے انتزاع کے باعث ہوئے وہ سب کے سب تو ان سلطنتوں میں تھے ہی تھے اب گزشتہ صدی کے اندر ہی اندر مجموعۂ اسباب کا جدامجد ایک سبب جدید اور پیدا ہوا سائنس (علوم) دیکھئے یہ موذی اہل اسلام کو روئے زمین پر رہنے بھی دیتا ہے یا نہیں۔ سائنس نے ایسا سر اُٹھا رکھا ہے کہ زور جسمانی اور بہادری اور پہلوانی کسی کی کچھہ حقیقت باقی نرہی۔ ورزش باقسامہا کشتی داؤ پیچ پھکیتی چپیتی پٹا بانک سپہگری کے جتنے کرتب تھے اب تعزیہ داری کے جلوس کے سوائے اور بھی کسی

---

[1] ہم لوگ واسطے اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں ۱۲ ٭

مصرف کے ہیں؟ کیا زمانے کے انقلاب ہیں!! ایک وقت وہ تھے کہ یہی کرتب سلطنتوں کے فینٹ ڈسائڈ (فیصلے) کرتے تھے۔ اب وہی کرتب بازیچۂ بازاریاں ہیں۔ وگر ہیچ۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اہل یوروپ کے مقابلے میں بہادری کے معنے ہیں خودکشی۔ ہر روز آلات حرب میں ایسی ایسی ایجادیں ہوتی چلی جاتی ہیں کہ اہل یوروپ ہی ایک دوسرے کی مقاومت کریں تو کریں۔ ورنہ دوسری قوموں کا ایسے لایعنی توقعات کو دل میں جگہ دینا ع

این خیال ست و محال ست و جنوں

اہل یوروپ کی ملکی فتوحات تو سب کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور ہم کو سارے اہل یوروپ سے کیا غرض کیا مطلب انگریزوں ہی کی فتوحات کو دیکھو۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ میری یاد میں باعتبار اوسط بیس برس بھی ایسے نہیں گزرے جن میں کوئی نہ کوئی نیا ملک سلطنت انگریزی میں شامل نہوا ہو۔ الم یروا انا ناتی الارض ننقصہا من اطرافہا (کیا نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو ہر طرف سے لیتے چلے جاتے ہیں) ہر چند یہ فتوحات بھی بجائے خود معظمات الامور ہیں۔ مگر ان سے معظم تر انگریزوں کی سائنٹفک (علمی) فتوحات ہیں۔ ملکی فتوحات کے ذریعے سے انگریز ہم کو اسیقدر مطیع کر سکتے تھے۔ اس سے ایک انچ بھی زیادہ نہیں کہ طوعاً کرہاً ہم اُن کو خراج دیں۔ لیکن سائنٹفک فتوحات کے ذریعے سے انہوں نے یہانتک ہمکو اپنے بس میں کر لیا۔ کہ وہ کپڑا بنیں تو ہم پہنیں۔ وہ ریل چلائیں تو ہم کانگرس میں آئیں۔ وہ تار دیں تو ہمکو خبریں ملیں۔ وہ گھڑی کے کیل پرزے ڈھالیں تو ہمکو وقت کی پہچان ہو۔ وہ دیا سلائی بنائیں تو ہم چراغ جلائیں۔ یا بعض چرٹ یا سگرٹ سلگائیں۔ اُن کے ہاں سے سوئی آئے تو ہماری پوشاک سی جائے۔ میں کہاں تک کھڑاگ گنوایا کروں گا۔ جس نے انگریزی وضع اختیار کر لی ہے تو وہ بھلا خیر اد بدا کر انگریزی ساز و سامان رکھے ہی گا۔ جن کو انگریزی وضع کی چڑ ہے۔ اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں۔ وہی ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ نماز کے بوریئے[1] وضو کے بدھنے اور تانبے کے پرانے باسنوں کے سوا اور بھی کوئی چیز ان کے گھروں میں ہے۔ جس کو انگریز کا دست صنعت نہیں لگا الا ماشاء اللہ گڑ کھاؤں گلگلو سے پرہیز۔ یہ لوگ اپنے پندار میں انگریزوں سے پرہیز کرتے ہیں اور انگریز ہیں کہ من بین ایدیہم ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائلہم ومن فوق رؤسہم ومن تحت ارجلہم (آگے سے اور

[1] چار و نا چار ۱۲

پیچھے سے۔ داہنے سے اور بائیں سے۔ اوپر سے اور تلے سے) ہر طرف سے اُن کو گھیرے ہوئے ہیں جاؤ
تو بچ کر کہاں جاتے ہو ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان
(اگر تم کو قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل بھاگو تو چلے جاؤ۔ مگر بے قدرت تو نہیں جا سکو گے)
یہ ہے سائنٹفک حکومت جس نے تمام رعایا کو جکڑ بند کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں اس طرح کی اضطراری حکومت
انگریزوں سے پہلے اور کسی کو تو نصیب ہوئی نہیں۔ ہو گی بھی نہیں ۱۸۵۷ء کے غدر میں میں اپنے دل ہی
دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز پہلے سے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لئے سمندر میں ہو رہیں۔ تاکہ باغیوں
کو کافر نعمتی کا اچھی طرح مزہ مل جائے۔ باوجودیکہ اُس وقت تک انگریزوں کا سائنٹفک تسلط ایسا قوی نہ
تھا۔ جیسا اب ہے۔ مگر جیسا اور جس قدر تھا میرے اس خیال کو کافی تھا کہ جو آسایش ہم کو انگریزی عملداری
میں میسر ہے کسی دوسری قوم میں اسکے مہیا کرنے کی صلاحیت نہیں پس یہی باغیان ناعاقبت اندیش بر
خود غلط جو عملداری کے تزلزل سے خوش ہیں۔ چند روز میں عاجز آکر بمنت انگریزوں کو منا کر لائیں تو سہی۔ میں
اپنی معلومات کے مطابق اُس وقت کے ہندوستانی والیان ملک پر نظر ڈالتا تھا اور برہما اور نیپال اور افغانستان
بلکہ فارس اور مصر اور عرب تک خیال دوڑاتا تھا۔ اِس سرے سے اُس سرے تک ایک شخص سمجھ میں نہیں آتا تھا
جس کو میں ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ امیدواران سلطنت میں سے اور کوئی گروہ اُس وقت موجود نہ تھا کہ
میں اُس کے استحقاق پر نظر کرتا۔ پس میرا اُس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریزی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں
سلطنت اِن ہی کا حق ہے اِن ہی پر بحال رہنی چاہئیے۔ دعوی مدعیان بہ خرچہ ڈسمس۔ ہوں تو میں غریب آدمی کسی کا
نوکر نہیں چاکر نہیں۔ مگر اپنے جھونپڑے میں پڑا ہوا اب بھی سلطنت کے فیصلے کیا کرتا ہوں میں نے اپنے ذہن
میں ایک ایسا قاعدہ ٹھہرا لیا ہے کہ شاید مدتوں تک مجھ کو تجویز کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑے گی۔ سو قاعدہ یہ ہے
کہ فی زماننا ہذا سلطنت کوئی حق مستقل بالذات نہیں۔ بلکہ سائنٹفک سوپیریارٹی (علمی برتری) کا تابع اور
اُس کی فرع ہے پس جو شخص سائنٹفک سوپیریارٹی سے بے نصیب ہو اُس کا دعویٰ سماعت نہ کیا جائے۔ ہماری
تیرھویں صدی میں دنیا کی تمام حالتیں اس قدر متغیر ہوئیں کہ اگر اب سے سو برس پہلے کے مُردے کا جلایا جانا
ممکن ہوتا تو وہ دنیا کو دیکھ کر ضرور تعجب کرتا سب سے بڑا عظیم الشان تغیر جس پر تمام دوسرے تغیرات متفرع
ہوئے علمی تغیر تھا۔ جب مسلمان ہندوستان پر حکمران ہوئے تو جیسا تقاضائے حکومت ہے رفتہ رفتہ

له خارج ۱۲ ؛ اس زمانے میں ۱۲

ہندوؤں کے علوم نسیًا منسیًا ہوکر آخرکار مسلمانوں کے علوم رواج پا گئے۔ متعصب ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے مظالم کی بڑی لمبی فرد بنا رکھی ہے اُسمیں یہ بات بھی ضرور ہوگی۔ لیکن میرے نزدیک اُن کو مسلمانوں کا شکرگزار ہونا چاہیئے۔ اے کاش جسطرح مسلمانوں کی عملداری میں ہندو اپنے علوم بھول گئے۔ انگریزی عملداری میں مسلمان اپنے علوم بھول گئے ہوتے۔ تو کیوں سیکڑوں ہزاروں مسلمان اس کانگریس میں حاضر ہونے کی سرگردانی اُٹھاتے۔ اب جو انگریزی سرکار دربار میں ہندو واسقدر پیش پیش ہیں کہ تمام سرکاری خدمتوں کے ٹھیکہ دار ہیں اور یوں بھی اس عملداری میں اُنکو ہرطرح کے بھاگ لگ رہے ہیں ؎

خط بڑھا زلفیں بڑھیں کاکل بڑھے گیسو بڑھے ٭ حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

یہ سب ترقی و خوشحالی اپنے قدیم علموں کے بھلا دینے کی وجہ سے ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تخصیص نہیں روئے زمین کی تمام قوموں کے پرانے علوم اسی قابل ہیں کہ اُنکو بھلا دیا جاتے۔ کل قوموں کے پرانے علوم کمی بیشی کے ساتھ کہ وہ اختلاف سرزمین وغیرہ کی وجہ سے ہونے ضرور تھے۔ باعتبار مآل کار قریب قریب ایک ہی طرح کے تھے اگر مائی نیوٹلی (شرح و بسط کے ساتھ) علموں کی تفصیل کرنی چاہو تو بڑی بھاری فہرست بن سکتی ہے مگر سرسری دیکھنے میں تو پرانے علم متداول دو ہی طرح کے تھے۔ زباندانی اور معقولات۔ فن زباندانی ہر زمانے میں ہر سرزمین میں ہر دل عزیز رہا ہے۔ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ لیکن ہر دلعزیز ہونا اور چیز ہے اور قوم اور ملک کے حق میں مفید ہونا اَور چیز۔ بیشک ایسی مثالیں بھی ہیں کہ بعض اوقات شاعروں کو ایک ایک قصیدے پر لاکھ لاکھ روپیہ ملا ہے۔ مگر یہ شخصی فائدے تھے اور وہ بھی شاذ و نادر اتفاقی۔ اِن گئے گزرے وقتوں میں بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے پہلے تک دِلّی میں ایسے ایسے شاعر موجود تھے کہ ہر شخص اپنی طرز کا استاد تھا مگر بیچارے محتاج مفلس تنگیِ معاش کی وجہ سے پریشان۔ اور جتنے نامی اور مستند شعرا متقدمین و متاخرین ہندی اور عجمی گزرے ہیں سبھی کے کلام سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ شاعروں کو گویا کسی فقیر کی بددعا ہے کہ ہمیشہ تنگدست رہیں ہمارے ملک میں کالب علی خاں ایک شاعر تھے اُن کے شعر سے اسکی تصدیق ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ فن شعرگوئی سخن ہے ٭ شعر کہتے کہتے میں ڈپٹی کلکٹر ہوگیا

خیر بددعا تو کیا ہوگی مگر اسکا سبب یہ ہے کہ شاعری کی ایسی بُری چاٹ ہے کہ آدمی کو دنیا اور دین دونوں کے کاموں سے معطل کر دیتی ہے ناچار شاعروں کو امیروں کا بھاٹ بننا پڑتا ہے جو ایک طرح کی گداگری ہے غرض خود شاعروں کے ذاتی فائدے کے لحاظ سے بھی دیکھا جاتے تو شعر و سخن امیروں کے پیٹ بھرے کا

مشغلہ تھا اب نہ پہلے سے امیر رہے نہ اگلی سی فراغتیں ۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کس توقع پر کوئی خون جگر کھائے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سے کسیطرف کوئی نیا شاعر بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا ۔ لکھنو والوں میں کسیقدر رگ گدی ہے سو وہ بھی یوماً فیوماً گھٹتی چلی جا رہی ہے ۔ جوں جوں لوگوں پر یہ بات منکشف ہوتی چلی جاتی ہے کہ پُرانی تعلیم سے معاش میں مدد نہیں ملتی ۔ وہ آپ ہی اُس سے دست کش ہوتے جاتے ہیں ۔ سر سید احمد خاں کو اور اُن لوگوں کو جو ان کا سا خیال رکھتے ہیں صبر نہیں آتا ۔ ورنہ کیسے لکچر اور کہاں کا کانگرس ۔ پیٹ ایسی بُری بلا ہے کہ اسکی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے ۔ میں نے مدتوں سررشتہ تعلیم میں نوکری کی اُن دنوں "کوالیٹی" (صفت) کو تو کوئی پوچھتا نہ تھا کوان ٹٹی (مقدار) بڑی کارگزاری سمجھی جاتی تھی ۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو رپورٹ میں مکتبوں اور طالبعلموں کا شمار زیادہ دکھایا جائے وہ گورنمنٹ کی غلطی تھی اگرچہ ہر سال مکتبوں اور طالبعلموں کا شمار زیادہ ہوتا جاتا تھا گورنمنٹ جانتی تھی کہ لوگ پبلک انسٹرکشن[۵] کی قدر کرتے جاتے ہیں ایک مدت دراز تک گورنمنٹ کو یہی غلط خیال رہا ۔ یہاں تک کہ نوکری کے لیے مڈل کے امتحان کی قید لگا دی گئی ۔ اُسوقت سے البتہ لوگ سرکاری تعلیم کیطرف راغب ہوئے ۔ لیکن نہ اسوجہ سے کہ اس تعلیم کو پسند کرتے ہیں بلکہ صرف نوکری کی طمع سے تو میں نے راغب ہوئے غلط کہا ۔ مجھکو کہنا چاہیئے تہا کہ مجبور ہوئے ۔ پھر یہی تماشہ وکالت اور مختاری کے امتحانوں میں دیکھا ۔ اِن باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگ معاش کی طرف سے مضطر ہیں ۔ جدہر توقع پاتے ہیں بے تامل دوڑے چلے جاتے ہیں ۔ مذہبی تعصب یا غلط فہمی یا اور کوئی خیال جسنے شروع شروع میں مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے باز رکھا ہو میرے نزدیک جہاں تک مجھکو معلوم ہے اب اُن موانع میں سے کوئی مانع باقی نہیں اب مسلمان سمجھ گئے ۔ بیٹر لیٹ دین نیور (بدیر ہو تو اس سے بہتر ہے کہ کبھی نہو) کہ پچھلے ڈھرے پر چلنے سے انکی دنیاوی کاربرآری نہیں ہو سکتی ۔ اب سرکاری مدرسوں میں انکا شمار بہت بڑھ گیا ہے اور اُس حمیت سے جو مسلمانوں کا خاصہ مذہبی ہے میں تو یقین کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے جب تک نہیں کیا تھا نہیں کیا تھا ۔ لیکن اَب کرنے پر آئے ہیں تو ایسا کرینگے جو کرنیکا حق ہے ۔ خدا انکو توفیق دے کہ ایسا ہی کریں ۔ میں پُرانے علوم کے سلسلے میں یہ بات بیان کر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد کسیطرف کوئی نیا شاعر

---

[۵] سررشتہ تعلیم ۱۲

بڑے نام و نمود کا سُننے میں نہیں آیا۔ یعنی ہمارے لٹریچر (علم ادب یا انشا پردازی) کی ترقی مسدود ہوگئی
آپ صاحبوں میں سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میں لٹریچر کا نوحہ پڑھ رہا ہوں۔ نہیں نہیں۔ میں تو اس
خیال کا آدمی ہوں کہ علوم قدیمہ کو مسلمانوں کی ترقی کا سدِ راہ جانتا ہوں اور علوم قدیمہ میں سے بھی خاصکر
لٹریچر کا سخت مخالف ہوں۔ مسلمانوں میں ایزائے نیشن (بحیثیت قومی) جتنی خرابیاں ہیں کُل تو نہیں اکثر
اِسی لٹریچر نے پیدا کی ہیں۔ یہ لٹریچر جھوٹ اور خوشامد سکھاتا۔ یہ لٹریچر واقعات اور موجودات کی اصلی خوبی کو
دباتا اور مٹاتا۔ یہ لٹریچر متوہمات اور مفروضات بے اصل کو فیکٹس (واقعات) بناتا۔ یہ لٹریچر نالائق ولولوں
کو شورش دلاتا۔ اگر کسی نے اِس زہر کو چکھا ہے تو میں نے پیا ہے اور اگر کسی نے اِس سانپ کو کھلایا ہے تو میں نے
اپنے تئیں اس سے کٹوایا ہے۔ اگرچہ بڑی عمر میں میں نے بوڑھے طوطے کی طرح آپ ہی آپ تھوڑی سی انگریزی
بھی پڑھ لی تھی۔ لیکن میری طبیعت میں ایشیائی تعلیم کا رنگ رچ چکا تھا۔ انگریزی پڑھنے سے اتنا تو ہوا کہ مجھکو اپنے
یہاں کے لٹریچر کے عیوب معلوم ہونے لگے۔ مگر مذاق وہی کا وہی رہا۔ اب بھی اگر کوئی برجستہ شعر سُن پاتا
ہوں چاہے اُسمیں کتنا ہی مبالغہ خلاف قیاس کیوں نہو بے اختیار پھڑک اُٹھتا ہوں۔ یہ ساری خرابی کمبخت
فارسی کی پھیلائی ہوئی ہے۔ خیالات اور مضامین کے اعتبار سے تمام دنیا کے لٹریچروں میں اس زبان کے
لٹریچر سے بدتر اور کوئی لٹریچر نہیں۔ اسنے قومی مذاقوں کو ایسا بگاڑا اور اسقدر تباہ کیا کہ ہم لوگوں کو واقعات
میں مزہ نہیں ملتا۔ اور چونکہ طبیعتوں سے مناسبت سلب ہوگئی ہے سرکاری تعلیم مسلمانوں کو غذائے نامرغوب
کیطرح پچتی نہیں۔ شاید سو طالبعلموں میں ایک بھی ایسا نہیں نکلیگا جو تاریخ اور جغرافیے اور طبیعات پر دل لگاتا ہو
ایک ڈائرکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائے اور یہی ذ
ہے کہ اکثر مسلمان طالب العلم ریاضی میں فیل (ناکامیاب) ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیم کی اصلاح میں مجھکو جسقدر
زیادہ خدشہ اسی کا ہے کہ اُن کی طبیعتیں کہیں مدتوں میں جاکر تعلیم جدید سے مناسبت پیدا کرینگی۔ لٹریچر جس کی
نسبت میں نے چند ریمارکس[1] کیئے۔ مسلمانوں کی تعلیم مروجہ کا جزو اعظم ہے بعض و قلیل ماھم (لو الیسے
لوگ بہت تھوڑے ہیں) اجنکو سر پر دستار فضیلت کے لادنے کا شوق ہوتا ہے۔ زبان کے علاوہ کچھ علوم
بھی پڑھتے ہیں جنکا خلاصہ ہے معقولات۔ سو ہمارے یہاں کا معقول ایسی نامعقول چیز ہے کہ اسکے پڑھنے
سے انسان مخبوط العقل ہوجاتا ہے۔ میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک حد تک معقول کا پڑھنا مفید اور بکار آمد

[1] کیفیت ۱۲

اِس سے فکر غائر اور ذہن تیز ہوتا مطلب کے ماله[1] اور ما علیہ اور اطراف و جوانب پر نظر احاطہ کرنے لگتی۔ مگر اُسمیں توغل کرنا انسان کو تشکی۔ جھگڑالو۔ اور کٹھ حجتی بناتا اور تحقیق حق سے باز رکھتا ہے۔ لٹریچر کی تو خیر ترقی ہی مسدود ہوتی ہے۔ معقولات کو میں دیکھتا ہوں علیٰ شفا جرف ھار (معدوم ہونے کی قریب) بڑے بڑے چھاپے خانے والے جنکو اپنا پہاڑ جھونکنے کے لئے خشک تر سبھی طرح کے اینیدھن کی تلاش رہتی ہے اب تو وہ بھی معقولات کی کتابوں کو ھاتھ نہیں لگاتے۔ کیونکہ ان کی نکاسی نہیں پاتے غرض نہ کسی کے سکھانے سے اور نہ کسیکے بہکانے سے نہ کسیکے ڈرانے دھمکانے سے بلکہ دیکھنے اور آزمانے سے مسلمانوں پر خود بخود پرانی تعلیم کا بھنڈ کھل گیا اور انگریزی پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ مگر پرانی تعلیم کو تو خیر باد کہہ چکے۔ غدر کے بعد سے ہم تو برابر یہی دیکھتے چلے آتے ہیں کہ جب کسی فن کا کوئی صاحب کمال مرا وہ فن بھی اُسیکے ساتھ رخصت ہوا اب سے زیادہ نہیں بیس برس پہلے کسکو توقع تھی کہ تعلیم کے متعلق مسلمانوں کے خیالات اسقدر جلد روبراہ ہوجائینگے جب سر سیّد احمد خاں نے ابتداءً مسلمانوں کے رفارم کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ باستثنائے معدودے چند جنکو سر سیّد احمد خاں کے ساتھ زیادہ اختلاط تھا اور وہ ایمانًا اور صداقةً اُنکے ارادوں کو مسلمانوں کی سچی خیر خواہی کے سوا دوسرے موثوز (اغراض) کی طرف منسوب کر نہیں سکتے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمان کنفس واحدة[2] اُن کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور جو نہ کہنا تھا سو کہا اور جو نہ کرنا تھا سو کیا۔ اُن دنوں مسلمانوں کی عام شورش دیکھکر یہ خیال تو کئی بار میرے دلمیں بھی آیا تھا کہ جب مسلمان رفارم کے اسقدر مخالف ہیں تو بہتر ہوگا کہ اُنکو اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ زمانہ اُن کی اصلاح کرے فان الدھر احسن المؤدبین (یعنی زمانہ سب سے اچھا سکھلانے والا ہے) لیکن غور کرنے سے مجھکو اپنی غلطی پر تنبہہ ہوا اور میں نے سوچا کہ زمانہ یا دہر یا وقت ہے کیا چیز نہ تو وہ کوئی موجود منفرد اور مستقل بالذات ہے اور نہ اُسمیں تصرف کی قدرت ہے۔ جو کچھ ہوگا اور جب کبھی ہوگا ہمارے ہی کرنے سے ہوگا۔ چنانچہ سر سید احمد خاں اپنی دُھن میں اپنا کام کیے چلے گئے۔ اول تو ہمارے یہاں رفارمر ہی ایسے کون سے کوڑیوں ہوگزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ سر سید احمد خاں کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جہاں تک مجھکو رفارمروں کا حال معلوم ہے یہیں کے نہیں بلکہ دوسرے ملکوں کے بھی۔ میں تو سر سید احمد خاں کو بڑا خوش نصیب اور کامیاب رفارمر سمجھتا ہوں۔ اُنھوں نے ایسی جگہ ایک بیج بویا جہاں کی سرزمین اور آب و ہوا کسیطرح اِس بیج کو سازگار نہ تھی۔ اُن کی آبیاری سے وہ

---

[1] مفید و مضر ۱۲ [2] مثل تن واحد ۱۲

بیج جما اور اُسکو نشو و نما ہوا اور انشاء اللہ وقت پر پھولے اور پھلیگا بھی کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (جیسے کھیتی کہ کونپل نکلی۔ پھر اُسمیں جان پڑی پھر پنپی۔ پھر کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر خوش ہونے) اور یہ سب کچھ انہی کی زندگی میں۔ علیگڈھ میں اس بات کا ثبوت مرئی موجود ہے محمڈن کالج کہ ایک متنفس کرنے پر آئے تو کیا کچھ کر سکتا ہے اب ہمکو اور ہم ہی کو نہیں۔ جو اِس حال میں جمع ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ سر سید احمد خاں میں کاہے کی خصوصیت ہی۔ کیا اِن کی لال ٹوپی میں پھندنے کی جگہ سرخاب کا پر لگا ہے ؟ نہیں۔ کیا یہ بڑے عالم متبحر ہیں ؟ نہیں۔ کیا یہ بڑے مالدار ہیں ؟ نہیں۔ کیا اِن کو گورنمنٹ کی طرف سے کوئی اقتدار خاص عطا ہوا ہے ؟ نہیں پھر اِنکے پاس وہ کیا لٹکا ہے جس سے مسلمانان ہند کی کایا پلٹ دی اور اُن کی ہسٹری[1] میں ایک نیا ایرا (واقعہ عظیم جس سے برسوں کا شمار کیا جائے جیسے مسلمانوں میں ہجرت) شروع کرا دیا۔ وہ لٹکا ہے دل جو اِن کے سینے میں لٹکا ہوا ہے۔ کسی کے پاس ایسا دل ہو تو وہ بھی علیگڈہ کے محمڈن کالج کا سا شعبدہ کر سکتا ہی ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید ؛ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ابھی قوم کو ایسے بہت سے دلوں کی ضرورت ہے مقلب[2] القلوب توفیق عطا کرے اگرچہ محمڈن علیگڈہ کالج فی حد ذاتہ بڑے فخر و نمود کی چیز ہے اور ابداً[3] موبداً فخر و نمود کی چیز رہیگا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ تعلق وہ قومی تعلق جو سر سید احمد خاں کو اِس کالج کے ساتھ ہے۔ کم سے کم بیس پچیس برس سید احمد خاں کو اگر مرنا چاہیں بھی تو نہیں مرنے دیگا۔ مگر میری نظر میں علیگڈہ محمڈن کالج سے کئی درجہ زیادہ سر سید احمد خاں کے لیے فخر و نمود کی چیز یہ ہے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو ڈوبتا ہوا دیکھکر غل مچایا اور اُنکو ورطۂ ہلاکت سے نکلنے کا رستہ بتایا ہارے شکر ہے کہ مسلمان بادیر سمجھے مگر سمجھے ؎

لاتے اُس بت کو التجا کر کے ؛ کفر توڑا خدا خدا کر کے

اب مسلمانوں کو انگریزی سے نہ اگلی سی وحشت ہے نہ پہلا سا گریز ہے۔ الغرض جو کچھ ہوا اور جتنا کچھ ہوا بہت ہوا۔ امید سے زیادہ۔ توقع سے بڑھکر۔ مگر ہائے اب بھی مسلمانوں کے درد کی دوا نہیں۔ اِسوقت تک جتنی انگریزی پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ اُسکی غرض و غایت ہی سرکاری نوکری۔ انگریزی پڑھنے پر بھی مسلمانوں کو سرکاری نوکری میں سے جو حصہ ملنے والا ہے وہ ایسا ہی ہوگا۔ جیسے اونٹ کے مونھہ میں زیرہ۔ اول تو وہ

---

[1] تاریخ ۱۲ [2] دلوں کو پھیر دینے والا ۱۲ [3] ہمیشہ ہمیشہ ۱۲

نوکریاں ہی کتنی ہیں ۔ ایک انار اور بیمار پڑے دعویدار صد بیمار ۔ کہ نہ ذات کی قید نہ پیشے کا لحاظ نہ مذہب
کی خصوصیت نہ ضرورت پر نظر ۔ ایک عالم ہے کہ نوکری کے خبط میں گرفتار ہے ۔ انگریزوں کے سارے انتظام
اچھے ہیں مگر وضع الشئی فی غیر محلہ رہے جگہ چیز کو رکھنا راونڈ ہال ان اے اسکوئر ہول (چوکور سوراخ
میں مدوّر گولی) انہوں نے اپنے ملک پر قیاس کرکے نوکری کو عام کر دیا ۔ اور یہ نہ سمجھا کہ یہاں نوکری ایک پیشہ ہے
اور پیشہ داخل ذات ۔ پس نوکری کا عام کرنا گویا ذات کے امتیاز کو مٹانا اور سوسائٹی کے قدیم کانسٹیٹیوشن (بناؤ)
کو بگاڑنا ہے ۔ جو اعتراض نوکری کی تعمیم پر ہے وہی مع شئی زائد تعلیم کی تعمیم پر ہے ۔ کنجڑے ۔ بھٹیارے
نائی ۔ قصائی ۔ دھوبی ۔ گھسیارے ۔ درزی ۔ خانساماں ۔ خدمتگار بلکہ بھنگی تک پڑھنے پر اتر پڑے ۔ لکھ پڑھ
جانے سے کمینوں کی تو سوسائٹی میں کچھ بھی عزت نہ بڑھی ۔ مگر ان نااہلوں نے علم کو ذلیل کر دیا ۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

میرے والد مرحوم مجھے بچپن میں سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا علم تمغائے شرافت ہے ۔ اُنکے یہ الفاظ ابھی تک
میرے کانوں میں گونج رہے ہیں ۔ اب اُسی تمغائے شرافت کو دیکھتا ہوں چینی کے بٹنوں سے زیادہ بیقدر
جس قلی مزدور نے چاہا ایک پیسے کے درجن بھر خریدے ۔ اور کوٹ میں ٹانک پھرا ۔ منجملہ چند در چند قباحتوں کے
جو تعمیم تعلیم سے پیدا ہوئیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں ۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ پیشۂ نوکری ہندوستان میں
ہمیشہ سے رہا ہے معزز ۔ جو شخص ذرا سی بھی شُد بُد کر لیتا ہے ۔ نوکری کے سوائے دوسری شئے کو ہاتھ
نہیں لگانا چاہتا ۔ نتیجہ یہ ہے کہ دوسرے پیشوں میں پیشہ وروں کی تعداد برابر گھٹتی چلی جاتی ہے ۔ اور
جتنے لوگ دوسرے پیشوں کو چھوڑتے جاتے ہیں وہ سب نوکری میں ٹھُستے جاتے ہیں ۔ پس اگر مسلمانوں
نے سرکاری نوکری کے لالچ میں آکر انگریزی پڑھنی شروع کی ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ جنہوں نے
پڑھی اسی غرض سے پڑھی ۔ اور جو پڑھ رہے ہیں اسی غرض سے پڑھ رہے ہیں ۔ اگرچہ کہتے ہوئے میرا جی
کڑھتا ہے مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ امتحان میں اگر فیل (ناکامیاب) نہ ہوں تو اس موقع پر اکثر ضرور فیل
ہونگے اس واسطے کہ اسٹور (گودام) کھچا کھچ بھرا پڑا ہے اور ڈمانڈ (مانگ) سپلائی (رسد) کے مقابلے
میں گویا کہ نہیں ۔ اگرچہ خطرناکامی سبھی کے لیے ہے ۔ مگر روپے میں دو آنے ہندو تو چودہ آنے مسلمان کیونکہ
مسلمانوں نے انگریزی کے شروع کرنے میں اسقدر دیر کی کہ ہندو چھوٹی بڑی تمام سرکاری خدمتوں پر قابض
ہو چکے تھے ۔ علاوہ بریں گورنمنٹ سروس کا بڑا حصہ سب سروس (ادنے درجہ کی نوکری) جس میں تھوڑا

بہت ابتذال چار و ناچار انگیز کرنا پڑتا ہے - اور ہم مسلمانوں کا حال جلی ہوئی رسی کا سا ہے کہ راکھ ہوگئی مگر بل نہیں گئے - سخت بات کی سہار نہیں - خوشامد قومی شعار نہیں ؎

ہم خستہ جاں ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر ؛ تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں دم نکل گیا

غرض جسطرح پر تسلیم اب ہو رہی ہے اسکا لازمی نتیجہ بیدلی جسکو ام المفاسد (تمام خرابیوں کی ماں) سمجھنا چاہیئے - بار بار سر سید احمد خاں کا نام لیتے ہوئے میری طبیعت مضایقہ کرتی ہے - کہ مبادا کوئی کریم النفس خیال کرے کہ جسطرح لکھنؤ کے مرثیہ خواں بناتے ہوتے بسورنے والوں کو مجلسوں میں ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں کہیں اسیطرح سر سید احمد خاں مجھکو تو اپنے ساتھ نہیں لائے - لیکن اگر خدا کسی کے دماغ میں ایسی برکت دے کہ ہر ایک مفید چیز کیطرف سب سے پہلے اُسی کا ذہن منتقل ہوا کرے تو کیا خدا کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہی ؎

حکمت محض است اگر لطف جہاں آفریں ؛ خاص کند بندۂ مصلحت عام را

جسطرح مسلمانوں کے رفارم کا مضمون سب سے پہلے سر سید احمد خاں کو سوجھا اسیطرح ایجوکیشنل کانگرس کی ابتدا انہی سے ہوئی - اگر اسمیں کامیابی ہوتی اور اُمید ہے کہ ہوگی اور ضرور ہوگی تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اقبال کی صبح کے طلوع کا وقت قریب آ لگا کیونکہ تعلیم ہی ایک چیز ہے جو دنیا اور دین دونوں کی درستی کی متکفل[1] ہو سکتی ہے

اگر تعلیم کو ہم ایک مقدمہ فرض کریں تو اسکی روداد ایسی صاف اور سلیس ہے کہ جو فیصلہ اسپر صادر کیا جائے مختلف فیہ ہو نہیں سکتا - ہمکو چاہیے کہ پہلے اہل یورپ کے ساتھ اپنی حالت کا موازنہ کریں - ہم دیکھتے ہیں کہ جو سامان مبدأ فیاض نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کی آسائش کے لیے مہیا کیے ہیں ہمکو اُنمیں سے لائنز شیر (شیر کا حصہ) ملا ہے - ہماری جیسی سرزمین - ہماری جیسی آب و ہوا - ہمارے جیسے موسم - ہماری جیسی پیداوار - غلے - میوے - درخت - پھول - پھل - ہمارے جیسے حیوانات - ہمارے جیسے معادن کوئی چیز بھی تو اہل یورپ کو نصیب نہیں - اس رو سے چاہیئے تھا کہ ہم خوشحال ہوتے - اور اہل یورپ تنگدست ہم محتاج الیہ ہوں اور اہل یورپ محتاج - لیکن معاملہ منعکس ہے - سلطنت کو بھاڑ میں ڈالو - اور اس کمبخت کا نام نہ لو - یوں دیکھو کہ ہندوستان اور یورپ میں باہمی لین دین کا کیا رنگ ہے - وہ رنگ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہے نہ زندہ نہ مردہ بلکہ سسکتا ہوا نیم جان ضعیف و ناتوان - اُس بیچارے کو اس کثرت سے جونکیں - لپٹی ہوئی اُسکا خون پی رہی ہیں کہ کوئی مسام جونک کے مونہہ سے خالی نہیں اور جونکیں بھی کاغذی

[1] ضامن ۱۲ [2] جن باریک سوراخوں کے ذریعے ہوا جسم کے اندر پہونچتی ہے یہ سوراخ بادی النظر میں معلوم نہیں ہوتے ۱۲

نہیں بلکہ بڑی قسم کی جو بھینا جونک کہلاتی ہیں۔ آپ سمجھے کہ میری اس تمثیل سے میری کیا مراد ہے؟ وہ بیجان آدمی ہندوستان ہے۔ خون ملکی دولت۔ اور جونکیں اہل یوروپ۔ یہ سمجھنا ایک نادان بلکہ بے ایمان آدمی کا کام ہے۔ کہ انگریز بزور حکومت ہماری دولت گھسیٹے لیئے چلے جاتے ہیں۔ ذرا ٹریڈ اور کامرس (تجارت) اور امپورٹ اور اکسپورٹ (مال کی درآمد برآمد) کی رپورٹیں پڑھو۔ اور فنانشیل سکرٹریٹ سے سالانہ بجٹ (تخمینہ جمع و خرچ) کے نقشے لیکر دیکھو۔ مگر خبردار نقشے مانگنے جاؤ تو اتنی بات ضرور جتا دینا کہ ہم نیشنل کانگریس والے نہیں ہیں تو معلوم ہو کہ سلطنت کی راہ دولت رس رہی ہے تو ٹریڈ (تجارت) کی طرف بند لوٹا ہوا ہے۔ ہماری اور اہل یوروپ کی تجارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم خریدنے والے ہیں اور اہل یوروپ بیچنے والے۔ بیشک ہندوستان سے بہت سامان یوروپ کو چلا جاتا ہے مگر مینوفیکچرڈ (تیار کیا کرایا) نہیں بلکہ رامیٹریل (غیر تیار شدہ اشیاء) کہ جیسا پیدا ہوا جوں کا توں یوروپ چلا گیا۔ اہل یوروپ نے اپنی ہنرمندی سے بنایا سنوارا اور اضعافاً مضاعفہ[1] نفع پر پھر الٹا ہمارے سر مارا۔ اہل یوروپ نے ساری تجارت کو اپنی مٹھی میں کر لیا ہے جیسے شیر کہ اُسنے شکار مارا اور گودا اور رغون جو چیزیں عمدہ اور مزے کی تھیں۔ آپ کھائیں ہیں خالی ہڈیاں لومڑی کے لیے چھوڑ دیں کہ لے انکو چڑی چھچوڑا کر۔ دلی میں اسوقت غلے کی بڑی بھاری منڈی کھاری باولی ہے۔ بندہ کا غریب خانہ اسی منڈی کے متصل ہے۔ صبح ہوئی دن چڑھتے چڑھتے رالی برادرز (نام تجاران انگلستان) کے گماشتے بازار میں آ بھرے۔ اس بازار میں اکثر اوقات اسطرح کی چہل پہل رہتی ہے کہ رستہ نہیں ملتا۔ ہجوم کرنے والوں میں وہ محتاج لوگ بھی ہوتے ہیں جو چھاج اور جھاڑو لیے ہوئے گرے پڑے دانے دُنکے سوہرتے[2] پڑے پھرتے ہیں میں جب جب ان مصیبت مندوں کو دیکھتا ہوں بے اختیار جی میں خیال آیا کرتا ہے کہ ہزارہا من غلہ پڑا تُل رہا ہے۔ مگر ان کی قسمت کے دانے ہیں جسطرح یوروپ کی تجارت میں ہر روز لاکھوں کروڑوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں ہمارے حصے میں کیا آتا ہے کوڑیاں۔ یا خوب گھرے ہو گئے تو پیسے۔ یوروپ کی اصلی اور حقیقی عظمت۔ اصلی اور حقیقی ہنرمندی۔ اصلی اور حقیقی دولت کا اندازہ بے یوروپ گئے نہیں ہو سکتا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ صدہا ہزارہا انواع و اقسام کے کارخانے۔ وہ صدہا ہزارہا انواع و اقسام کی کلیں وہ صدہا ہزارہا عالی شان عمارتیں سڑکیں پل۔ ٹنل (سرنگ) انڈر گراونڈ (زیر زمین) ریلوے ڈاکس۔ اسٹیمرز (جہاز) مارکٹس (بازار) پیلسز (ایوان) پارکس گارڈنز (باغ) میوزیمز (عجائب خانے) چرچز (گرجا گھر) اور کیا

[1] چند در چند ۱۲ [2] سمیٹے جاتے ہیں ۱۲

اور کیا۔ کیونکر ہندوستان میں اُٹھکر آجاتیں کہ ہم اُنکو دیکھیں۔ مگر جسقدر یہاں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اِس سے تو اتنا تو کوڑ مغز سے کوڑ مغز اور متعصب سے متعصب کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہم کسی دنیاوی بزرگی میں انگریزوں کے ساتھ لگا نہیں کھا سکتے۔ اچھا اب دوسری بات ہمکو یہ دیکھنی ہے کہ انگریزوں میں یہ ہنرمندی یہ صناعی یہ قوت ایجاد آئی تو کہاں سے آئی اور کیونکر آئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزوں کے سارے کمالات اِس ایک صفت پر متفرع ہیں کہ سب کے سب بڑی سرگرمی کے ساتھ واقعات نفس الامری کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں یعنی اِن کی طبائع میں قوۃ استقراء بالنسبۃ الی سائر الناس (جزئیات سے کلیہ قاعدہ بنا لینے کی قوت بہ نسبت اوروں کے) غالب ہے۔ اور ہو نہو لوکل سرکمسٹانسز یعنے مقامی حالات نے انکے اِس حس (حواس) کو تیز کیا ہو گا۔ نسسٹی از دی مدر آف انونشن (ضرورت مادر ایجاد) ان کی سرزمین ضروریات زندگانی کے مہیا کرنے کے قابل نہ پہلے تھی اور نہ جیسی چاہیئے اب ہے۔ آیندہ کسی تدبیر سے ضروریات زندگانی کیسی اگر خود شجرۃ الحیات (درخت زندگی) ہی اس سرزمین میں پیدا ہونے لگے تو عجب نہیں۔ کارخانۂ دنیا کا انتظام اسی قاعدے پر مبنی ہے کہ مخلوقات میں جسقدر جسکی ضرورتیں اُسیقدر ڈل (کاہل) اور ضعیف العقل۔ اگر انسان گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھر لیا کرتا اور گرمی سردی برسات سے متاذی[1] نہوتا تو ایک گدہے جتنی عقل اسکو کفایت کرتی اور اتنی ہی اسکو ملتی بھی۔ مگر نیچر (فطرت) نے ایک طرف انسان کو ساز و سامان زندگی کے عطا کرنے میں مضایقہ کیا تو دوسری طرف عقل سے اسکی تلافی کر دی۔ اگر یہ استدلال صحیح ہے تو ایشیاٹک[2] قومیں خلقۃً اہل یوروپ کے مقابلے میں کاہل الگ[؟] کم عقل ہیں۔ میں شاید اپنے بیان کے قصور کی وجہ سے اپنا ما فی الضمیر[3] اچھی طرح آپ صاحبوں کے ذہن نشین نہیں کر سکا۔ ٹوپی موریلین (زیادہ وضاحت کے ساتھ) میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ قوم کو ایسی تعلیم دینی چاہتے ہیں کہ اسکے ذریعے سے قوم کی حالت درست ہو جیسی کہ اہل یوروپ کی ہوئی تو یہ مشکل آپ کی نصب العین (آنکھ کے سامنے) رہنی چاہیئے کہ میری سمجھ کے مطابق قوم کی طبیعت میں اُسکا تقاضا مُضمر نہیں یا اگر ہے تو اسقدر ضعیف ہے کہ اسکو قوی کرنا ویسا ہی دشوار ہے جیسا کہ نئے تقاضے کا طبیعت میں پیدا کرنا تعلیم مروجہ سے چاہے وہ سرکاری کالجوں کی ہو یا علی گڈہ محمڈن کالج کی مجھکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِس مشکل کو اس وقت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا جسکی وہ مستحق ہے۔ علیگڈہ محمڈن کالج کو سرکاری کالجوں پر کچھ مزیت ہے۔ بورڈروں کا بڑا اہتمام ہے مسلمانوں کے تالیف قلوب کی بھی کچھ رعایت کی گئی ہے۔ مگر اِن باتوں کو نفس تعلیم میں جسپر میں بحث کر رہا

---

[1] اذیت پانے والا ۱۲ [2] ایشیائی ۱۲ [3] دلی بھید ۱۲ [4] طالب علم ۱۲

ہوں کچھ مدخل نہیں - جہاں تک مجھکو علم ہے علیگڈھ محمڈن کالج کی جماعتوں کا سٹینڈرڈ اور سرکاری کالج کی سٹینڈرڈ نہ صرف یکساں بلکہ متحد ہے - پس تعلیم مروجہ تمام برٹش انڈیا میں قریب قریب ایک ہی طرز کی ہے - اس طرز پر جتنے لوگوں نے آجتک تعلیم پائی ہے انکا مجموعی شمار بھی کچھ ایسا کم نہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ملک کی حالت پر خود تعلیم یافتہ لوگوں کے مائینڈز (دلوں) پر اس تعلیم کا کیا اثر مفید مترتب ہوا ایک کا جواب ہے نل (نہیں) دوسرے کا نن (کچھ نہیں) برٹش انڈیا ماشاء اللہ اتنا بڑا وسیع اور آباد ملک اور مدتوں سے تعلیم کا چرچا لیکن کوئی صاحب مہربانی فرماکر بتائیں کہ شروع سے لیکر آجتک کسی پاس شدہ اسٹوڈنٹ نے کسی قسم کی کوئی کل نکالی ؟ کسی چیز کی کان دریافت کی ؟ فلاحت کے پرانے دقیانوسی دستوروں میں کسی دستور کو بدلا ؟ حیوانات میں سے کسی حیوان کی نسل کو درست کیا ؟ اپنے بھائی بندوں میں ڈومسٹک اکانومی (خانہ داری میں کفایت شعاری) پھیلائی ؟ لوگوں سے سینیٹری رولز (صفائی کے قاعدے) کی تعمیل کرائی ؟ تجربہ و استقرا کرکے موالید ثلثہ میں سے کسی ایک چیز کا کوئی نیا خاصہ تحقیق کیا ؟ کوئی سی دو چیزوں میں علاقہ علتہ و معلولیتہ ثابت کر دکھایا ؟ یہ نہ سہی اپنی ایجوکیشن (تعلیم) سے کسی اور طور پر پبلک کو نفع پہونچایا ہو تو بتاؤ ازبرائے خدا بتاؤ کہ ذرا ہمارا بھی جی خوش ہوجائے - پبلک کو نفع پہونچانا تو درکنار ابھی سے لوگوں نے جھینکنا شروع کردیا ہے اور ابھی جھینکیں گے کہ تعلیم مروجہ سے خود پڑھنے والوں کی کاربرآری نہیں ہوتی اور واقع میں یہ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ اونچی دوکان پھیکا پکوان سرکاری نوکری کے علاوہ اور ہیں بھی کس مصرف کے - اور اگر ان کو نوکری نہ ملے اور نہ ملنے کے احتمالات زیادہ اور قوی تر ہیں تو یہ بیچارے مصیبت کے مارے روٹیوں کو محتاج معاش سے تنگ مرتا کیا نہ کرتا عذاب ہوں گے اپنے حق میں - اپنے خاندان کے حق میں سوسائٹی کے حق میں - اور گورنمنٹ کے حق میں *

اب میں اپنے خیال کے مطابق یہ بات دکھانی چاہتا ہوں کہ تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کسر ہے اسمیں اتنی ہی کسر ہے کہ ادھوری اور ناتمام ہے - میں اسوقت کے تعلیم یافتوں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں انکو ہر طرح کی تحسین و توقیر کا مستحق جانتا ہوں اور ہر چند ساری عمر میں نے بھی بھی پاپڑ بیلے ہیں - مگر میں صاف دل سے انکو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں - میری طالب علمی کے زمانے میں تو بی - اے - اور ایم اے کے کچھ بکھیڑے تھے نہیں اور خدا نے مجھکو اس دردسری سے بچایا ہے کہ اپنے نام کے ساتھ کسی خطاب کا

ل طالب علم ۱۲

وم چھلا لگاؤں لیکن میں اِس کا معترف ہوں کہ اگر مجھ سے ایسے کڑے امتحان لیے گئے ہوتے تو میں ضرور
فیل (ناکامیاب) ہوتا۔ میری طبیعت ہی خدا نے ریاضی کے مناسب نہیں بنائی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ
جس زمانے میں ڈفرنشل اینڈ انٹگرل کیلکیولس پڑھتا تھا اقلیدس کے ابتدائی مقالوں کے نئے دعوؤں اور جبر
ومقابلے کی مشکل مساواتوں کو حل نہیں کر سکتا تھا۔ کیا یہ بے مناسبتی اِسبات کی دلیل نہیں ہے کہ میرا دماغ
میرا حافظہ۔ میرا ذہن یعنی میں پورا اور پکا مسلمان ہوں۔ ہاں تو غرض یہ ہے کہ مجھکو تعلیم مروجہ کے نقصان دکھانے
منظور ہیں۔ تعلیم یافتوں کی اہانت مقصود نہیں۔ تو کوئی تعلیم یافتہ اِس سے بُرا نہ مانے کہ میں تو آجکل کے
بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ کو بھی اِس مثل کا مصداق سمجھتا ہوں۔ جیک آف آل اینڈ ماسٹر آف نن (سب
کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے) انسان کے مائنڈ (دل) کا حال بھی قریب قریب اُسکے معدے کا سا ہے
اگر کوئی شخص اوپر تلے اناپ شناپ کھانا ٹھونستا چلا جائے تو نہ معدہ اُسکے ہضم پر قادر ہوگا اور نہ کھانا لگنا
بدن کرے گا۔ اسیطرح اگر کوئی طالب العلم پڑھتے ہیں اور کریمنگ (طوطے کیطرح سے حفظ کرنا) کرتا جائے
جیساکہ آجکل ہو رہا ہے یقیناً وہ اسکو ڈائجسٹ (ہضم) نہیں کر سکیگا۔ اور نہیں کر سکتے۔ اور نہ ایسا پڑھنا اسکے
لیے مفید ہوگا۔ اور نہیں ہوتا۔ کسیکا کیا اچھا مقولہ کبھی کا نظر سے گزرا ہوا یاد ہے "سم تھنگ آف ایوری
تھنگ اینڈ ایوری تھنگ آف سم تھنگ" (یعنی ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اور کوئی چیز ساری بھی) اب مجھ
سے پوچھتے ہو تو تعلیم میں اِس قاعدے کی حرفاً حرفاً تعمیل ہونی چاہیئے۔ طریقۂ مروجہ میں سم تھنگ آف
ایوری تھنگ (ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا) کا نباہ تو خوب کیا جاتا ہے مگر ایوری تھنگ آف سم تھنگ (کوئی
چیز ساری بھی) کا مطلق خیال نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اِس طریقے کے مطابق جتنے لوگوں نے تعلیم پائی اِن
میں کوئی شخص کسی شعبے کا کامل فن ہو اصطلاح فی المثل درخت مثمر کی رسیدگی کا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس سے
پہلے اُسمیں پھل نہیں آتا۔ اسیطرح درخت علم کو بے کمال کے رسیدگی نہیں ہوتی۔ اور نہ اِس سے کسی فائدے
کی امید کیجا سکتی ہے علم شئ بہ از جہل شئ کے اعتبار سے دیکھو تو ادنٰے سے ادنٰے درجے کی تعلیم بھی
خالی از منفعت نہیں مثلاً گروہِ کاشتکاران اگر اتنا لکھنا پڑھنا اور لیکھا کرنا سیکھ لیں کہ پٹواری مغالطہ دہی
اور زر طلبی اور زیادہ ستانی نہ کر سکے تو اِس سے کسکو انکار ہے کہ اتنی ہی استعداد علمی کاشتکار کے لیے مفید ہوگی

ف ریاضی میں جبر و مقابلے سے اونچے شعبے کا نام ہے اور اُس کا ترجمہ کلیات و جزئیات سے کرتے ہیں ۱۲ مصنف

حساب ۱۲

اور کون کہتا ہے کہ کاشتکاروں کو اسقدر تعلیم جسکے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دیجائے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے
کہ اگر ہندوستان کو یوروپ کیطرح ترقی دینا منظور ہے تو آیا ویسی ترقی اور ویسی کا کیا مذکور ہے اُسکی آدھی
پاؤ بھی اس تعلیم کے ذریعے سے ہو سکے گی یا نہیں۔ مجھکو اسکا کامل اذعان[1] ہے کہ جب تک علوم جدیدہ کے
ہر شعبے کے کامل فن تیار نہوں گے۔ ہندوستان حضیض[2] نکبت سے ایک انچ کی قدر بھی تو اوپر کو نہیں اُبھر
سکتا۔ اور جب ہمارے طالب العلم کمال فن کی لذتوں سے آشنا ہوں گے تو سمجھیں گے نوکری کتنی ہی بڑی
کیوں نہو خسیس ترین منفعت ہی جسکی ایک کامل فن توقع کرسکتا ہے۔ جو لوگ اسوقت علوم جدید کے حاصل
کرنے میں مصروف ہیں۔ اِنکے بزرگ۔ اِنکے خیر خواہ۔ انکے استاد۔ انکے ممتحن بُہتیری نصیحتیں اُنکو کرتے
ہونگے۔ میں ایک اجنبی آدمی ہوں نہ کچھ غرض نہ مطلب حسبۃً للّٰہ[3] ایک نصیحت میں بھی کیے دیتا ہوں یاد
رکھوگے تو یاد کروگے ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی ٭ کس بے کمال ہیچ نیرزد عزیز من

تعلیم مروجہ کا ایک نقصان[4] اور۔ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ نہیں بلکہ حُجَّتِیْ (اور میں اپنی حجت تمپر تمام کرچکا)
ہندوستانیوں کی طبیعتیں خلقۃً کالنسر و ٹیو (پرانی باتوں پر قائم رہنے والی) واقع ہوئی ہیں۔ یہ نقال ہیں
نہ موجد۔ نواح دہلی میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار برس پہلے کی عمارتیں موجود ہیں۔ اُنپر چھکڑوں اور رہلوں
کی تصویریں بنی ہیں وہ حال کے چھکڑوں اور رہلوں سے اسقدر مشابہ ہیں کہ گویا ان ہی کو دیکھکر بنائے گئے ہیں
اس سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ باوجودیکہ چھکڑا اور رہل روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ مگر کسیکا ذہن منتقل
نہیں ہوا کہ ان میں ایک کیل یا ایک کانٹا گھٹا تا بڑھاتا۔ پس بدون پریکٹکل سائنس (حکمت عملی) کے ہرگز توقع نہیں
کہ ہندوستانی ٹس سے مس کی لیں۔ یہ تو ایسے احدی بنے ہیں کہ لادو لدادو لادنے والا ساتھ دو تب کہیں
جگہ سے ہلیں تو ہلیں۔ تعلیم ہی کا ضمیمہ بلکہ ایک اعتبار سے اُسکا مقدمہ زبان ہے۔ علوم جدیدہ کا ضروری
ہونا اب باجماع قوم مسلم ہوچکا ہے ولایت میں پیدا ہوئے اور وہیں اُنکا توالد تناسل جاری ہے اُنکی مادری
زبان البتہ اُسی ملک کی زبان ہے اور ہونی چاہیئے۔ ہم لوگوں کو تو فضول و لایعنی مباحثات میں بڑا مزہ ملتا
ہے۔ مدتوں لوگ اِسی بات میں جھگڑتے رہے کہ علوم جدیدہ کو انکی اصلی زبان میں سیکھنا چاہیئے یا ترجمے کے ذریعے
سے اپنی بولی میں۔ بہتوں کی یہی رائے تھی اور بعض کی اب بھی ہے کہ انگریزی اجنبی زبان ہے کہ اسکے سیکھنے

[1] یقین ۱۲ [2] پستی آفلاس ۱۲ [3] خدا کے واسطے ۱۲ [4] مطلب یہ ہے کہ تعلیم مروجہ کا ایک نقصان اور سنو ۱۲

میں بڑی دِقّت ہے۔ یہ لوگ قومی خیرخواہی کے جوش میں اسقدر مستعجل تھے کہ زبان انگریزی کے سیکھنے تک
صبر نہیں کرسکتے تھے مارے گھبراہٹ کے اُنہوں نے ترجمے کی مشکلات پر مطلق نظر نہ کی۔ اُنہوں نے دیکھی تھی
شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب کی اردو کی یوکلڈ (اقلیدس) اُردو کا
الجبرا (جبر و مقابلہ) کہ اے کی جگہ الف اور بی کی جگہ ب۔ ایکس کی جگہ لا۔ اور وائی کی جگہ ی۔ رکھدینے
سے خاصی طرح کام چلتا ہے۔ سمجھے کہ لوگوں کو انگریزی کے انتظار میں جھُلانا کیا ضرور۔ باٹنی (علم نباتات)
یا کمسٹری (علم کیمیا) کا کوئی چھوٹا سا رسالہ لیکر بیٹھتے اور ایک دو چیپٹر (باب) کا ترجمہ کرتے تو حقیقت کھُلتی
کہ علوم جدید کا اردو میں لانا جوئے شیر کا لانا ہے۔ یہ لوگ اپنی رائے کی تائید میں یونانیوں اور اہل عرب
اور انگریزوں کے شواہد پیش کرکے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب جب کسی قوم نے علم میں ترقی کی ہے اپنی ہی
زبان کے پڑھنے سے کی ہے۔ ہم ایسے ڈھکوسلے نہیں سنتے۔ جن قوموں سے استشہاد[له] کرتے ہو اپنی ترقی
کے زمانے میں حکمران بھی رہے ہیں۔ ہمکو ایسی قوم کی نظیر دکھاؤ۔ جو ہماری طرح فارنرز (اقوام اجنبی) کی
محکوم رہی ہو۔ میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ ہم ہندوستانیوں کو انگریزی کا سیکھنا دشوار ہے اور ہماری
اور انگریزی کی کچھ خصوصیت نہیں ہر شخص کو فارن لینگوج (اجنبی زبان) کا سیکھنا دشوار ہوتا ہے
انگریزوں پر ہی نظر کرو۔ کہ پچیس پچیس ۲۵ تیس تیس ۳۰ برس اس ملک میں آکر رہتے اور ہمہ وقت گھر پر کچہری میں
اردو کے الفاظ سنتے باایں ہمہ شاذ و نادر کوئی انگریز ہوگا بلکہ تلفظ کے اعتبار سے تو میں کہہ سکتا ہوں
کہ ایک بھی نہیں جو ہم ہندوستانیوں کیطرح اردو کا ایک چھوٹا سا جملہ بھی بول سکے۔ میرے ایک بڑے
معزز دوست جو ولایت میں رہ آئے ہیں بیان کرتے تھے کہ ایک صاحب پنشنر کسی کلب میں اپنے دوستوں
کے روبرو بیان کر رہے تھے کہ ہندوستان عجیب ملک ہے اور سب سے زیادہ عجیب اُسکی زبان ہے کہ ایک لفظ
کے کئی کئی معنے مثلاً "چہا" (ٹی - چاء) "چھا" (فور - چار) "چاہا" (ول - کنواں) "چاہا" (ڈزایر - خواہش) - "چہا"
(اے کائنڈ آف برڈ - چہا) "چھا" (ٹو کور - چھانا) "اچھا" (وکڈ لے سلانٹ ڈ ٹرلش - کھٹوڑے سے اختلاف)
(پکل - اچار) اینڈ گڈ - اچھا۔ لیکن فارن لینگوج (اجنبی زبان) میں جو دشواری ہوتی ہے کمال زباندانی کی
ہوتی ہے۔ جتنی انگریزی علوم کے سمجھنے کو درکار ہے میرے نزدیک چنداں مشکل نہیں۔ میں نے ترجمے کا
کام کیا ہے اور مجھکو اردو کی وسعت معلوم ہے۔ میری ہمت تو تصور کرتی ہے کہ انگریزی کی کسی علمی کتاب کا

له طلب شہادت ۱۲

ترجمہ کروں ⁂

میر انشا اللہ خاں جہاں اور مسخراپن کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اُنکے سر میں یہ خبط سمایا کہ لاؤ عربی کے منطق کو اردو کریں تو مصطلحات کے کیسے کیسے ترجمے مغز سے اُتارے ہیں موجبہ کلیہ پورا جوڑ۔ سالبہ کلیہ پورا توڑ۔ عموم وخصوص مطلق اکہری اونچ نیچ عموم خصوص من وجہ دوہری اونچ نیچ وقس علیٰ ذلک[۵۱] میں نہیں سمجھتا کہ انگریزی کے مصطلحات العلوم کا کسی سے ایسا بھی ترجمہ ہو سکے۔ بھلا مصطلحات جوں توں کر کے گھڑے بھی تو آلات اور کلوں کے کیل پرزوں اور چیزوں کے ناموں کا کیا علاج۔ آخر اُنکو تو چار و ناچار ہُوبہُو[۵۲] کہنا ہی پڑے گا۔ پھر طرز کتابت ما شاء اللہ ایسا عجیب کہ انگریزی پرونسی ایشن (تلفظ) کی کسیطرح اسمیں کھپت ہی نہیں۔ الغرض جس شخص نے انگریزی علوم کو اردو کرنے کا ارادہ کیا ع

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

میں سمجھتا ہوں کہ ترجمے سے زیادہ تو یہ آسان ہے کہ کہیں سے کوئی میجک وانڈ (جادو کی چھڑی) ہاتھ آجائے تو لنڈن کو ہی یہاں اُٹھا لائیں۔ میں ترجمے کا کچھ اسوجہ سے مخالف نہیں ہوں کہ ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ تاہم میں انگریزی علوم کا انگریزی ہی زبان میں پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ انگریزی ایسی بُری طرح پنجے جھاڑ کر ہمارے پیچھے چمٹی ہے کہ اب اِس سے تحرز[۵۳] ممکن نہیں ع

ورنہ ستانی بہ ستم میرسد

دیو اسلائی کے بکس پر۔ چاقو پر۔ مقراض پر۔ پنسل پر۔ قلم کے ہولڈر پر۔ نبز[۵۴] پر۔ خط لکھنے کے کاغذ پر۔ لفافے پر۔ کارڈ پر۔ غرض ہر انگریزی چیز پر۔ کسی انگریزی آفس مثلاً ریلوے اسٹیشن میں جاؤ تو دروازے دروازے پر۔ ریل کی گاڑیوں پر۔ جدہر دیکھو انگریزی منی آرڈر۔ ٹیلیگرام۔ ویلیو پے ایبل پارسل بلٹی سب کے فارم انگریزی بہلا یہاں تو انگریزی عملداری ہے۔ انگریزی جسقدر پاؤں پھیلائے اُسکا گہر ہی تعجب سخت تعجب کی بات تو یہ ہے کہ روم اور فارس کے اخباروں میں اسقدر انگریزی الفاظ ہوتے ہیں یا فرانسیسی کہ وہ بھی انگریزی کے قریب قریب ہے کہ جسکو انگریزی نہیں آتی اِن اخباروں کو سمجھ نہیں سکتا۔ حضرت شاہنشاہِ ایران سیر انگلستان کو تشریف لے گئے تھے حضرت کا روزنامچہ شاید فارسی کے

[۵۱] اسیطرح اوروں کو قیاس کرلو ۱۲ [۵۲] وہی بجنسہ ۱۲ [۵۳] پرہیز ۱۲ [۵۴] قلم آہنی ۱۲

کورس میں بھی داخل ہے۔ اسکا بھی وہی حال ہے۔ جو خاص طہران کے اخبار فارسی "اختر" اور جو خاص قسطنطنیہ کے اخبار عربی "الجوائب" کا ہے ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

تو جب ہمکو انگریزی چار و ناچار سیکھنی ہے۔ کیا فائدہ کہ علوم انگریزی کو اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کا قصد کریں جبکہ اس قصد کا انجام معلوم ہے ٹوٹل فیلیور (ناکامی محض)

ہرچند مینے آپ صاحبوں کی سامعہ خراشی بہت کی اور سکیولر ایجوکیشن (دنیوی تعلیم) کے متعلق جو کچھ مجھکو کہنا تھا کہہ چکا۔ لیکن مجھکو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا چاہیئے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں ہو۔ اگر مذہبی تعلیم محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے پروگرام میں داخل ہے تو میں سمجھتا ہوں سکنڈری[1] کو تسچن کے طور پر ہوگی۔ جیسے طالب العلموں کے کورس میں سکنڈ لینگوج[2]۔ یعنی کانگرس کا اصلی مطلب تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم کی اصلاح ہو۔ مگر دیکھتے ہیں کہ دنیاوی تعلیم کا پہیہ مذہبی تعلیم کی گاڑی کے بدون آسانی اور تیزی کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ ناچار مذہبی تعلیم کو بھی اپنے نامۂ اعمال میں بڑھا لیا ع

این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میرے نزدیک کانگرس کی کارروائی ناقص ہے۔ اور اسکی تدبیر ناکافی مسلمانوں کی دنیاوی تعلیم سے کئی درجے بڑھکر ان کی مذہبی تعلیم محتاج اصلاح ہے۔ مذہب اسلام ایبسٹریکٹ[3] ریلیجن نہیں ہے کہ اسکو دنیاوی اموسے کچھ سروکار نہو۔ شارع اسلام آتاہُ اللہُ الفضیلۃَ والدرجۃَ الرفیعۃَ (اللہ اُنکو بزرگی اور بہت عالی درجہ دے) ہمکو ایک کوڈ (مجموعۂ قوانین) حوالہ کر رہے ہیں کتابُ اللہ مُدَوَّنٌ بین الدَّفَّتَین (اللہ کی کتاب دو دفتیوں کے بیچ میں) جو مشتمل ہے معاش اور معاد۔ اور اوامر[4] اور نواہی[5] اور معتقدات اور عبادات اور معاملات اور اخلاق اور آداب معاشرت اور سیاست مدن[6] اور سیاست[7] منزل۔ اور تاریخ۔ اور مواعظ سب پر لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ (کوئی تر و خشک نہیں مگر قرآن میں ہے) اب میں سب سے پہلے اُن مسلمانوں سے جنکا رواں رواں فوارۂ حمیت اسلامی ہے پوچھتا ہوں

---

[1] سکنڈری ثانوی ۱۲ [2] سکنڈ لینگوج دوسری زبان۔ مطلب یہ ہے کہ مثلاً جن لوگوں کو انگریزی زبان میں امتحان دینا منظور ہوتا ہے وہ مجبور کیے جاتے ہیں کہ کسی ایک دوسری زبان میں بھی امتحان دیں مثلاً عربی یا سنسکرت وغیرہ تو اس صورت میں عربی یا سنسکرت کو سکنڈ لینگوج کہیں گے ۱۲ [3] ایبسٹریکٹ یعنی جس کو اعمال سے تعلق نہو صرف معتقدات ۱۲ [4] جمع امر بمعنی حکم ۱۲ [5] جمع نہی بمعنی منع ۱۲ [6] انتظام ملکی ۱۲ [7] انتظام خانہ داری ۱۲

کہ تم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فی عمر ھذا ایک بار کتاب اللہ کو شروع سے آخر تک سمجھ کر پڑھا۔ تم کہو نسو میں ایک
میں کہوں گا۔ ہرگز نہیں۔ تم کہو ہزار میں ایک۔ میں کہوں گا ہرگز نہیں۔ تم کہو دس ہزار میں ایک۔ میں کہوں گا
نہیں۔ اسیطرح تم بڑھتے جاؤ اور میں نہیں کہتا جاؤں۔ یہاں تک کہ تم کہو پچاس ہزار میں ایک۔ میں کہوں گا شاید
میں نہیں سمجھتا کہ اسکے بعد بھی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم میں مجھ کو کسی اور نقصان کے بیان کرنے کی ضرورت باقی ہو
کیسی تعلیم اور کہاں کی تلقین۔ سرے سے اُن کے مذہب کی بُنیاد ہی درست نہیں۔ ع

وہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہے گریباں سے

خاص خاص لوگوں کا مذکور نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کے عام مسلمانوں کے حالات سے بحث کی جاتی ہے
غور سے دیکھو تو اِن کے دین کا ماخذ ہے۔ رسم و رواج باپ دادوں کی تقلید پیشواؤں کا فرمودہ اور یہ ہی
عادتیں ہیں جنپر قرآن میں جگہ جگہ یہود کو ملامت کی گئی ہے۔ ایک شخص جسکو واقع میں اپنے اسلام پر ناز ہے
وہ مسلمان ہے۔ مگر کیوں؟ اس سبب سے کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوا اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں ہے۔ باوجودیکہ
قرآن جیسی کتاب مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور اُس میں فطرت بشری کے لحاظ سے خلاق کا سٹینڈرڈ
(درجہ) بہت ہی ہائی (اونچا) رکھا گیا ہے۔ مگر چونکہ عام مسلمان اسکو سمجھ نہیں سکتے اس کی عمدہ تعلیم سے
متاثر نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اِن کے معاملات اور عادات بیدین لوگوں کے معاملات اور عادات کی
طرح خراب ہیں۔ اسلام میں بہترین عبادات نماز ہے اور وہ عربی زبان میں ادا کی جاتی ہے میری سمجھ میں
نہیں آتا کہ جو شخص تکبیر و تہلیل و تسبیح تک کے معنے نہیں سمجھتا۔ کیونکر دل کو خدا کی طرف متوجہ کر لیتا ہوگا اپنا
حال تو یہ ہے کہ عربی سمجھنے پر حضور قلب نصیب نہیں ہوتا ؎

تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی ❖ بجز دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

علمائے دین تو خدا جانے کیا فتوے دیں۔ میں ایک دنیا دار آدمی ہوں وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ
(میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جاے گا اور نہ معلوم کہ تم کو کیا پیش آئے گا) مگر دیکھتا ہوں
کہ ادھر قانون مشتہر ہوا اور اُسیوقت فرض کر لیا گیا کہ نزدیک و دور۔ شہری و دیہاتی مقیم و مسافر۔ خواندہ و ناخواندہ
سب کو اُس سے آگہی ہو گئی۔ اِسی پر قیاس کر کے میری رائے یہ ہے کہ کوئی مسلمان فہم قرآن کی ذمہ داری
سے سبکدوش نہیں۔ بھلا جاہل تو جاہل جو لوگ لکھے پڑھے ہیں وہی کون سے اِسکے اہتمام میں لگے ہیں
دنیا کے خسیس اور بے ثبات منفعتوں کی موہوم توقع پر انگریزی سیکھیں۔ قانون یاد کریں اور ایسی ایسی

زحمتیں اُٹھائیں کہ جب تک جئیں تندرستی کو روتے رہیں۔ ذرا تو اپنے دل میں انصاف کرو کہ کبھی کلام اللہ
کو شغلے کے طور پر چند منٹ کے لیے لیکر بیٹھتے ہو۔ کہ لاؤ بھائی ہمارا دین ایمان ہے زیادہ نہیں تو ایک ہی دفعہ
شروع سے آخر تک دیکھ تو لیں کہ اس میں کیا لکھا ہے ماقدروا اللہ حق قدرہٖ انہوں نے نہیں سمجھا
جیسے کرنی چاہیے تھی اللہ کی قدر۔ کہ مجھکو مسلمانوں کی بے مبالاتی[۱] پر ذرا بھی تعجب نہیں آتا ؎

ورنہ سزاوار خداوند بیش ✣ کس نتواند کہ بجا آورد

مگر جیسا میں اُنکو اپنے اسلام پر نازِ بیجا اور دوسرے مسلمانوں کی توہین کرتے سنتا ہوں۔ بیشک سخت
تعجب کرتا ہوں۔ بھائیو اس زمانے میں کیسا دین اور کہاں کا اسلام مسلمانان درگور مسلمانی درکتاب
اب تو امتیاز قومی رہگیا ہے۔ اور اتنا بھی ٹھہرا ہے تو غنیمت ورنہ عام انگریزی خوانوں کی طبیعت کا رجحان
دہریت اور لا مذہبی کی طرف ہے نہ تحقیق و تفتیش کی وجہ سے۔ بلکہ استخفاف[۲] و استہزا[۳] کے سبب۔ ہاں تو
غرض یہ ہے کہ قرآن جو اصل دین ہے بہت ہی تھوڑے مسلمان اسکو سمجھتے ہیں۔ اسکا بڑا سبب اور سبب
نہیں بلکہ حیلہ جو مسلمانوں نے اپنے نزدیک ٹھہرا رکھا ہے یہ ہے کہ اسکی زبان عربی ہے اور وہ آسانی سے
آ نہیں سکتی۔ بے شک مسلمان قرآن کو اتنا عزیز رکھتے ہیں کہ جنکو اور زیادہ علم حاصل کرنا منظور نہیں ہوتا وہ
بھی کم سے کم قرآن ناظراں ضرور پڑھ لیتے ہیں اور علی الاکثر[۴] قرآن کا ناظراں پڑھنا شرط اسلام سمجھا جاتا
ہے۔ علاوہ بریں مسلمانوں کو قرآن کے زبانی یاد رکھنے کا اسقدر شوق ہے کہ کسی دوسری قوم میں اسکی
نظیر نہیں۔ معتقدات اہل اسلام کی رو سے قرآن کا زبانی یاد رکھنا فی نفسہٖ اعلےٰ درجے کی عبادت ہے۔ اے
کاش یہ شوق فہم معنی کی طرف متوجہ ہو تو مسلمان پکے رجسٹرڈ مسلمان ہو جائیں۔ دیندار۔ خدا ترس۔ خوش خلق
راست باز۔ نیکدل۔ خدا کے اچھے بندے۔ حاکم وقت کی اچھی رعایا۔ سوسائٹی کے اچھے ممبر۔ قرآن کا عربی ہونا
اسکے نہ سمجھنے والوں کے لیے عذر ہے۔ مگر سخیف۔ اگر صرف و نحو عربی کے صرف سیدھے سادے کثیر الاستعمال
مسائل پڑھائے جائیں تو میرے نزدیک جتنے دنوں میں ایک متوسط الذہن لڑکا قرآن حفظ کرتا ہے اتنے
دنوں میں قرآن کے سلیس جملوں کو متعلق عبارۃ سمجھ لینے پر قادر ہو سکتا ہے۔ بھلا کوئی اسکو اپنی جگہ آزما کر
تو دیکھو۔ خدا معقول کو شرمائے۔ آپ تو بگڑے ہی تھی بے موقع بے محل منقولات میں دخل دیکر انکو بھی
غارت کیا۔ منطقیانہ لایعنی کٹھ حجتوں کے ڈر کے مارے کوئی صرف و نحو کے پاس نہیں جاتا کہ کون جھیلے۔

[۱] بے پروائی ۱۲ [۲] خفیف سمجھنا ۱۲ [۳] تمسخر کرنا ۱۲ [۴] کثرت سے ۱۲ ✣

ہرچند علوم قدیمہ کے مرگ طبعی کا وقت آلگا تھا مگر ہم سمجھے تھے کہ یہ گراں جان کہیں مدتوں میں سسک سسک کر مرے گا۔ اب اسقدر جلد مرگیا تو اس کی یہ وجہ ہوئی کہ احمق سلنے دروازے پر صرف و نحو کے دو پاسبان بٹھائے تھے اُن کی بے جا روک ٹوک سے کوئی خبرگیر بیمار تک نہ پہونچ سکا۔ خیر علوم قدیمہ مرے تو از کار رفتہ تھے۔ عذاب ٹلا۔ یہ کیسی خرابی کی بات ہی کہ انہی دو پاسبانوں کی سختی کی وجہ سے مسلمان کلام الٰہی کے فیضان سے محروم ہیں۔ فہم قرآن کا ایک آسان طریقہ ہے ترجمہ۔ امام ابوحنیفہ رح نے تو فارسی میں قرآن تک کی اجازت دے دی تھی۔ مگر میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ تک گناہ ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں معجز بیانی آنہیں سکتی۔ اردو فارسی کے ترجمے دیکھے پھیکے۔ بدمزہ۔ بے رونق۔ ان میں سے اصلی قرآن کی سی چستی اور برجستگی اور متانت اور قوۃ اور فصاحت اور بلاغت اور تاثیر کا کہیں پتہ بھی نہیں ملا اور بجائے اسکے کلام الٰہی کی عظمت ذہن نشین ہو۔ ترجموں سے توبہ توبہ الٹی سخافت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں بیچارے ترجموں کا کچھ قصور نہیں۔ بلکہ ترجمہ ہی فی نفسہٖ امر محال ہے۔ دوسری آسمانی کتابوں کے ترجموں کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔ اگر باب ترجمہ مفتوح ہوا تو قرآن کا بھی وہی انجام ہونا ہی کوئی اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے اپنا تو مستحکم عقیدہ یہ ہی کہ سحر کہو۔ معجزہ کہو۔ تسخیر کہو جو کچھ ہی قرآن کے لفظوں میں ہی جبتک مسلمان لفظوں کو بھولے اور بھولنے سے میری مراد ہی نہ سمجھنا۔ بس جان لینا کہ اسلام کی آب و تاب گئی ایک شخص کی طبیعت تھی ناموزون اُس نے مولوی الطاف حسین حالی کے ہم پیشہ کسی شاعر سے درخواست کی کہ اگر اصلاح دیدیا کرو تو میں بھی شعر کہنا شروع کردوں۔ شاعر کو اُس کی ناموزونی طبیعت کا حال معلوم تھا۔ کہا پہلے طبع موزون پیدا کرو۔ اسیطرح جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہے۔ پہلے فہم قرآن کی استعداد پیدا کرے اور نہیں کر سکتا تو لا اکراہ فی الدین (دین میں دباؤ ڈالنا نہیں ہی) کبیر پنتھی اور سکھ بہتیرے گروہ ہیں۔ جن میں ملکی زبان کے ذریعے سے مذہبی تعلیم ہوتی ہے۔ عربی مشکل سہی لیکن مسلمان ہی اگر اس کی روک تھام نہ کریں گے تو اس دیار اجنبی میں اسکے قیام کی کیا صورت ہے۔ درس و تدریس کے اعتبار سے علم دین کے دو بڑے حصے ہیں۔ فقہ اور حدیث۔ سو فقہ جہاں تک اس کو معاملات سے تعلق ہے اور وہ ہی مہتم بالشان ہے متفرع تھی سلطنت پر کیونکہ فقہ نہیں ہے مگر قانون اور وضع قانون اختیار لازمی سلطان وقت۔ سلطنت گئی تو آگے آگے سلطنت پیچھے پیچھے فقہ۔ اب معاملات کے بڑے بڑے فتاوے عمدہ ولیسے ہی بیکار و بے مصرف

[1] ضعف ۱۲

ہیں جیسے اب سے دو برس پہلے کی جنتریاں ہمنے مانا کہ مسلمانوں کے بعض باہمی معاملات شلاً نکاح اور طلاق اور میراث اور وصیت میں فقہ کی رعایت کی جاتی ہے مگر جب ساری کتابوں کو دیمک چاٹ گئی دو تین ورق بچے تو کیا اُن کو دیکھ دیکھ کر اودھی کر ٹھتا ہے۔ اور پھر وہ دو تین ورق بچے بھی تو انگریزوں نے ہبھا اور شہادت وغیرہ کے قوانین اور پریوی کونسل[۵۱] اور ہائی کورٹ کے نظائر[۵۲] اور کنسٹرکشن کے حواشی چڑھا چڑھا کر اصل کو مسخ کر دیا یہ ہے حقیقت فقہ کی۔ وہ انتظام دنیا کی تدبیر تھی۔ اب انتظام دنیا خدا نے دوسروں کے حوالے کیا۔ وہ تمہاری فقہ کی کچھ پروا کرتے نہیں تمکو انتظام دنیا میں دخل نہیں۔ اس پر بھی تمکو فقہ میں کوئی مفاد دکھائی دیتا ہو تو پڑھو۔ اب رہی حدیث۔ مسلمانوں کے سوا سے روئے زمین پر کوئی اور قوم نہیں جس نے اپنی مذہبی تاریخ کو ایسی تلاش اور جستجو کے ساتھ جمع کیا ہو۔ وہ بے انتہا فخر اور عزت اور قدر اور وقعت کی چیز ہے۔ جو لوگ احادیث کے اختلاف کو دیکھ کر نفس حدیث سے بدعقیدہ ہوئے جاتے ہیں اُن کو منصب محدث پر نظر نہیں ہوتی۔ محدث حقیقت میں امانت گزار ہے کہ پیغمبر صاحب کے نام سے جو کچھ اسکو جس ذریعے سے پہونچا ہے جوں کا توں دوسرے کو پہونچا دے۔ حدیث کی تنقید[۵۳] محدث ہونے کی حیثیت سے اُس کا کام نہیں۔ جمع احادیث میں ہر ایک مصنف نے ایک شان خاص اختیار کی ہے۔ جو شخص تنقید کی مشکلات سے آگاہ ہے وہی سمجھ سکتا ہے کہ متقدمین نے اس کام میں کیسی کیسی زحمتیں اُٹھائی ہیں۔ آج کسی مشہور سے مشہور شخص کی لائف لکھنی چاہو تو ایک عمر صرف کرو تب کہیں ہزار دقت میٹیریل (سامان یا مواد) مہیا ہو۔ تو اِن لوگوں کو صدہا مختلف[۵۴] الازمنہ مختلف[۵۵] الامکنہ۔ راویوں کی لائف (حالات) کے تحقیق کرنے میں کیسی کچھ جانفشانی کرنی پڑی ہوگی۔ اگر فلاح عاقبت کی دُھن نہ ہوتی تو میں نہیں سمجھتا کوئی دنیاوی بڑی سی بڑی ترغیب بھی اس کام کا سر انجام کرا سکتی۔ بہرکیف جو کچھ ہے جوہر شناس کی نظر میں بے بہا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ حدیث عہد نبوت کی نہایت عمدہ تاریخ ہے۔ میں اسکو اسوجہ اور بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن بمنزلے متن قانون کے ہے اور حدیث اسکا ضابطہ کارروائی۔ بایں ہمہ حدیث بیچاری تو ایسی کس مپرسی کی حالت میں ہے کہ مولوی بھی سب نہیں بلکہ معدودے چند جو دین کا پیشہ کرتے ہیں وہی اُسکو پڑھتے پڑھاتے ہیں ورنہ اور کسی مسلمان کو اس سے سروکار نہیں۔ ذرا مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی

---

۵۱ جو ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کو فیصلہ خصومات میں مشورہ دے ۱۲ ۵۲ تشریح ۱۲ ۵۳ پرکھ صحیح و غلط کا امتیاز ۱۲ ۵۴ مختلف زمانوں میں ۱۲ ۵۵ مختلف مکانوں میں ۱۲

کو تو دیکھو کلام خدا کے ساتھ وہ بے اعتنائی۔ قول رسول سے ایسی بے تعلقی ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ❊ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پھر ایک بڑی قباحت فن حدیث میں یہی ہے کہ احادیث کے جمع کیے جانے کے میرے نزدیک دو سبب ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہؓ کو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ محبت نہیں بلکہ عشق تھا۔ جب تک پیغمبرؐ صاحب زندہ رہے ہر وقت صحابہؓ ان کو گھیرے رہتے تھے۔ جب پیغمبرؐ صاحب نے انتقال فرمایا صحابہؓ کو ہر وقت ان ہی کی یادگار رہتی۔ دوسرے پیغمبرؐ صاحب کی حیات میں جس صحابی کو دنیا یا دین کی کوئی ضرورت پیش آتی جھٹ گیا اور پیغمبرؐ صاحب سے پوچھ آیا۔ جب پیغمبرؐ صاحب کو خدا نے اپنے پاس بلا لیا صحابہؓ کو بڑی مشکل پڑی کیونکہ اپنی ضرورتوں کے علاوہ اب پیغمبرؐ صاحب کے ذمے کا کام بھی ان ہی کو کرنا پڑا تو بات بات میں ایک سے ایک پوچھتا۔ بھلا کوئی ایسا واقعہ پیغمبرؐ صاحب کے روبرو پیش آیا تھا۔ اور حضرتؐ نے کیا فرمایا تھا۔ سلطنت پیغمبرؐ صاحب کے زندگی کے زمانے سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی تھی اور بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یہ پہلی اور شدید ضرورت جو جمع احادیث کا باعث ہوئی ملک داری کی ضرورت تھی۔ حدیث کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر احادیث احکام فقہی سے متعلق ہیں اور ان ہی احکام فقہی کے استنباط کی غرض سے ان کو جمع کیا گیا ہے۔ اور چونکہ انقلاب زمانہ نے فقہ کو بیکار کر دیا جیسا کہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی بیان کر چکا ہوں۔ تو جہاں تک احادیث کو احکام فقہی سے تعلق ہے وہ بھی ہم مسلمانان ہند کے حق میں بیکار ہیں۔ حدیث پر اگرچہ میری نظر بہت ہی قاصر و محدود ہے۔ مگر جس قدر ہے اس سے مجھ یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ حدیث کا ہیڈنگ یا عنوان یا خلاصہ مضمون جس کو اصطلاح میں ترجمہ کہتے ہیں بدلنے سے بہت سی احادیث جو اس وقت احکام فقہی سے متعلق ہیں ہماری حالت موجودہ کے مطابق بکار آمد کر لی جا سکتی ہیں۔ مگر کس میں اتنی ہمت ہے کہ تراجم الاحادیث[۵۱] کے بدلنے کا نام لے۔ اور کوئی کرے بھی تو مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے سو مسلمان ایسے شکی اور ضدی ہیں کہ ایسی کتاب کو ہاتھ بھی تو نہ لگائیں۔ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مذہب ایک سانچہ ہے جس میں دل ڈھالے جاتے ہیں۔ اور میں بالکل اس کے خلاف سمجھتا ہوں میرے نزدیک دلوں کے سانچوں میں مذہب ڈھلتا ہے۔ ایک اسلام تو اس شخص کا تھا جس نے درخت بیعۃ الرضوان[۵۲] کو اکھڑوا کر پھکوا دیا تھا۔ جس نے یہ کہہ کر حجر اسود کو ڈانٹا

[۵۱] حدیثوں کے عنوان اور خلاصے ۱۲ [۵۲] اُس بیعت کا نام ہے جو ایک خاص مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت لی تھی اس کے بعد آیت نازل ہوئی کہ خدا ان لوگوں سے راضی ہوا اس وجہ سے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہوا اور چونکہ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے واقع ہوئی تھی اس وجہ سے

انی اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انی رایت رسول اللہ صلعم قبلک ما قبلتک (میں جانتا ہوں کہ ایک پتھر ہے نہ تو نقصان پہونچا سکتا ہے نہ نفع اور اگر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا) جنے کانتا علی عہد رسول اللہ صلعم وانا احرمہما (دونوں تھے رسول خدا کے زمانے میں اور میں اُن کو حرام کرتا ہوں) کا دعوی کر کے متعۃ النکاح اور متعۃ الحج دونوں کو مناہی کر دی۔ اور ایک اسلام ہمارا ہے کہ زوال سلطنت اسلامیہ کی وجہ سے گویا مذہب کو لقوہ مار گیا ہے۔ اور آدھے سے زیادہ اسکے دھڑ میں جان نہیں۔ اتنا نہیں کر سکتے کہ بیمار کی کروٹ تو بدلوا دیں ✤

مذہبی تعلیم اور پیرے پکھر دونوں کا خاتمہ ہے۔ حدیث کی سند جسکو اجازت بھی کہتے ہیں حدیث کی کم سے کم چھ بڑی ضخیم کتابیں جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں۔ حرفاً حرفاً بسم اللہ سے لیکر تمت بالخیر تک ہر دو غایۃ مینیا میں داخل شیخ یعنے اُستاد کو سنائی جاتی ہیں۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ تلامذہ حلقہ کر کے شیخ کے گرداگرد بیٹھتے ہیں اور شیخ اور دوسرے شاگرد مستمع سبق کا تماشا قابل دید ہوتا ہے کہ کیا شاگرد کیا اُستاد ایک سے ایک مستعجل کہ جلد سے جلد اور بہت سے بہت ہو ایسی بھاگا بھاگ میں کسے فرصت کہ تصحیح الفاظ یا حل لغات یا تنقید اسناد یا تحقیق مطالب کیطرف متوجہ ہو۔ پالا چھوا چھٹی پائی۔ اتنا غنیمت ہے کہ تمام دن دوسرے درسی علوم سے فارغ ہونے کے بعد حدیث کی سند لیجاتی ہے۔ اور حدیث کے پڑھنے والے اکثر کامل الاستعداد ہوتے ہیں انکو پڑھنے کی تو حاجت ہوتی نہیں صرف ادائے رسم کے لیے سینگ کٹا کر بچھڑا بننا پڑتا ہے۔ یہ رسم نمونہ ہے مسلمانوں کے (اور مسلمان بھی عالم) مذہبی خیالات کا۔ مدتوں میری سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ حدیث کی سند کیا چیز۔ اور ایک شخص جو بے مدد اُستاد حدیث سمجھ سکتا ہے اور کوشش کرے تو سیر اور اسماء الرجال[۵۱] کی کتابوں اور شروح اور حواشی کے سہارے سے حدیث کا کھوٹا کھرا بھی پرکھ سکتا ہے پھر وہ محتاج اجازت کیوں ہے۔ ڈر کے مارے کسی سے پوچھا تو نہیں آپ ہی غور کرتے کرتے یہ بات خیال میں آئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمہ تن اور ہمہ وقت اُمت کی ہدایت میں مصروف رہتے تھے لہٰذا اُن کے تمام افعال اقوال اور حرکات کی علت غائی تھی اُمت کی اصلاح اُمت کی تعلیم اس طور پر حدیث جزو رسالت ہے اور اس کی روایت میں من جہۃ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت احادیث نبوی

[۵۱] یہ علم خاص حدیث کی پرکھ کے واسطے موضوع ہوا ہے جن سے محدثوں کے حالات ذاتی کی تشریح معلوم ہوتی ہے ۱۲

تو پیغمبر صاحب کے کہیں ڈیڑھ سو برس بعد جاکر لکھی جانی شروع ہوئیں۔ اس وقت تک روایت سماعاً عن سامعٍ ہوتی رہی اور اب تک اسی طریقہ کی تقلید ہوتی جا رہی ہے۔ ماخذ تو سمجھ میں آیا۔ مگر طریقہ درس اس وقت تک بچوں کا کھیل ہی معلوم ہوتا ہے؁

تتمّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسدس

خود اپنا تصنیف کیا ہوا مشمولہ قصہ مبتلا جس کو مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب نے حسب درخواست جناب خان بہادر سردار محمد حیات خاں صاحب صدر انجمن و سر سید احمد خاں صاحب سکرٹری کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانگریس منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۸ء میں بمقام لاہور اپنے لکچر کے بعد پڑھا۔

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے — ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہی نہ رات ہے — جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہی موت تاک لگائے کمین میں
لیجائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ مت مستند زندگی مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دیندار رہ امیدوار رحمت پروردگار رہ
کس نے کہا ہے تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا اصحاب کا ائمہ عالی مقام کا
سرکردہ تھے[1] امت خیر الانام کا سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا
ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[1] ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل گر نشو گھروں میں دیکھو تو نہ ناداسے رذیل
روٹی کی باعث ازار مشقت ہوتی سبیل کپڑے کے واسطے وہی ستار ہی کفیل
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال افلاس ہے مقدمہ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انسان کو پائمال ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اسکے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی سمجھا کہ یہ جہاں ہے جہان گزشتنی
کٹے دن کی زندگی کے لیے اتنی سرزنی اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی
ایسا بزرگ شک نہیں ہمیں کہ نیک ہے
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

---

[1] سردار [2] نصاری میں جو لوگ ہندو جوگیوں سنیاسیوں کی طرح ترک دنیا کرتے تھے انکو راہب کہتے تھے اسلام میں ترک دنیا کی سخت ممانعت ہے لا رهبانية في الاسلام۔

و کچھ بھی نیست کو نسبت ہی ہست سے — تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے — کوڑی ہی تو لے ادھار کوئی فاقہ مست سے

کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں جیل سے بھی ملا ہی کسی کو پاس

سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہاں نہیں — ایصال نفع ہے مرے نزدیک اصل دیں
ہے اِس کے لیے نقد آستیں — خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں

دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے
دنیا نہیں تو دعویٰ دیں مکر و زور ہے

د تو دین کی رونق کہاں سے ہو — اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ل وجود محقق کہاں سے ہو — مصدر ہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو

دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُس کے مونہہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ں ہے دین میں دنیا نہ ہو دخیل — ایسا خیال کر نہیں سکتا ہی کوئی عقیل
ر جس کا نہیں ہے کوئی عدیل — کیوں چاہنے لگا کہ مسلماں رہیں ذلیل

عزت ہے سب خدا کی خدا کے رسول کی
پھر اُس کی جس نے دعوتِ ایماں قبول کی

ئے جو معشر خیر القرون تھے — اور کلہم عمارتِ دیں کے ستون تھے
کالنجوم سبھی رہ نمون تھے — اور مرجع ضمیر ہُمُ المہتدون[۵۵] تھے

دنیا میں رہ کے دیں کا برتنا سکھا گئے
دونوں کے جمع کرنے کا رستہ دکھا گئے

ت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ ۵۲ خرچ کرنا ۱۲ ۵۳ اس حدیث میں خیر القرون قرنی کی طرف اشارہ ہے معشر
القرون سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام مراد ہیں ۱۲ ۵۴ یہ مضمون اُس حدیث مشہور کا ہے اصحابی کالنجوم بایہم
۵۵ وہی لوگ برسر ہدایت ہیں یعنی ہم المہتدون کی ضمیر کا مرجع وہی لوگ تھے ۱۲

راوی نے یوں لکھا ہے جناب عمرؓ کا حال   جن روزوں آپ امیر تھے باہیبت و جلال
اپنے ہی دست خاص سے پاتھا کئی سفال[51]   تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال

شاگرد تھے نبیؐ کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پر پشہ خسیس

یُسر اُن کا تھا فراغ عبادت کے واسطے   کی سلطنت فلاح رعیت کے واسطے
عزت طلب تھے دین کی عزت کے واسطے   القصہ جو وہ کرتے تھے حق کے واسطے

اُن کو کسی طرح طمع سیم و زر نہ تھی
ہرگز اُنہیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضان صحبت نبویؐ سے تھے مستفید   دیکھا اُنہوں نے نور رسالت کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جئے اور مرے سعید   تھی اُن سے خواستگاری دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الٰہی ہے مہرباں
چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضع نردباں[52]

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام   دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام
دنیا میں اُن کی دین تھا کالملح فی الطعام[53]   دونوں کا پاس کرتے تھے قصہ ہوا تمام

بارے اسی سبب سے زمانے کا طور ہے
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز   اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رستخیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز   تب دیکھتے زمانہ کی کج دار اور مریز[54]

پھر کون پوچھتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُنہیں کا طفیل ہے   کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے

---

۵۱ کھپرے ۱۲ ۵۲ سیڑھی ۱۲ ۵۳ جیسے کھانے میں نمک ۱۲ ۵۴ کج دار اور مریز سے مراد ہے تکلیف مالایطاق کیونکہ ٹیڑھا رکھو اور گرنے نہ دو یہ طلب محال ہے ۱۲

اعمال شرک جوں خس و خاشاک سیل ہے — اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

مشرک کی کوئی شئے نہیں کرتا خدا قبول

اس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوستدار — واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار

مونس رفیق موجب تسکین غمگسار — ہمدرد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا

دنیا میں اس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی — دنیا میں اور دیں میں لگانے لگے دوئی

پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی — شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دیں کے عوض تعصب باہم رہ گئے

دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم ہوئے اس کے خواستگار — اور کیونکہ ہوتے مولوی[ط] جنت کا چوبدار

مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پر آشکار — مفلس بہیر مومن و دست از طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسی کو کاٹ کے

دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب — دنیا میں اور دیں میں[ع] ادتارے غضب

دنیا بغیر سخت مصیبت ہے روز و شب — لازم ہے دین کا بھی لحاظ حفظ ادب

خستہ ہوئے خرابی سے ہائے مٹ گئے

ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

ط یعنی وہ مولوی جو ریا سے وعظ کہتا ہے اور رہبانیت کی تعلیم کرتا ہے اور خود حصول دنیا میں غرق ہے کبھی تعمیر مسجد کو ذریعہ حصول مال کا کرتا ہے اور کبھی تعمیر مدرسہ کو۔ یہ مولویوں کے کرتوت ہیں جیسی صوفیوں کی ترکیب تھی اور ہے کہ تعمیر خانقاہ وعرس کو ذریعہ حصول مال کا کرتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

ع ترک دنیا بمردم آموزند ۔ خویشتن سیم و غلہ اندوزند ۱۲

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب | افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب | آپس میں رحم[1] لطف عدو کے لیے عذاب

مسجد میں سجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پہ

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں | داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں | اُن[2] کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پہ اُن کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار | بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
وہ چھینتا[3] نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار | شایاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے اُدھار

دنیا بدل گئی ہے جو ہمت بدل گئی
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیت[4] نہیں رہی | ہم میں کسی طرح کی غیرت[5] نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیت نہیں رہی | جرأت کہاں سے ہو کہ حمیت نہیں رہی

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس چاہیے شرم | اے قوم یہ تقلب و سوء حس چاہیے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس چاہیے شرم | تقصیر فی مقابلۃ الناس[6] چاہیے شرم

---

[1] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔
[2] یعنی اصحاب رض کا ۱۲ [3] اشارہ ہے طرف آیت ما کان اللہ مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم کے ۱۲ [4] ایک دوسرے کی طرفداری و حمایت ۱۲ [5] خفیت ۱۲ [6] یعنی لوگوں کے مقابلہ میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہے ۱۲

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال | لفظ عرب میں نحن[۵۱] رجال و ہم رجال
اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال | کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں انتقال[۵۲]

اقوام روزگار ہیں بیٹھے ہوس لیے
بے وقعتی کی خاک پہ بیٹھے ہو کس لیے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں | لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں
منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں | دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا | ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ جہاں و جنہیں رہا | ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالک خزائن روئے زمین تھے
اہل زمانہ قاطبۃً[۵۳] خوشہ چین تھے

ہمکو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ | تھی مرجع[۵۴] انام کبھی اپنی بارگاہ
اس میں بقدر ذرہ نہیں شک و اشتباہ | تاریخ ہے ترقی اسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے
ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہم نے بنایا اہل جہاں کو خدا پرست | ہم نے دلایا یاد انہیں وعدۂ الست[۵۵]
ہم نے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست | ہم نے اتارا نشۂ صہبائیان[۵۶] مست

۵۱ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ ۵۲ خلل ۱۲ ۵۳ کلیۃً ۱۲ ۵۴ جائے رجوع خلق ۱۲ ۵۵ اشارہ ہے اس کی طرف کہ خدا نے سب آدمیوں کی روحوں سے پوچھا - کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ؟ سب نے کہا ہاں ۱۲ ۵۶ شرابی ۱۲

شایستگی کی بیل ترقی کے ساتھ کی
پودا اس کی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

کچھ ایسی اپنی بات بن آئی تھی اُن دنوں — ساری زمیں پر اپنی دو ہائی تھی اُن دنوں
گر دوستی تھی یا کہ لڑائی تھی اُن دنوں — ہر حال میں ہماری بڑائی تھی اُن دنوں
کیا فضل کردگار تھا کیا اُس کی شان تھی
اسلام تھا کہ دولت و ثروت کی کان تھی

پر وہ فراغ دولت و حشمت ہزار حیف — وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف — صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف
گو حور بعد کور[1] اشد العذاب ہے
یاد از قبیل لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ماضیٰ کریں — کیوں یاد رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود گرچہ تابہ قیامت بکا کریں — اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں
فرہاد[2] وار ورد جو ئے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی — غنیمت ہمارے ملک کی اچھوتی جا لڑی
جن کو فلاح خلق ہے منظور ہر گھڑی — لیکن مشکل ایک بڑی سخت آپڑی
تا وجب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنار فرات پر

دروازہ کونسا ہے جو ہم پر کھلا نہیں — ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں — آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

[1] حدیث نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ یعنے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو حور بعد کور بڑا عذاب ہے۔ مگر اس کا یاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرتا ہے ۱۲ اسلم یہ ایک مشہور قصہ ہے
[2] کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمایش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ اسلم ۔ صفحہ ۱۲۰

بے جوتے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضد احمقانہ کو للّٰلہ کم کرو | جانوں پر اپنی بہر خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں بُرا کہو یا تھتھم کرو | پر روٹیوں کی فکر تو بہر شکم کرو
ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو | وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو | اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو
رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے
تسویف[1] تا بکجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علم جدید ہے | یورپ میں جس سے رونق ہل من مزید[2] ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے | یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے
ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ | منشی ادیب شاعر شیریں مقال ہیچ
داب مناظرہ و جواب سوال ہیچ | تحقیق میر[3] زاہد و ملا جلال ہیچ
ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں
یورپ نے مار لوٹ لیا گنج شائگاں

ہم میں سے آج جو علما سے فحول[4] ہیں | مخدوم ہیں کہ خادم شرع رسول ہیں
عابد ہیں باخدا ہیں ثقہ ہیں عدول[5] ہیں | لیکن معاملات میں ایسے جہول ہیں
سمجھیں نہ وہ حساب کا ادنیٰ سوال بھی
پھر یارو ایسے پڑھنے کا کوئی مآل بھی

۱؎ ٹال مٹول ۱۲ ۲؎ کچھ اور بھی ہے ۱۲ ۳؎ یہ دونوں کتابیں منطق کی عربی میں مشہور ہیں ۱۲ ۴؎ عالم متبحر ۱۲ ۵؎ راست گو جس کی گواہی مقبول ہو ۱۲

اُن کے لیے تلافیٔ مافات[۵۱] ہو چکی
دستانہ سے امید شفاعات ہو چکی
بیمار جاں بلب ہے مداوات[۵۲] ہو چکی
بس کوٹ دو بساط کہ بازی مات ہو چکی
دیں دار مدعی نہیں دنیا سے کھو رہیں گے
یہ ناخدا جہاز تمہارا ڈبوئیں گے

واللہ سارے اپنی خرابی کے ڈھنگ ہیں
کل صنعتیں ہیں غضب اہل فرنگ ہیں
بیٹھے ہوئے دلوں پہ تعصب کے زنگ ہیں
محتاج ہیں غریب ہیں مفلس ہیں تنگ ہیں
ہم اپنا پیٹ پالتے ہیں پیٹ پیٹ کر
انگریز ساری لے گئے دولت گھسیٹ کر

یورپ اگرچہ لے گیا بازی تو خیر ہے
ہمکو خدا نخواستہ کچھ اُس سے بیر ہے
وہ صاحب کتاب ہے ہم چند غیر ہے
مسجد نہ ہو تو صومعہ[۵۳] بہتر ز دیر[۵۴] ہے
ہندو اُٹھائے بیٹھے ہیں سر آسمان کو
ہم پوچھتے ہیں رو گے کس کس کی جان کو

کوشش کرو تو خیر ہے ہوں حاجتیں روا
بے جا ہے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
ہمکو توقعات نہ رکھنے کی وجہ یہ
یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا
دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہے
مانا کہ ہم سے منزل مقصود دور ہے

قسمت کی خوبی دیکھو کہ اب بھی خبر نہیں
سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
جس سے رفاہ قوم ہو ایسا ہنر نہیں
کیوں بھائیو کسی کی توجہ ادھر نہیں
کر دو ارنا صواب پر اصرار کس لیے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لیے

یا رب قلوبنا[۵۵] بین اصبعیک
الرشد[۵۶] و طریقہ الفوز[۵۷] فی یدیک

---

۵۱ جو چیز فوت ہو گئی یعنی ہاتھ سے جاتی رہے ۱۲ ۵۲ علاج ۱۲ ۵۳ مسجد نصاریٰ ۱۲ ۵۴ ہندوؤں کا مندر ۱۲ ۵۵ اے رب ہمارے
دل تیری دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں ۵۶ سیدھے رستے پر چلا جانا ۵۷ اور مطلوب پانا تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۱۲

نتشفع الیک بنبی باکرامہ لدیک　　لما قضیت سائر حاجاتنا الیک

ہوں بر سرِ عروج خیالات قوم کے
شایانِ شانِ قوم ہوں حالات قوم کے

سب جانتے ہیں عالمِ اسباب ہے جہاں　　ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں　　جاری ہے یہ زمین سے لے تا بہ آسماں
یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اسکے بری نہیں

دیں کا عروج بے سببِ معتبر نہ تھا　　تھا مزدِ سعی صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہِ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا　　مومن نہ تھا کہ جس کا ہتھیلی پہ سر نہ تھا
ان معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں بہا

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل　　روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا مضمحل
اہلِ کتاب تک اسی آفت میں پا بگل　　بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال یا مضل
شیطان کی جہاں میں دہائی پھری ہوئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

اہلِ عرب کا حال تھا سب میں بہت خراب　　جیسے بلا مبالغہ چیونٹی بھرا کباب
بارود سے زیادہ مزاجوں میں التہاب　　گر بات پوچھئے تو ملے جنبیہ جواب
اتنے سے لفظ پر کہ چلو یا ہٹو پرے
لڑنے پہ مستعد ہوئے حتیٰ کہ کٹ مرے

سفاک کینہ توز ستم گر ستیزہ جو　　بے رحم سنگدل متمرد درشت خو

---

۱ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (چونکہ تیرے نزدیک ان کی عزت ہے) شفیع لاتے ہیں۔ ہماری تمام حاجتیں جو تجھ سے متعلق ہیں ضرور پوری کر ۱۲ ۲ کوشش کا صلہ ۱۲ ۳ یہ حال اہل عرب کا تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ ۴ افروختہ شدن آتش ۱۲ ۵ جنبیہ ایک آلۂ قتل ہے ۱۲ ۶ کینہ کش ۱۲ ۷ یعنی خون گرا ۱۲ ۸ تاوان معاوضۂ خون ۱۲ ۹ للعہ یعنی گمراہ

غارت گروں کو تھی قوافل کی جستجو | اس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چار سو

صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے

اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

اُن کو نظر نہ تھی نہ زیاں پر نہ سود پر | گھر بار سب لٹا دیں گر آجائیں ضد پر

جانیں نثار کرتے تھے اپنے وفود پہ | مرتے تھے فخر و عزت و نام و نمود پر

برداشت کر نہ سکتے تھے ازبسکہ ہیٹیاں

کمبخت مار ڈالتے تھے اپنی بیٹیاں

محکوم تھے بھی اجنبی صرف از برائے نام | کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات و انتظام

اک رنگ میں رنگے ہوئے تھے چھوٹے بڑے تمام | وادِ دل کا لیتے پوتوں پڑپوتوں سے انتقام

ہر قوم سے طناب عداوت تنی ہوئی

بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

تھے گرچہ علم و فضل و لیاقت سے بے نصیب | لیکن ہر ایک باغِ فصاحت کا عندلیب

ترکیب اُن کی بولیوں کی واقع ہوئی عجیب | جادو اگر نہیں ہے تو جادو کے ہے قریب

وہ دل کو موہ لیتے تھے طرزِ بیان سے

باتوں میں پھول جھڑتے تھے اُن کی زبان سے

باآنکہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل | نالائقوں نے اُسکو کیا اسقدر ذلیل

گھر میں خدا کے ہوں بُت ہو گئے دخیل | جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردش چرخ کہن کے ہیں

یہ بت پرست خلف اُسی بت شکن کے ہیں

غالب صفت تھی اُن کی خشونت باہمہ حال | اس طرز میں شریک تھے کیا اہل کیا عیال

وہ خانہ داریاں تھیں بجاے خود وبال | اک مرد جتنی عورتیں چاہے کرے حلال

۵۱ جمع قافلہ ۱۲ ۵۲ جہالت ۱۲ ۵۳ جمع سیاست ۱۲ ۵۴ یعنی اہل عرب حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلعم کی اولاد اور اُن کے دین کے مدعی تھے اور پھر کعبے میں بت رکھ کر بت پرستی کرنے لگے ۱۲ ۵۵ سختی۔ درشتی ۱۲ ۵۶ بہرحال ۱۲ ۵۷ سخاوت ۱۲

منکوحہ چھوٹ جاتی تھی عذر خفیف پر
نزلہ گرا ہی کرتا ہے عضو ضعیف پر

ناگفتہ بہ ہے ان کا طریق معاشرت　　شرم و حیا سے ان کو نہ تھی کچھ مناسبت
کرنا زنان بیوہ کی ارث و مقاسمت[1]　　دو بہنیں اور حقیقی زنی میں مشارکت
ظاہر ہے اس سے زبوں تر سرشتیں[2]
انسان ہو کے ان میں بہائم کی سیرتیں

سب اہل روزگار تھے گمراہ یک قلم　　مستوجب عذاب الٰہی عرب عجم
پر اس[3] نے عین وقت پر اپنا کیا کرم　　پیدا ہوئے نجات دہندۂ[4] امم
بنیاد شرک و کفر و ضلالت کی ہل گئی
بھٹکے ہوؤں کو منزل مقصود مل گئی

کیا عقل تھی جناب رسالت مآب کی　　شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
تدبیر سوچتے تھے گر فتح باب کی　　آخر کو راہ ڈھونڈ نکالی صواب کی
وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند ان کو ذات خدا کی پناہ تھی　　پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی　　جو دوستوں کی راہ ہی وہ ان کی راہ تھی
تقصیر کب درست ہے تدبیر کار میں
ہم ان کے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ سطر باندھ کے مردوں سے سو چکے　　غارت شدہ[5] راہ تمنا میں بو چکے

؎۱ عرب جاہلیت کا دستور تھا کہ مثلاً باپ دس بیبیاں چھوڑ مرا تو وہ بیبیاں مثل مال متروکہ بیٹوں پر تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی بانٹ میں لڑائیاں ہوتی تھیں اس کے علاوہ حقیقی بہنیں ایک نکاح میں ہوتی تھیں۔ ان بری رسموں کو اسلام نے موقوف کیا ۱۲ ؎۲ اعمال باطن ۱۲ ؎۳ یعنی خدائے تعالیٰ نے ۱۲ ؎۴ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ؎۵ ناامیدی ۱۲ ؎۶ بودا۔ کم زور ۱۲

جو کچھ تمھیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے　　سُن لیسنا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے
قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

جو لوگ ہیں سعادت عظمٰی سے بہرہ مند　　کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب[۱] پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند　　مت ہو لذائذ حیوانی کے پائے بند
میری اگر سنو نہیں سمع قبول[۲] کر
غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار بھول کر

[۱] حاصل کرنا ۱۲ [۲] بہرا ۱۲

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کے چوتھے سالانہ جلسے میں دیا

تمہید

یہ پہلا لکچر ہے جو انجمن حمایت اسلام میں دیا گیا۔ جس دن مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے لاہور کی ریجنیل کانفرنس میں پہلا لکچر دیا اُسی دن ممبران انجمن حمایت اسلام نے ان کو گھیرا تھا کہ ایک لکچر ہمارے ہاں دیجئے۔ اور اسی طرح ممبران انجمن حمایت اسلام امرتسر۔ اور ممبران محمڈن ایسوسی ایشن نے۔ مگر مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے عذر کیا کہ میں سید کے ساتھ ہوں اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بنا سکتا۔ آخر بمشکل انجمن حمایت اسلام نے ان کا پنڈ چھوڑا مگر اس کا یہ وعدہ کرا لیا تھا کہ ان کے اگلے سالانہ جلسے میں ضرور لکچر دینگے چنانچہ یہ لکچر وزیر خاں کی مسجد میں ہوا۔ اگرچہ لاہور میں سب سے بڑی وسیع مسجد ہے۔ مگر لکچر کے وقت شروع سے آخر تک اسمیں آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ لکچر دن کے ۱۰ بجے شروع ہوا اور نماز ظہر تک ختم نہ ہو سکا تو نماز کے بعد بھی لکچر کا بقیہ دیا گیا اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ نماز عصر تک اُس کا تسلسل قایم رہا ◆

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم صلعم[1]

ابر و باراں کی وجہ سے پچھلے دو دن موسم ناسازگار[2] رہا کہ جس قدر اژدحام کی توقع کی جا سکتی تھی شاید اُس میں کسی قدر کمی ہوئی ہے لیکن یہ کمی ممبران انجمن حمایت اسلام کی دل شکنی کا موجب نہیں ہونی چاہیئے۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا   ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے   جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

حمایت اسلام ایسا دلکش اور پیارا لفظ ہے کہ جس کے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی گدگدی ہے ممکن نہیں کہ یہ آواز اُس کے کان میں پڑے اور اُس کے شوق کو تحریک نہ ہو۔ چاہیئے تھا کہ مسلمان اِس انجمن پر ایسے گرتے جیسے شہد پر مکھیاں یا شمع پر پروانے۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج انجمن کے ممبروں کی فہرست کتاب ہفت قلزم کے حجم سے کم نہ ہوتی۔ اچھا پھر اس مجلس کی شرکت۔ اعانت۔ سرپرستی میں مسلمانوں کی طرف سے وہ سرگرمی کیوں نہیں ظاہر ہوئی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ کیا لوگوں کو اس انجمن کی خبر نہیں یا اسلام محتاج حمایت نہیں یا جس قدر ہو چکا ہے اسلام کی ضرورتوں کو کافی ہے۔ یا انجمن کی کارروائی اصلاح طلب ہے۔ یہ ہیں چند سوالات جو انجمن کے اس جلسے میں شریک ہونے کے قصد کے ساتھ میرے ذہن میں گزرے۔ ان کے جوابات بہم پہنچانا۔ ان پر غور کرنا۔ سوچنا۔ موانعات کو دفع کرنا میرا نہیں بلکہ انجمن کے اُن ممبروں کا کام ہے جو انتظام کو اُٹھائے ہوئے ہیں میں تو صرف نفس حمایت اسلام پر چند ریمارکس کروں گا۔ مجھ کو صرف اتنی بات کا ظاہر کرنا منظور ہے کہ ہندوستان میں اسلام کو کس طرح کی حمایت درکار ہے۔

شروع میں اسلام کو ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ جناب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو چار ناچار صبر[3] آزمائی کرنی پڑی۔ حضرت[4] نے بڑے صبر۔ بڑے تحمل اور بڑے استقلال کے ساتھ بارہ برس تک اس پہلو کو بچایا۔ اور صرف خدا کے واسطے تمام دنیاوی ایذاؤں کو برداشت کیا۔ مگر عرب کے لوگ لاتوں کے بھوت باتوں سے کیوں روبراہ ہونے لگے تھے۔ عرب کے لوگوں کو حضرتؐ کے ساتھ صرف اس وجہ سے عداوت تھی کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک خدا کی پرستش کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ دینی دشمنی کے سبب طرح طرح پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زبانی ایذائیں دیتے اور کہتے دیوانہ ہے جھوٹا ہے۔ شاعر ہے۔ ہیں کہیں مرزا ارشد اور الطاف حسین حالی ان صاحبوں کے واسطے شاعری سرمایۂ ناز ہو۔ مگر پیغمبر[5] صلی اللہ علیہ و آلہ

---

[1] حمد اللہ کی کرتے ہیں اور درود بھیجتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ۱۲ [2] ناموافق ۱۲ [3] لڑائی ۱۲

وسلم کے واسطے یہ خطاب باعث عزت نہ تھا۔ بلکہ اُن کو تو عالم ہونا بھی موجب عار و منقصت[ا] تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُمّی تھے۔ اگر وہ ایم۔اے یا ایل ایل ڈی کی ڈگری رکھتے ہوتے تو لوگ کہتے کہ پڑھا ہوا اپنے خیالات ظاہر کر رہا ہے۔ زبانی تکلیفوں کے سوا گستاخی۔ بیہودگی۔ بے ادبی اِس درجے کی تھی کہ کفار نے ایک دفعہ سجدہ کی حالت میں اونٹ کا اوجھ گردن مبارک پر ڈالدیا۔ بوجھ سے اُٹھ نہ سکے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا ؑ نے آنکر اُٹھایا۔ کافران بیدین راہ میں کانٹے بچھا دیتے کہ آتے جاتے پائے مبارک میں چبھیں۔ آتش عداوت یہاں تک بھڑکی کہ مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہلاک کرنے کے درپئے ہوکر قتل کی تدبیریں کرنے لگے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقا اور انصار پر عرصۂ زیست[ا] کو تنگ کر دیا۔ ناچار سبنے گھر بار جائیداد سب کچھ چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کی جسکو ہجرت کہتے ہیں۔ لڑائی کی آگ کا قاعدہ ہے کہ لگی اور بھڑکی اور بھڑکی اور پھیلی۔ اسطرح پر اسلام کو معرکے پیش آئے۔ اسلام کو اگر درخت سے تشبیہ دیں تو وہ ایسا درخت ہے کہ تلواروں کی چھاؤں میں اُس کا نشو و نما ہوا اور آدمیوں کے خون نے اُسکے لیے پانی کا کام دیا۔ اسلام خدا کی خالص اور بے لاگ و لپیٹ توحید کی وجہ سے یوں بھی بت پرستوں اور مشرکوں یعنے دنیا کے تمام لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ لڑائیوں کی وجہ سے اَور بھی مبغوض ہوگیا۔ سلطنت اسلام کے قائم ہوجانے کے بعد مسلمان بادشاہوں نے اشاعت اسلام کو توسیع ملک کا حیلہ ٹھہرایا۔ یہ روداد مخالفین اسلام کے لیے حجت ہوگئی اور حجت ہونے کی بات تھی کہ بھلا یہ بھی کوئی مذہب ہے جو ہیکڑی اور زبردستی اور دھینگا مشتی سے لوگوں کے دلوں میں اسطرح اُتارا گیا جیسے کڑوی دوا بچوں کے گلے میں۔ جو شخص واقعات تاریخی کی تکذیب پر دلیر ہو۔ ہو۔ اپنا مسلک تو یہ ہے کہ بے شک جہاں تک اسلام کو ہندوستان کے ساتھ تعلق ہے وہ ایسا ہی مذہب ہے بلکہ یوں کہو کہ تھا۔ جیسا کہ اُسکے مخالف کہتے ہیں کہ جبر و اکراہ کے ساتھ اُس کی اشاعت ہوئی۔ مگر اِس سے نفس اسلام پر کوئی الزام کیوں آنے لگا۔ الزام اگر ہے تو اُن لوگوں پر ہے جنھوں نے جبر و اکراہ کے ساتھ اِسکی اشاعت کی۔ اگر کسی مدرسے کا ایک احمق لڑکا ایسی بدیہی بات نہ سمجھے کہ مثلث کے دو ضلعوں کا مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے۔ لیکن جب پوچھا جاسے تو ماسٹر کے ڈر سے کہدیا کرے کہ ہاں ہوتا تو ہے۔ اِس صورت میں ماسٹر قصور وار ہے کہ اُسنے لڑکوں پر اپنی ہیبت ناجائز حد تک بٹھا رکھی ہے۔ یا لڑکا قصور وار ہے۔ کہ ڈرپوک اور دل کا بودا ہے کہ نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ ہاں سمجھ گیا۔ لیکن اصل مسئلہ کہ مثلث کے دو ضلعوں کا

[ا] کمی مرتبت ۱۲　[ا] زندگی ۱۲

مجموعہ تیسرے سے بڑا ہوتا ہے ہر حالت میں صحیح ہے۔ بعینہ یہی حال ہے اسلام کا۔ کسی نے اسکو
تسلیم کیا تو۔ اور کرنا تسلیم کیا تو۔ وہ فی حد ذاتہ مذہب صحیح تھا۔ اور ہے اور رہے گا۔ ہاں تو میں اس بات کو مانتا
و لا یختلج فی صدری منہ شئ[1] کہ اسلام کو متقدمین مسلمانوں نے زبردستی سے ہندوستان میں پھیلا
مسلمان ہرگز ہندوستان میں مہمان نہ تھے۔ جیساکہ الطاف حسین حالی نے شکوہ ہند میں لکھا ہے۔ بلکہ
غاصب[2] اور دخیل بیجا سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے ایک لمحہ کے لئے
بھی اپنی سوسائٹی میں ایڈمٹ[3] نہیں کیا۔ اور نہ انہیں اپنا مہمان سمجھا۔ نہ انکے ہاتھ کا چھوا کھانا کھایا نہ پانی
شادی بیاہ کا تو کیا مذکور ہے۔ پس مسلمان اگر مہمان تھے بھی تو مہمان ناخواندہ۔ غرض ہندو مسلمانوں میں
جو بگاڑ شروع شروع میں پیدا ہو گیا تھا کسی زمانے میں کم نہ ہوا۔ اکبر نے ہندو مسلمانوں میں ربط و ضبط
پیدا کرنے کی کچھ کوشش کی تھی مگر فریقین کی طرف سے وہ ایک شخصی سی بات تھی۔ بے ثبات۔ شاید اس کی
تدبیر کے مرہم سے زخم اختلاف کچھ بھر چلا ہو تو اس کے بعد ٹانکے ٹوٹ ٹاٹ کر وہ گھاؤ پہلے سے بھی بد تر
ہو گیا۔ اور جب فساد زخم تمام جسد ہندوستان میں پھیل گیا تو پولیٹیکل[4] سرجری کے قاعدے سے قطع
عضو فاسد لازم آیا یعنے انتزاع سلطنت۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اصول اسلام ایسے عمدہ اور سلیس
عام فہم اور ہردلعزیز اصول ہیں کہ ان کے ماننے والے یعنے مسلمان دنیا میں بہت زیادہ ہونے چاہئیں۔ سب سے بڑی
خوبی جو اسلام میں ہے یہ ہے۔ کہ اس میں تکلف نہیں تصنع نہیں۔ ادعا نہیں۔ طلب محال نہیں۔ تکلیف
مالایطاق نہیں۔ کسی طرح کا اشکال نہیں۔

بڑے اصول مذہب کے تین ہیں۔

اوّل توحید دوم رسالت۔ سوم احکام یعنے اوامر اور نواہی۔

جن وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا ہونا ضروری ہے ان ہی وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ہے۔ قرآن شریف
میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر ہے کہ کسطرح سے انہوں نے توحید کا سراغ لگایا۔ موجودات میں سے ادنیٰ
قسم جمادات ہیں کہ جو حرکت بالارادہ نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے نباتات کا درجہ ہے۔ مثل گھاس و بوٹی
و درخت۔ ان میں نمو ہے۔ مگر حرکت پر قادر نہیں۔ ہوا کا جھکولا آیا تو ہل گئے ورنہ کھڑے ہیں۔ ان میں

[1] میرے سینے میں اس کی طرف سے کچھ بھی نہیں کھٹکتا ۱۲ [2] چھین لینے والے ۱۲ [3] شامل ۱۲ [4] جراحی متعلق
تمدن ۱۲ [5] جس کی برداشت نہ ہو سکے ۱۲

جمادات میں صرف بالیدگی کا فرق ہے۔ بعدہ حیوانات جو اپنے ارادے سے نقل و حرکت کرتے ہیں جن میں سب سے اعلےٰ درجہ انسان کا ہے۔ انسان میں سب باتیں مثل دوسرے جانوروں کے ہیں۔ مگر اس کو فضیلت ہے بسبب عقل کے۔ جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ ہندوؤں کو ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ جانور۔ آگ۔ تلسی۔ پیپل کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ گویا انسان سب سے بدتر ہے۔ اسلام انسان کو کیا سکھاتا ہے کہ دنیا میں سب چیزیں مجھ سے کم ہیں۔ اگر خدا دنیا میں ہوتا تو میں ہی ہوتا۔ انسان اشرف المخلوقات تھا اور اس کی حالت اس شرافت کی مقتضی تھی لیکن اس شرافت پر انسان کو اسلام نے جمایا اور اس اعتبار سے تمام بنی نوع انسان کی گردن پر اسلام کا بڑا حق ہے۔ مگر ہندو دھرم نے انسان کو سب سے بدتر بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں علم نجوم کو بڑی ترقی تھی اور تمام تصرفات نجوم کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں بت بنائے جاتے۔ اور پوجے جاتے تھے۔ مگر چونکہ فطرت و نیت خدا کی طرف پوری پوری متوجہ تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ خدا کیسا کہ جس میں ہم خود تصرف کر سکتے ہیں یعنی بت کہ اُن کا بنانا بگاڑنا ہمارے اختیار میں ہے اُس زمانے کے تقاضائے وقت سے آپنے اجرام[ف] فلکی کی طرف خیال کیا جنگل میں کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کہاں ہے۔ اتنے میں ایک چمکتا ہوا ستارہ عرصۂ فلک پر نمایاں ہوا۔ آپنے خیال کیا کہ شاید یہی خدا ہوگا۔ کواکب کی تاثیرات کو سب لوگ مانتے ہیں۔ مگر دیکھا کہ ستارہ طلوع ہوا پھر ترقی ہوئی۔ پھر تنزل۔ معلوم ہوا کہ یہ خود مجبور ہے خدا کیونکر مجبور ہو سکتا ہے[ف۲] فلما جن علیہ اللیل رای کوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین تھوڑی دیر کے بعد چاند کو دیکھا اُس کا بھی انجام ویسا ہی ہوا پھر نا امید ہو کر فرمایا کہ میری کوشش یہی ہے کہ میں تلاش کروں۔ آفتاب نکلا۔ کہا کہ اسکے سامنے سب ماند پڑ گئے یہ خدا ہے مگر وہ بھی آخر کو غروب ہوا۔ تو بے اختیار بول اٹھے افسوس میری غلطی ہے خدا وہ ہے جس کو میں نہیں دیکھ سکتا۔ جس کے دیکھنے کے واسطے چشم بصارت اور بصیرت دونوں کافی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ ہندوؤں کی بڑی غلطی ظاہر کرتا ہے۔ اب عیسائیوں کو لو یہ لوگ بھی گمراہ ہو گئے۔ اِن کے یہاں دس احکام ہیں۔ ایک حکم یہ ہے کل کے واسطے بالکل ذخیرہ مت کرو۔ ایک حکم یہ ہے کہ اپنے دشمن کے واسطے دل سے بہتری چاہو۔ جیسے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے۔ ایک حکم یہ ہے کہ اگر کوئی تمہاری داہنی

ف۱ آسمان کے چاند سورج ستارے وغیرہ ۱۲ ف۲ رات ہوئی تو دیکھا ستارے کو کہا یہ ہے رب میرا جب وہ غروب ہو گیا۔ کہا میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۲

گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی پھیر دو۔ مگر آدمی کے لیے یہ احکام ممکن التعمیل نہیں ہیں۔ کہ کوئی اسپر ظلم کرکے تھپڑ مارے اور وہ کہے کہ اور مار۔ یا جانی دشمن کے ساتھ محبت کرے مثل اپنی اولاد کے یا فکر فردا سے فارغ ہو بیٹھے۔ یہ احکام ہیں از قسم محالات۔ احکام اسلام ایسے ہیں کہ جن پر ہم عمل کر سکتے ہیں سو[لہ] جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (بدی کی جزا اسی طرح کی سزا۔ اگر کوئی معاف کرے اُس کا اجر اللہ پر) یہ ہے وہ حکم جو فطرت انسانی سے ملتا ہے اور جس کو دل مان لیتا ہے اور جو مقدور بشر ہے ٭

عیسائی مذہب عیسوی کا ایک مسئلہ کفارہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا میں دو صفتیں متناقض[لہ] کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ عدل اور رحم۔ عیسائی کہتے ہیں کہ خدا مجبور ہو گیا ہے اگر کسی کو معاف کرے نہیں کر سکتا۔ اگر فطرت انسانی کیا گواہی دیتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ ہو جاسے تو سوا توبہ اور استغفار کے کیا کرتا ہے عیسائی خدا کی ذات میں عدالت اور نصفت کو یوں جمع کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت مسیح بن کر ذلتیں اور مصیبتیں جھیلیں اور یوں گناہگاروں کی سزا کو خود بھگت کر عدل اور رحم دونوں کو پورا کیا۔ جیسے ہمارے معزز دوست محمد برکت علیخاں صاحب کسی مجرم پر جرمانہ کریں اور اپنے پاس سے بھر دیں۔ اسکو تو ہے لگ دیکھو۔ اب میں رسالت کے لحاظ سے دکھانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیونکر عرب کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ انسان کے تمام کام معلل[لہ] بالغرض ہوتے ہیں۔ کوئی سفر کو جاتا ہے کسی سے ملنے کے واسطے۔ کھیت جوتتا ہے۔ اناج کے واسطے۔ اگر پیغمبر صاحب نے دعویٰ رسالت کیا تو کوئی مطلب تو ہوگا آیا وہ غرض یہ تھی کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں بھی احد[لہ] من الملوک ہو جاؤں۔ یہ احتمال بالکل غلط ہے اسکے برخلاف آپ نہایت متواضع۔ نہایت منکسر المزاج تھے۔ ایک دفعہ صحابہؓ جمع ہوئے۔ حضرت کو دیکھا کہ کھرے بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں اور پسلیوں کے نشان پسلیوں پر نمایاں ہیں۔ اصحاب نے عرض کی۔ یا حضرت اگر آپ بوریے پر کپڑا ڈال لیا کریں تو کیا اس میں کچھ حرج ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تنعم[لہ] نہیں چاہتا۔ دعویٰ رسالت کا دوسرا باعث شاید یہ ہو کہ مجھ کو لوگ مقدس سمجھیں۔ جیسے بعض شیوخ اور ریاکار عالموں کا حال ہوتا ہے لیکن آپ نے فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں۔ تم میں اور مجھ میں اگر فرق ہے تو

لہ دیکھو سورۂ شوریٰ ۱۲ لہ ایک دوسرے کی نقیض ۱۲ لہ یعنے ہر ایک کام کی علت کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے ۱۲ لہ منجملہ بادشاہوں کے ایک ۱۲ لہ عیش ۱۲

صرف اسقدر ہے کہ یُوحٰی اِلَیَّ (مجھ پر خدا کی وحی آتی ہے) جو میرے اختیار کی چیز نہیں۔ پھر فرماتے ہیں لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائی سمیٹ لیتا اور مجھے کوئی اتفاق بد پیش نہ آتا)

کوئی شخص پیشوایان دین میں سے ہی جو اسطرح کہے۔ پھر اس سیدھے سادے منکسر متواضع نبی کے اس کہنے کو دیکھو مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ (مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا) کفار کے جواب میں فرماتے۔ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں کفار کہتے چشمہ بہاؤ یا کوئی انگور کا باغ لگاؤ۔ جیسے یہاں مٹی لگاتے ہیں اُس میں نہریں بہاؤ۔ ایک سونے چاندی کا محل بناؤ کوئی عجیب بات ہمکو دکھاؤ۔ اور تم تو ہمکو ڈرایا کرتے تھے کہ آسمان پھٹ پڑے گا۔ اب آسمان سے پتھر برساؤ یا اللہ کو اُسکا لشکر ملائکہ دکھاؤ۔ ان سب باتوں کا آپ جواب دیتے کہ میں کسی اختیار او رتصرف کا دعوے ہی نہیں کرتا پھر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نسل کے لیے آمدنی کا کوئی ذریعہ قائم نہیں ہونے دیا۔ اُنہوں نے آمدنی کے تمام ابواب اپنی نسل پر بند کیے۔ آل ہاشم پر صدقہ اور خیرات اور زکوٰۃ کو ابدًا حرام کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر مال تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام ان دنوں بچے تھے ایک کھجور لیکر منہ میں ڈال لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنگلی سے نکال کر پھینک دی اور فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال کا میل ہیں جن کو خدا نے میری اولاد پر حرام کیا ہے۔ غرض سب سے بڑی خوبی اسلام میں یہ ہے کہ اُس میں تکلیف نہیں۔ طلب محال نہیں تصنع نہیں اس مطلب کو اگر چہ میں زیادہ نہ بیان کر سکا تاہم مختصرًا بیان کر دیا۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ کہ اسلام آہن دل انسان کے لیے مقناطیس ہے حقیقت میں سخت حیرت ہوتی ہے۔ تیرہ سو برس ہو چکے دنیا کے لوگ سارے نہیں تو اکثر مسلمان کیوں نہیں ہو گئے۔ میں نے اپنے ذہن میں اس کا یہی سبب قرار دے رکھا ہے کہ اسلام کو دوستی و خیر خواہی اور ہمدردی کے پیرایے میں لوگوں پر عرض کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ جس طرح سے پادری لوگ بہلا کر پھسلا کر لالچ دکھا کر رفق ولینت سے۔ خاطرداری و دلجوئی سے منت و خوشامد سے سمجھا کر بُجھا کر سینکڑوں برس سے انجیل کی منادی کر رہے ہیں زیادہ نہیں پچاس برس بھی اس طرح لگ لپٹ کر قرآن مجید کی منادی کی جائے تو مسلمان دن دونے اور رات چوگنے میرا ذمہ +

سلہ خزانہ ۱۲ سلہ بناوٹ ۱۲ سلہ نرمی ۱۲

ان پادریوں کی چالیں کیا ہیں۔ ان کے ہتکھنڈے تو دیکھو سیکڑوں ہزاروں مدرسے کھول رکھے ہیں۔ دھڑلّے سے دنیوی علوم پڑھائے جا رہے ہیں۔ مگر ہومیوپیتھک[1] دوا کے ایک قطرے کی طرح قلیل المقدار قوی الاثر ایک آدھ سبق مذہب کا بھی ہے اور کیوں نہ ہو وہی تو مشن کی تعلیم کے پرکرپشن یعنے نسخے کا جزو اعظم ہی رہی دنیوی علوم کی تعلیم بیش بریں نیست کہ بمنزلہ شربت کے ہی جیسے شربت کا چاٹ سے طبیعت دوا کو گوارا کر لیتی ہے ویسے ہی دنیوی علوم کے لالچ سے لوگ پادریوں کی مذہبی تعلیم کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر ہزاروں لاکھوں کتابیں ملکی زبانوں میں مفت پڑی تقسیم ہو رہی ہیں کاغذ عمدہ سے عمدہ۔ چھاپہ عمدہ سے عمدہ۔ جلد عمدہ سے عمدہ۔ کیا پادری نہیں جانتے کہ شب برات میں اُن کی کتابوں کے پٹاخے بنائے جاتے اور عطار ان کو پڑیوں میں صرف کرتے لوگ جلدیں اُکھاڑ کر اوراق کو ردی کی طرح پھینک دیتے یا پٹھے کے کام میں لاتے ہیں۔ مگر دُھن اس کو کہتے ہیں کہ صرف اتنی توقع موہوم پر کہ شاید کوئی کتاب دست برد[2] سے بچ جائے تو شاید اس پر کسی کی نظر پڑے۔ شاید وہ متاثر ہو بے دریغ خرچ ہیں اور یہ سب بے منت رہتیں ہیں۔ منجملہ تدابیر اشاعت مذہب ایک تدبیر وعظ کی ہے۔ کوئی میلہ۔ کوئی بازار۔ لوگوں کا کوئی مجمع نہ ہوگا جہاں ایک پادری کھڑا ہوا مذہب کی منادی نہ کر رہا ہو ع

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است

لوگ ہیں کہ بیہودہ نکتہ چینیاں کر رہے ہیں سخت و درشت کہتے ہیں۔ تمسخر و استہزاء سے بھی پیش آتے ہیں۔ مگر پریچر[3] ہے کہ نہ ملول ہوتا نہ بُرا مانتا نہ گالی کا جواب گالی دیتا ہے۔ کیا کوئی پادریوں کی ریس کرے گا۔ یہ لوگ جان پر کھیل کر افریقہ اور چین اور تبت اور جزائر دور دست جیسے وحشی اور جنگلی اور نامنتظم و خطرناک مقامات میں جانے کی بھی ذرا پروا نہیں کرتے۔ گرفتار ہوتے۔ مارے جاتے۔ ناموافقت آب و ہوا سے ہلاک ہوتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے۔ غرض مذہب کے پھیلانے اور رواج دینے میں کسی وضع خاص کے پابند نہیں۔ جس ڈھنگ سے سینگ سماتے دیکھے گھس پڑے۔ جیسے کہ ایک شکاری شکار کو گیا اونٹ بھی تھا اور راوٹی بھی تھی ترشح ہونے لگا۔ لوگ راوٹی میں گھس بیٹھے اونٹ نے بھی راوٹی میں سر رکھ لینے کے لیے جگہ مانگی اور آخر کار ساری راوٹی میں وہی تھا۔ وہ کسی شان میں ہوں۔ دلجوئی استمالت[4] تو الیفاً قلوب ہر پیرائے میں ضرور۔ ڈاکٹر بن کر بیماروں کو دوا دیں۔ علاج کریں۔ سوداگروں کے بھیس میں مال تجارت

---

[1] یہ بھی ایک قسم کی ڈاکٹری ہے ۱۲ [2] ضائع کرنا ۱۲ [3] واعظ ۱۲ [4] دلجوئی ۱۲

ہلکے داموں پر بیچ دیں۔ وحشیوں کو آئینے اور جھوٹے موتی اور کھلونے دکھاکر خوش کریں۔ اور زنان خانوں
میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا سینا پرونا سکھائیں دائیوں کی طرح بچے جنوائیں۔ یہ ہیں چند نمونے ان لوگوں
کی کوششوں کے جن کو اپنی قومی سلطنت کے ہوتے کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔ اب ہمکو اپنی جگہ آپ
سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے لیے بھی کبھی کوئی اس قسم کی تدبیر کی گئی ہے ہرگز نہیں! یہ سچ ہے کہ ہمارے
ہاں وعظ کا دستور ابتدا سے ہی۔ مگر جس طرح ہمارے اور پادریوں کے وعظ کے طریقے مختلف ہیں اغراض
بھی مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں کے عالم اکثر اپنی مسجدوں میں وعظ کہتے ہیں اور اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے
کہ مسلمانوں کو احکام مذہب سے آگاہ کیا جاتے۔ جب کہ پادری دوسروں کو کنورٹ[1] کرنے کے لیے گلی گلی
کوچہ کوچہ وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ پادریوں کی دیکھا دیکھی چندروز سے مسلمانوں نے بھی کہیں کہیں سر بازار
کھڑے ہوکر وعظ کہنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مگر نام و نمود کے مولوی اس طرز کو موجب کسر شان سمجھتے ہیں
چیلے تو بہت سے بنا ہیں گے۔ کہ ہمکو اپنے ہی گھر درس و ہدایت سے فرصت نہیں۔ کیا کریں پڑھنے والے
آگھیرتے ہیں مستفتی[2] دم نہیں لینے دیتے لیکن شاید اصلی سبب ہے کبر نفس۔ پھر ایک بہت بڑا نقص ہمارے
ہاں یہ ہے کہ مولوی احکام ظاہر کا بہت بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ جہاں تک میں خیال کرسکتا ہوں ہمارے مولویوں
کی تعلیم کا خلاصہ یہی زہد اور احکام ظاہر کی پابندی ہے شریعت طب روحانی ہے۔ جس طرح طب ابدان میں
ہر طرح کے علاج ہر قسم کی دوائیں دیکھتے ہو کہ کہیں فصد اور حجامت اور تنقیہ اور پرہیز اور فاقہ ہی کہ یہ سب
تدبیریں ضعیف کرنے کی ہیں کہیں ادویہ مہیج[3] اور مقوی بھی ہیں۔ کیونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں کوئی
درجہ اعتدال سے بڑھ گیا ہے اُسکو گھٹانے اور نیچے اُتارنے کی ضرورت ہی۔ کوئی گر گیا ہے اُسکو اچکانا اور اُبھارنا
ہے بعینہ اسی طرح مذہب میں زہد بھی ہے کہ یہ بمنزلہ تنقیہ ہے مگر وہ کس حالت کے مناسب تھا کہ مسلمانوں
میں اس طرح کی دولت پھٹ پڑی تھی کہ مدینہ منورہ میں لوگ زکوۃ کا روپیہ جھولی میں بھرے ہوئے لیے
لیے پھرتے تھے اور کوئی زکوۃ کے لینے کی حامی نہیں بھرتا تھا کیونکہ ہر شخص خدا کے فضل سے بجائے خود صاحب
نصاب[4] تھا۔ اور اب بھی خدا مسلمانوں کے ویسے ہی دن پھیرے تو سب سے پہلا شخص جو تعلیم زہد کی رائے دے
میں ہوں مگر مسلمانوں کی حالت موجودہ تعلیم زہد سے ویسا ہی ابار رکھتی ہے جیسا کہ ایک بیمار ناتواں کی

[1] نو عیسائی ۱۲ [2] فتوے لکھوانے والے پوچھنے والے ۱۲ [3] ہیجان یعنے شورش دلانے والی ۱۲ [4] یعنے
اسقدر مال رکھتا تھا جسپر زکوۃ دینی لازم آتی ہے ۱۲

تنقیص ہے۔ تموّل کے لیے ایک درجہ معتدل اپنے ذہن میں قائم کر دو۔ پھر مسلمانوں کے تموّل کا اوسط لو تو پاؤ گے وہ نسبت جو عدد صحیح اور کسور اعشاریہ میں ہوتی ہے۔ بھلا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ احکام زہد کے مخاطب صحیح وہ لوگ ہوں جنکے پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا نہیں۔ کیا پیغمبر صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے زمانے میں سب کو اصحاب صفہ[۱۰] کی طرح مفلس محتاج دوسروں کا دست نگر بنانا چاہا سُبْحَانَكَ هٰذَا[۱۱] بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ نہیں نہیں۔ بلکہ مفلسوں کو غنی محکوموں کو حاکم۔ رعایا کو بادشاہ۔ وحشیوں کو شائستہ بننے کی ترغیب دی اور نہ صرف ترغیب دی بلکہ کر دیا اور کر دکھایا۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے مولوی جن کو طبیب روحانی ہونے کا دعوےٰ ہے امت محمدیہ کا علاج کر رہے ہیں مگر بالکل اُلٹا علاج۔ یہاں کے لوگ حد سے زیادہ ضعیف ہو رہے ہیں اور اُن کو زہد کا جُلاب دیا جاتا ہے کہ پرسوں مرتے کل مرے اور کل کے مرتے آج۔ اصلی بات یہ ہے کہ اسلام کے لیے تکثیر جماعت کے خیالات کو سر سے نکال ڈالو ہم یہاں اسلام کی ایسی حالت نہیں کہ وہ اپنے گروہ کو بڑھا سکے۔ اب ہماری ہمت اس میں مصروف[۱۲] و مقصور ہونا چاہیئے کہ جماعت اسلام کو گھٹنے نہ دیا جائے یعنے مسلمان ترک اسلام کرکے دوسرا مذہب (اور چھپانے کی کیا ضرورت ہی صاف کیوں نہ کہا جائے عیسائیت) اختیار نہ کرنے پائیں۔ میرا ایسا خیال ہے کہ مذہب بھی[۱۳] اَلْاَكْثَرُ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ایک متوارث چیز ہے۔ ایک مسلمان کا بچہ یقیناً بڑا ہو کر مسلمان ہوگا۔ اسی طرح ہندو کا ہندو۔ اور عیسائی کا عیسائی۔ کیونکہ ہر شخص جس سوسائٹی میں پیدا ہوا اور جس سوسائٹی میں اُس نے پرورش پائی طفولیت سے اُس سوسائٹی کے مذہبی خیالات اُس کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ ایک مسلمان عورت اپنے بچہ کو اللہ اللہ کہہ کر سُلاتی اور اللہ کی مہربانی اور اُسی کے غضب سے ڈرا دینی یا کوستی ہے۔ پس وہ بچہ جیسا تھا ماں کے پیٹ میں فطرتاً[۱۴] اور مسلمان ہے ماں کی گود میں تلقیناً۔ اور ساری عمر مسلمان رہیگا تقلیداً یہ ہیں ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ[۱۵] کے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہندو کسی وجہ سے مسلمان ہوا اور اُس کو تمام عمر گوشت نہ پچا۔ کیونکہ بچپن سے اُس کو گوشت

---

[۱۰] یہ وہ اصحابؓ ہیں جو بوجہ مفلسی کے مسجد نبوی میں گزارہ کیا کرتے تھے وہیں بود و باش تھی اگر کچھ کہیں سے کھانے کو آگیا تو خیر ورنہ خوشی سے صبر کیے بیٹھے رہے ۱۲ [۱۱] سبحان اللہ یہ تو بڑے بہتان کی بات ہی ۱۲ [۱۲] محدود ۱۲ [۱۳] اکثر مگر جن کو اللہ

[۱۵] ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر ماں باپ اس کے یہودی کریں اُس کو نصرانی کریں یا اُس کو یا مجوسی کریں اُس کو ۱۲

سے نفرت دلائی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی ایسا ہوا تھا کہ جو یہود اسلام لائے
وہ اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتے اس وجہ سے کہ یہود کے یہاں اونٹ کا گوشت حرام ہے چنانچہ
اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۵۱] یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ٥ میرے ایک دوست شیعہ سے سنی ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے خاندان کے
لوگوں کو مباحثہ و مناظرہ سے سنی ہونے کی ترغیب دی۔ ایک بی بی کو سب طرف سے بند کیا تو انہوں نے
کہا تو کیا کہا کہ بیٹے میں سنی تو ہو جاؤں مگر مجھ کو ان موؤں کے یعنے اصحاب ثلاثہؓ کے نام ہی برے لگتے ہیں۔
ہاں تو غرض یہ ہے کہ میں مذہب کو متوارث سمجھتا ہوں۔ پھر انسان کے معاملات میں سب سے زیادہ عجیب
مذہب ہے اس سے بڑھ کر عجیب بات اور کیا ہوگی کہ منزل مقصود سب کی ایک اور راستے دیکھو تو پورب پچھم کا
اختلاف۔ اس پر طرہ یہ کہ سرگرمی اور ثبات کا اذعان کہ جس رستے پر میں چل رہا ہوں بس وہی ٹھیک ہے
اور دل کی تسلی تمام اہل مذاہب میں یکساں۔ [۵۲] کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ٥

بگوش گل چہ سخن کردہ کہ خندان ست   بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

دنیا کے اعتبار سے دیکھو تو کسی فرقے کو [۵۳] فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْاَشْیَآءِ نہ مزیت ہے۔ نہ فوقیت۔ نہ فضیلت۔ نہ خصوصیت
توالد تناسل صحت و مرض۔ تونگری و افلاس۔ رنج اور خوشی نیکی اور بدی۔ موت و حیات کیا چیز ہے جو
ایک مذہب والوں میں ہے۔ اور دوسروں میں نہیں۔ اور واقع میں یہی بے خصوصیتی اختلاف مذاہب کو
رفع نہیں ہونے دیتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ خود فرماتا ہے۔ [۵۴] وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً
لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا
عَلَیْهَا یَتَّکِـُٔوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ٥
ہر مذہب میں لوگوں کا ایک ہی طرح کا حال ہے اکثر تو دنیا میں ایسے منہمکؓ ہوتے ہیں کہ دین و مذہب کی طرف

---

[۵۱] اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۱۲ [۵۲] سورۂ ق ۱۲
ہر ایک گروہ اپنے حال میں خوش ہے ۱۲ [۵۳] تمام چیزوں سے کسی چیز میں ۱۲ [۵۴] اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سارے آدمی ایک سا ہو جائینگے
تو ہم رحمن کے ساتھ کفر کرنے والے کو گھر کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں چاندی کی کہ ان پر چڑھیں اور ان کے گھر کے
واسطے دروازے اور تخت کہ ان پر تکیہ لگا کر بیٹھیں۔ اور سونا اور نہیں یہ سب کچھ مگر دنیا کی زندگی کا سامان اور آخرت تیرے رب کے
پاس ڈرنے والوں کے واسطے ہے ۱۲ [۵۵] مبتلا ۱۲

مطلقاً ملتفت ہی نہیں تھے قدرے قلیل پابند مذہب ہوتے ہیں - اِن میں اکثر اور اکثر بھی قریب کل اس
خیال کے ہوتے ہیں انا[1] وجدنا آباءنا کذلک یفعلون انا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ آثارھم
مقتدون ۰ غرض شاذ ہیں وہ لوگ جو تحقیق کے ساتھ کسی خاص مذہب کو اختیار کرتے ہیں مگر تحقیق
کا نتیجہ ہم نے تو اکثر یہی دیکھا ہے کہ آدمی جس مذہب میں پیدا ہوا اور جس کی خوبی بچپن سے اُسکے ذہن میں
بیٹھ چکی ہے - تحقیقات کے بعد بھی اُسی پر قائم رہتا ہے - وہ اگر اس مذہب کے معتقدات میں کہیں پانی
مرتا ہوا دیکھتا ہے تو اُس میں تاویلات گھڑ گھڑا کر من سمجھوتی کر لیا کرتا ہے - یدخلون[2] فی دین اللہ
افواجاً کے دن گئے - اب کوئی اکا دُکا تبدیل مذہب کرتا بھی ہے تو اُس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً دو بڑے
تالابوں میں چند قطرے ایک تالاب میں سے لیکر دوسرے میں ڈال دو تو اس سے نہ وہ تالاب خشک
ہوگا جس میں سے دو بوندیں نکل گئیں اور نہ وہ تالاب اُبل پڑے گا جس میں دو بوندیں اور آئیں - خلاصہ
مقصود یہ ہے کہ ہمکو تکثیر گروہ مسلمانان کے فکر سے فارغ رہنا چاہئیے - اس سے کہیں زیادہ بکار آمد اور
مفید اور عند اللہ و عند الرسول مقبول یہ ہے - کہ ہم عام مسلمانوں کی اصلاح پر متوجہ ہوں - اور عجب نہیں
کہ یہ تدبیر آخر کار تکثیر جماعت اسلام کا بھی موجب ہو - نیز زمانہ کامپٹیشن[3] کا ہے یوں سمجھنا چاہئیے کہ جتنے
اہل مذاہب ہیں سب ایک قسم کے دوکاندار ہیں - اور ہر دوکاندار خریداروں کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا
ہے - کامپٹیشن کی صورت میں جو تدبیر ایک دوکاندار اپنی دوکان کی رونق کے لئے اختیار کرتا ہے ویسی ہی تدبیر ہمکو
کرنی ہوگی کہ ہمارے پاس خریدار کی ضرورت کی سب چیزیں مہیا ہوں - سو ہیں - مال بھی عمدہ ہو وہ
بھی ہے - ارزاں ہو - ارزاں بھی ہے - چیزیں عمدہ طرح پر سجائی گئی ہوں - خریداروں کے ساتھ
ہمارا برتاؤ رفق و نرمی کے ساتھ ہو - بس اِن دو باتوں میں کمی ہے - اور اِن ہی دو باتوں کی طرف میں
عام مسلمانوں کو اور خاص کر ممبران انجمن حمایت اسلام کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں - ہمارے مذہبی احکام
جن کو میں نے مال تجارت سے تشبیہ دی فی حد ذاتہا نہایت عمدہ ہیں مگر ہم مسلمان ان کو ایسے طور پر
عمل میں نہیں لاتے کہ اِن کی عمدگی ظاہر ہو - اور لوگ اسلام کو نظر استحسان سے دیکھیں - آپ صاحب مجھکو
اس بات کے کہنے سے معاف رکھیں گے کہ انجمن حمایت اسلام اپنے پندار میں ایسا خیال کرتی ہے کہ ہم

[1] ہم نے پایا اپنے باپوں کو اسی طرح کرتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپوں کو ایک راہ پر اور ہم اُن کی پیروی کرتے ہیں
[2] اللہ کے دین میں گروہ گروہ داخل ہونے لگے ۱۲ [3] مقابلہ سو بچنا بچی ۱۲

پر خارج کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ ڈر رہی ہے کہ ایسا نہ ہو جس طرح عیسائیوں نے مسلمانوں کی سلطنت دبالی کہیں مذہب پر بھی دست درازی نہ کریں۔ اور میرا یہ حال ہے کہ میں خارج کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں۔ اس سے کہ پادریوں نے دو چار لاوارث بچے لے جاکر عیسائی کر ڈالے۔ اسلام کا انشاء اللہ بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ میں آپ صاحبوں سے سچ کہتا ہوں کہ اسلام کو جو کچھ خطرہ ہے ہم ہی مسلمانوں سے ہے۔ جو اس کے نام لیوا ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم　　کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اسلام کوئی شے منفرد موجود فی الخارج[۱] نہیں۔ بلکہ ہم مسلمانوں کے اطوار و عادات و معاملات و معتقدات و اقوال و افعال کا نام ہے۔ اسلام کی حمایت حفاظت تائید ہمدردی یا جو کچھ کہو سب کا بہترین پیرایہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کیجائے۔ سب سے زیادہ ضروری اور سب پر مقدم تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں صلح کاری اور سازگاری کی صفت پیدا کی جاوے نہ صرف آپس میں بلکہ دوسری قوموں کے ساتھ۔ مسلمانوں کی پچھلی کارروائیوں نے دوسری قوموں کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ مسلمان دوسری قوموں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھ نہیں سکتے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا۔ ہمنے مثل اَور فرماں روا قوموں کے استمالت قلوب کی پروا نہیں کی۔ جب تک گھر کی حکومت رہی اس غلطی کا کوئی گزند مترتب نہ ہوا۔ زوال سلطنت کے بعد سے مسلمانوں کا قریب قریب ایسا ہی حال ہے جیسے دانتوں میں زبان۔ روئے زمین پر سوائے خدا کے کوئی ان کا دوست نہیں اور نہ فقط یہ کہ دوست نہیں۔ بلکہ لوگ پچھلی کہانیاں یاد کر کے درپے انتقام رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر خدانخواستہ ہندوستان پر انگریز مسلط نہ ہوتے یا ہوتے اور خدانخواستہ ان کی طبیعت دوسروں کی طرح کینہ کش واقع ہوئی ہوتی تو آج ہم مسلمانوں کی کیسی گت ہوتی۔ ہر چند واقعات جو صفحات تاریخ میں ثبت ہو چکے کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ لیکن اگر ہم تلافی مافات کرنی چاہیں تو گو دوسری قوموں کو دوست نہ بنا سکیں مگر ان کی شورش عداوت کو تو ضرور فرو کر سکیں گے۔ کیا اسلام کے لیے سلطنت کا ہونا شرط ہے۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبری کے پہلے گیارہ برس کس طرح کفار مکہ میں گذارے تھے۔ یارو شکر کرو کہ ہمکو ہندوستان میں ویسا ابتلا[۲] نہیں بلکہ سچ پوچھو تو مطلق ابتلا نہیں۔ ہم ہی دوسروں کو نہ دیکھ سکیں تو اور بات ہے ورنہ کوئی ہمارے مذہب سے مزاحم نہیں متعرض نہیں۔ پھر یہ تمام داویلا کیوں اور فریاد کس لیئے۔ بات صاف صاف یہی ہے کہ ہم لوگ اس ملک میں محکوم ہیں۔ مغلوب ہیں۔ ضعیف ہیں اور اپنی حالت پیش نظر رکھ کر مذہب کو نباہنا ہی نہ جانے

۱؎ یعنے کوئی چیز علاوہ جو آنکھوں سے دکھائی دے ۱۲ ۲؎ گرفتاری۔ آزمایش ۱۲

ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کو مسلمان تمام روے زمین پر سلطنت کرینگے۔ بلکہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کی بھی تو یہ کی بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا[۱]۔ بیشک سلطنت بھی ایک رحمت الٰہی ہے اور وہ ان کو ملتی ہے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ[۲] ہم میں جب تک صلاحیت رہی سلطنت رہی۔ اب جو لوگ عند اللہ صلاحیت والے ہیں سلطنت پر مسلط ہیں کسی کے دل میں یہ وسوسہ نہ گزرے کہ سلطنت دنیا مذہب کے مقبول و نامقبول ہونے کی کسوٹی ہے۔ یہ انتظام الٰہی ہیں دوسرے مصلح[۳] پہلینی تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ[۴] یہ میرا خیال ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو دو متناقض حالتیں مغلوبیت و غلبہ اور عسر و یسر کی گزریں ہونہ ہو اس میں یہ حکمت مضمر[۵] رہی ہوگی کہ مسلمانوں کو ملائم و نا ملائم ہر طرح کی صورت میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ دکھا دیا جائے۔ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر کسی طرح کی تعدی کرنے کی قدرت تو باقی نہیں۔ لیکن ان کے برتاؤ میں جتنی اور جیسی چاہیے سازگاری بھی نہیں۔ جو لوگ عام ہیں کے عوام ہیں اُن کو ہندؤں سے لڑ بھڑنے کے لیے ایک ادنےٰ سا بہانہ بس کرتا ہے۔ رہے عیسائی معلوم ہے کہ وقت کے حاکم دولت اور عزت کے منبع[۶] ہیں اور کچھ نہیں تو ان کے ساتھ مذہبی مباحثات میں وہ احتیاط جس کا پاس ایک قوم مغلوب کو ہمہ وقت ہونا چاہیے ضرور فوت ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ وہ دنیاوی منفعتیں بھی ضرور فوت ہوتی ہیں یا اُن کے فوت ہونے کا ضرور خطرہ ہے جن کے لیے خدا نے ہم کو عیسائیوں کا دست نگر بنا دیا ہے۔ کوئی ہے ایسا ضابطہ کہ مذہبی مخالفت کو پرخاش اور ضد اور بے اعتمادی کی حد تک منجر[۷] ہونے نہ دے۔ ذرا اپنے نفوس کا احتساب کرو اور خدا کے لیے دریا میں رہ کر مگرمچھ کو مت دشمن بناؤ[۸]۔ چمن دنیا میں بہت دن خار بن کر رہ چکے۔ اب گل ہو کر رہو۔ تم کو یقین آئے یا نہ آئے۔ اگر یقین کرو گے تو مجھے کیا بخش دو گے فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ[۹] اور اگر یقین نہ کرو گے تو مجھ سے کیا چھین لو گے۔ میں سچے دل سے تم سب کے روبرو کہتا ہوں کہ میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں۔ بلکہ کسیقدر متعصب مسلمان یہاں تک

---

[۱] غریب حالت میں شروع ہوا اور عن قریب غریب حالت کی طرف عود کریگا ۱۲ [۲] ہمنے لکھدیا زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے ۱۲ [۳] ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھراتے ہیں ۱۲ [۴] مخفی ۱۲ [۵] سرچشمہ ۱۲ [۶] پہنچنے اس کی طرف متجاوز ہونے دے ۱۲ [۷] بازپرس ۱۲ [۸] جو کچھ مجھ کو اللہ نے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے ۱۲

کہ میں خود انگریزی بوٹ کا پہننا بھی پسند نہیں کرتا۔ ہرچند جانتا ہوں کہ لباس کو مذہب میں کچھ دخل نہیں۔ مگر میں نے کہا نہ کہ مجھ میں تھوڑا سا تعصب ہی میرا مزاج خلقۃً[1] کا نسرویٹو واقع ہوا ہے بااینہمہ میں مسلمانوں کے فایدے کی نظر سے باصرار کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو حقیقی اجنبیت اور وحشت اور نفرت نصاریٰ سے ہی مصلحت وقت کے خلاف ہی۔ اس زمانے کے نصاریٰ سے وہی نصاریٰ ہیں جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ وہی عقاید ہیں۔ وہی مسئلے ہیں۔ اِن ہی کی نسبت خدا فرماتا ہے لَتَجِدَنَّ[2] اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى یہ تو خدا کا فرمودہ ہے اُن وقتوں کا کہ اسلام برسر عروج تھا۔ اور دوسری قوموں کی دوستی اور دشمنی دونوں سے مستغنی۔ اب ہمارے برتاو کو دیکھو تو ہم نے اباعد[3] کو اقارب بنا رکھا ہے اور اقارب کو اباعد۔ اور کیا حال ہیں کہ ہم محتاج ہیں اور نصاریٰ سے محتاج الیہ۔ ہم محکوم ہیں اور نصاریٰ سے حاکم۔ عقل رکھتے ہو۔ شعور رکھتے ہو۔ سود و زیان میں تمیز کرنے کی سمجھ رکھتے ہو ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن　　　مصلحت بین و کار آساں کن

اگر ہمکو سوسائٹی کی ضرورت ہی تو اِس کی بھی ضرورت ہی کہ ہم اُس سوسائٹی سے جہاں تک ممکن ہو پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن جب سوسائٹی کے خیالات ہماری نسبت یہ ہوں کہ ہم کوڑ نیگٹے۔ مغرور زبر جوز غلط سرکش۔ تڑّے۔ ہیکڑی باز۔ لڑنے کو موجود۔ جھگڑنے کو تیار خیال کرتے ہوں تو بس معلوم ہوا کہ ہمکو سوسائٹی کی منفعتیں کماحقہا حاصل نہیں۔ میرے خاندان میں دکانیں اور مکانات کی قسم سے کچھ جائداد ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ ہندو کرایہ دار کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اُس سے کرایہ بآسانی اور پورا اور فی الوقت وصول ہو جاتا ہے مجھے ایک بندوبست کے مسلمان ڈپٹی کلکٹر کا حال معلوم ہے کہ اِن کی کچہری میں ادنے درجے کی محرری خالی ہوتی تو ادہدا[4] کر ہندو کو رکھتے اِس خیال سے کہ ہندو ڈر کر کام کرتا ہے۔ محنت سے جان نہیں چراتا میں نے بجائے خود آزمایا تو اُن کا خیال صحیح تھا۔ مہاجن لوگ تقاضے کے لیئے اکثر مسلمان پیادوں کو رکھتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ مسلمان سخت گیر ہوتے ہیں۔ حد خودداری تک تو اِن باتوں کا مضایقہ نہیں۔ اِس سے زیادہ میرے نزدیک داخل عیب ہے اور من حیث المعاشرۃ[5] خود مسلمانوں کے حق میں مضر سخت مضر۔ غرض جہاں تک مسلمان سمجھ[illegible]

---

[1] جبلتاً نا پسند ۱۲ [2] تو سخت دشمن مومنوں کا یہودیوں اور مشرکوں کو پائیگا دوستی میں بہت قریب ایمان والوں کا اُن کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ۱۲ [3] یعنی دور کے لوگوں کو قریب سمجھا اور قریب کے لوگوں کو دور ۱۲ [4] قصداً ۱۲ [5] از روئے میل جول کے ۱۲

قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ حقارت مذہبی ہی اعتبار سے کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کے اس طرز
منہاج سے میں ہرگز راضی نہیں۔ دوسروں کو سراسر غلط سمجھو اور بے شک وہ سراسر غلط ہیں لیکن غلطی کی وجہ سے
وہ لوگ قابل رحم ہیں نہ لائق نفرت۔ میں جانتا ہوں کہ انجمن حمایت اسلام کا یہ مقصد نہیں۔ لیکن مذہبی ردوکد
میں خواہی نخواہی دوسرے کے عیوب پر نظر پڑنے لگتی ہے۔ اس سے کہ ہم دوسروں کے عیب نکالیں بہت
زیادہ مفید ہوگا کہ ہم اپنے ہی عیوب کی تفتیش میں مصروف ہوں۔ میرا منصب وعظ کا نہیں۔ لیکن اگر میں اپنے نفس پر
دوسرے مسلمانوں کو قیاس کروں تو ہمارا حال سخت افسوس کے قابل ہے؎

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد — وائے اگر در پس امروز بود فردائے

زیادہ کہنے کی فرصت نہیں اور شاید موقع و محل بھی نہیں۔ مگر آؤ ذرا اپنے ایمان کو تو جانچیں کہ یہ بھی ٹھیک ہے یا
نہیں۔ اسلام کا لب لباب یا اس کی غرض و غایت جو کچھ کہو خدا کی توحید ہے۔ یہی چیز اصل میں تھی اور اسی کو ساری
دنیا نے یہاں تک کہ اہل کتاب نے مشتبہ اور متزلزل کر رکھا تھا اور اسی کو صرف اور خالص اور پاک اور پکا اور
مضبوط[1] اور مستحکم اور مشتہر کرنے کو ہمارے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے سارا قرآن من
اولہ الی آخرہ توحید میں سرشار ہے۔ جملے جملے سے توحید پڑی ٹپک رہی ہے۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے مزاج میں چشم پوشی اور درگزر اور تالیف قلوب اور آسانی کی کچھ انتہا نہ تھی صرف دنیاوی امور میں نہیں
بلکہ مذہبی امور میں بھی۔ حجۃ الوداع[2] میں کوئی کہتا مجھ سے فلاں رکن فوت ہوگیا آپ فرماتے لا باس[3] کوئی عرض
کرتا یا حضرت ارکان میں بے ترتیبی ہوئی ارشاد ہوتا لا باس۔ مسجد نبوی میں ایک بے تمیز بول[4] کرنے لگا۔ لوگ
مارنے دوڑے۔ فرمایا اس کو اطمینان سے فارغ ہو لینے دو۔ پھر نرمی سے سمجھا دیا۔ مسجد عبادت کے لیے ہے۔ اسارٰی[5]
بدر کے بارے میں باوجودیکہ اصحاب نے قتل کی رائے دی حضرت نے فدیہ[6] لیکر چھوڑ دیا۔ ایک منافق مرا اس کے
بیٹے نے التماس کیا کہ حضرت اس کے جنازے کی نماز پڑھائیں۔ آپ منع کرتے کرتے راضی ہوگئے۔ جب کبھی حضرت
کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا آپ ہمیشہ سہولت کا پہلو اختیار کرتے۔ حضرت انس کہتے ہیں میں نے دس برس
خدمت کی کبھی کسی بات پر مجھ کو ملامت کی ہی نہیں۔ گھر میں جو کچھ پکتا خوشی سے کھا لیتے اور نہ بھاتا تو منہ
سے کھانے کو برا نہ کہتے حطیم[7] کعبہ کو صرف اس وجہ سے داخل کعبہ نہ کیا کہ ایسا نہ ہو لوگ نئی بات سمجھ کر انکار

[1] مضبوط ۱۲ [2] پیغمبر صاحب کا آخری حج ۱۲ [3] کچھ حرج نہیں ۱۲ [4] پیشاب ۱۲ [5] جنگ بدر میں جو لوگ قید ہوئے تھے ان کو اسارٰی بدر کہتے ہیں ۱۲ [6] قیمت تاوان ۱۲ [7] خانہ کعبہ کے پہلو میں ایک جگہ ہے جو اصل میں داخل کعبہ تھی اور اب کعبے سے خارج ہے مگر طواف میں اس کو شامل کرنا ہوتا ہے

کریں۔ غرض سب باتوں میں نرمی تھی۔ اور نہیں تھی تو توحید کے بارے میں۔ فتح بدر کے بعد لڑکیاں شادیانے گانے لگیں۔ آپ خاموش لیٹے ہوئے سنا کیے۔ جب اُنہوں نے کہا کہ ہم میں پیغمبر غیب داں ہے جھٹ آپنے روکا۔ صحابہؓ نے چاہا کہ فارس کے قاعدے کے مطابق تعظیماً سجدہ کریں منع فرمایا۔ بلکہ لوگوں کے کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ اِس خیال سے کہ مبادا میرے پیچھے لوگ پرستش کرنے لگیں۔ چاہت کی کہ میری قبر زمین دوز بنانا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زندہ رہے توحید کی رخنہ بندیوں میں لگے رہے اب اُسی خدا پرست پیغمبر کی امت کو دیکھتے ہیں۔ قبر پرست۔ پیر پرست۔ تعزیہ پرست۔ رسم پرست۔ اوہام پرست۔ تدبیر پرست خواہش پرست۔ یعنے روزمرہ کی حاجتوں میں تو ہمکو اِس کی ضرورت پڑتی نہیں کہ بیٹھے بٹھائے خدا کو تکلیف دیں۔ اولاد۔ نوکری۔ تندرستی۔ دوستی۔ دشمنی۔ ہار جیت۔ میں نہیں سمجھتا کونسا مطلب ہے جو خدا کے بدون اٹکا رہے۔ اور اسکو کوئی نہ کوئی زندہ یا مردہ سالک[1] یا مجذوب[2] فقیر پورا نہ کرسکے۔ یوں تو اپنے دہی کو اپنے مونہہ سے کوئی کیوں کھٹا کہنے لگا۔ لیکن غیر ملک سے کسی ناواقف محض شخص کو آنے دو وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اگر فرق پائے گا تو اسیقدر کہ ہندو اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اپنے بزرگوں کی۔ مسلمانوں کو توحید کے بارے میں متزلزل دیکھ کر میں ذرا بھی تعجب نہیں کرتا یہ مرحلہ ہے ہی مزلۃ الاقدام[3] وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون[4] لیکن البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہی یا اُسی قسم کے افعال دوسری قوموں کا آدمی کرے تو مشرک اور مسلمان اُس سے بدتر سے بدتر بھی کرے پھر موحد کا موحد توحید کیا ہے۔ بی بی تمیز کا وضو ہے کہ وہ کسیطرح ٹوٹتا ہی نہیں۔ تاویلیں جو مسلمانوں کے مونہہ سے سُنی ہیں وہ اِس قسم کی ہیں جو دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں ھؤلاء شفعاءنا عند اللہ[5] ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی[6] یہاں کچھ لڑائی نہیں۔ جھگڑا نہیں۔ مباحثہ نہیں آپس کی بات ہے بحث کرنے پر آؤ تو کوئی بھی مجھ کو بند کردے گا وکان الانسان اکثر شیٔ جدلا[7] لیکن معاملہ خدا کا ہے یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور[8]

زور است ار پیش میر و بابا — با خداوند غیب داں نرود

---

[1] وہ درویش جنکے ہوش و حواس درست ہوں ۱۲ [2] جو اپنے آپ میں نہ ہو ۱۲ [3] قدموں کے پھسلنے کی جگہ۔ [4] اور بہت سے ان میں اللہ کو مانتے بھی ہیں تو ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں ۱۲ [5] یہ ہیں ہمارے شفیع اللہ کے پاس [6] ان کو ہم صرف اسواسطے پوجتے ہیں کہ ہمکو اللہ کا مقرب بنا دیں ۱۲ [7] اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے ۱۲ [8] آنکھوں کی چوری اور سینے کی چھپی باتوں کو جانتا ہے ۱۲

تھوڑی دیر کے لیے تعصب کو دور کر کے نظر انصاف سے دیکھو کہ عموماً مسلمان اس بلا میں مبتلا
نہیں۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اپنے ایمان کو تو ٹھیک کر لو تب ہی دوسروں کے پیچھے پڑ

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو ۔۔۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو[1]

مسلمان کہلانے بلکہ ہونے سے آدمی مومن نہیں ہو جاتا اور مومن ہوئے بغیر نجات نہیں۔ یہ
طرح کی بات ہے ؎

بسکہ دشوار ہے ہر چیز کا آساں ہونا ۔۔۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے اسلام اور ایمان کا فرق ظاہر ہو گا قَالَتِ الْاَعْرَابُ
اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ و
لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پھر آپ ہی مومن کی شناخت ب
ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ ایمان اور اس میں شک شبہ کا خطور نہ کرنا عمل قلب
اگرچہ اس کے آثار بھی آدمی کے اقوال افعال حرکات و سکنات پر مترتب ہوتے ہیں تاہم کوئی دو
کسی کے مافی الضمیر پر مطلع ہو نہیں سکتا۔ مگر ہاں وہی شخص بجائے خود اپنے نفس کا احتساب کر کے د
کہاں تک اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا کا مصداق ہے۔ ہاں جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں کوشش کرنا ایک ایسا امر ہے جس کو ہر کوئی دیکھ
سو خدا کی راہ کے بہت سے رستے ہیں۔ سب سے بہتر اور زمانے کی ضرورتوں کے ٹھیک مطابق وہ وہی جو انجمن حا
اسلام نے اختیار کر رکھا ہے۔ پس اس انجمن کو معمولی اور سرسری طور کی انجمن نہ سمجھو۔ یہ انجمن کسوٹی ہے کا
کی یا ایمان کی۔ میں تو اس انجمن کے بارے میں دو ٹوک رائے رکھتا ہوں۔ یا تو سب مسلمان ملکر اس کو
مٹا دو۔ یا رکھتے ہو تو اسکو اسلام کی شان کے مطابق بنا کر رکھو۔ یہ اونچی دکان اور پھیکا پکوان تو بڑی

---

[1] کہا اعراب نے ایمان لائے ہم۔ کہہ نہیں ایمان لائے تم بلکہ کہو کہ اسلام لائے ہم اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہ
اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۲ [2]
وہی ہیں جو اللہ اور رسول پہ ایمان لائے۔ پھر کسی قسم کا شک نہیں کیا اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے کو
کی۔ سچے ایمان والے وہی ہیں ۱۲

کی بات ہی۔ انجمن حمایت اسلام اور گھر گھر چٹکی چٹکی آٹا مانگے۔ چار چار آنے کے پیسوں پر وہ بھی ماہواری یا سیدھی
طرح کیوں نہیں کہتے دھیلے روز کی کوڑیوں پر اس کی ممبری ماری ماری پھرتے جن کو مقدور نہیں اَلَّذِیْنَ
لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ ان کی تو آٹے کی چٹکی بھی اکسیر کی چٹکی ہے۔ مگر مال و دولت والے۔ عزت و حکومت والے
نام و نمود والے۔ شان و شوکت والے۔ ساز و سامان والے۔ کس خواب غفلت میں ہیں ان پر حجت الٰہی تمام
ہو چکی۔ اگر اسلام سچا ہے تو ضرور باز خواست ہونی ہے۔ مانا کہ مسلمانوں میں اگلی سی فراغت نہیں رہی مگر کرنے
پر آؤ تو سب کچھ کر سکتے ہو۔ قطرہ قطرہ جمع ہو کر دریا بن جاتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ پیٹ کاٹ کر دو اپنی اپنی
جگہ سوچو۔ ایک متنفس ایسا نہیں جس کی آمدنی کا بڑا حصہ لغو اور فضول اور نامشروع طور پر ضائع نہ جاتا ہو +
بندگان خدا حامیان اسلام کی فہرست میں اپنا نام تو لکھوا رکھو۔ وہ شتہ آید بکار۔ اب یہ وقت ہی کہ مانگا جاتا
ہے اور تمہارے دل سے نہیں نکلتا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ ایک دن ہوگا کہ زبردستی سر پڑ کر ہاٹے کھا کر دینا
چاہو گے اور نہیں لیا جائے گا۔ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ
وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ كَلَّا مگر یوں کہو کہ عاقبت اور عاقبت کی باتیں
ہمکو افسانہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور ہم اگر مسلمان ہیں تو ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کے زمانے کے اعراب کہ وہ کہتے تھے اٰمَنَّا اور خدا فرماتا تھا لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ
الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔ خیر عاقبت سے قطع نظر کرو تو دنیا ہی میں ہمکو کون سی بہتری ہو رہی ہے۔ زوال سلطنت
کا تو مجھ کبھی خیال بھی نہیں آتا اُس بیہودہ بے تمیز نامنتظم سلطنت سے تو ہم انگریزی عملداری میں بڑے
ہی امن چین سے ہیں مجھ کو جس بات کا قلق ہے وہ یہ ہے کہ ہم دوسری رعایا سے لیاقت میں۔ خوشحالی
میں عزت میں۔ قرب حکام میں بہتر نہ ہوں تو پھسڈی اور پس ماندہ اور بدتر بھی نہ ہوں وہ بھی تو مسلمان ہی
تھے۔ جنھوں نے اسلام کے بل بوتے پر ایک سلطنت بنا کھڑی کی۔ اور ایک مسلمان ہم ہیں کہ سب کچھ کھو کر
اب روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔ سوچنے کی بات ہی کہ آخر وہ کیا چیز تھی جو اُن وقتوں کے مسلمانوں میں تھی

لہ جن کو اپنی مشقت کی مزدوری کے سوا کچھ نہیں ملتا ۱۲ ۔ ٹہ بازپرس ۱۲ ۔ تہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں
میری جان ہے ۱۲ ۔ تہ پسند کرے گا مجرم کہ کاش آج کے عذاب کے بدلے اپنے بیٹے۔ بیوی۔ بھائی۔ اپنے کنبے جن کو وہ پناہ
دیتا تھا اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا ۔ ۱۲ ۔ ہ نہیں ایمان لائے تم
بلکہ کہو تم اسلام لائے ہم اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ۱۲

اور ہم آج کل کے مسلمانوں میں نہیں۔ میں بتاؤں۔ وہ ہمدردی اور اخوت اسلامی تھی۔ اُن لوگوں کا حال یہ تھا
کہ کفار کے ہاتھوں سے تنگ آکر جو مسلمان پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ
میں آبسے مہاجرین کہلاتے تھے۔ یہ لوگ نہایت بے سروسامان تھے۔ کیونکہ بھاگ کر اور چھپ کر آئے تھے یہاں تک
کہ بعض کے تو پہننے اور کھانے تک کا ٹھکانا نہ تھا۔ اگر مدینے کے لوگ جو انصار کہلاتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے
مصیبت کے وقت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کی ہر طرح کی مدد کی تھی۔ خدانخواستہ
ہم جیسے تنہا خور۔ تنگ چشم[۵۱]۔ خود غرض مسلمان رہے ہوتے تو بیچارے مہاجرین پردیس میں فقروفاقہ سے
ہلاک ہو گئے ہوتے۔ لیکن انصار نے انہیں رہنے کو مکان دیئے۔ اپنے یہاں مہمان رکھا۔ مہمان نوازی کے
قاعدے سے خاطر و مدارات کی۔ یہاں تک کہ انصار میں سے ایک شخص کے پاس جاہلیت کے دستور کے
مطابق متعدد بیبیاں تھیں انہوں نے ایک بی بی کو طلاق دے کر اپنے بھائی مہاجر کا گھر آباد کرا دیا۔ پھر تمام
انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرتؐ ہمارے بھائی مہاجر ٹھیرے پردیسی
یہاں ان کی کوئی معاش نہیں۔ ہمارے باغات ہیں اُن میں اور ہم میں بانٹ دیجئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں تمہارے باغ تم کو مبارک۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہم غریب الوطنوں کو محنت مشقت
میں شریک کر لو۔ اور پیداوار میں سے حصہ بانٹ دیا کرو۔ ایک بار مال غنیمت میں سے مہاجرین کو حاجتمند
دیکھ کر حضرتؐ نے کچھ زیادہ حصہ دے دیا۔ انصار میں سے بعض نوجوان آدمی اپنی جگہ ناخوش ہوئے
حضرتؐ کو خبر پہنچی۔ آپ نے انصار کو جمع کر کے اس کی وجہ سمجھائی اور فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اللہ
اور اللہ کا رسولؐ تمہارے حصے میں ہوں۔ تمام انصار یک زبان ہو کر بول اُٹھے کہ یا حضرتؐ ہم بخوشی اجازت
دیتے ہیں کہ ہمارے حصے کا مال بھی مہاجرین کو دیجئے۔ بھائیو میں تم کو تو کچھ نہیں کہتا اللہ اعلم بحال اللہ
مگر میں اپنے ایمان کو اُن لوگوں کے ایمان سے ملاتا ہوں۔ تو خدا کی قسم اسلام کا نام لیتے ہوئے مجھ کو
شرم آتی ہے ؎

واے بر من وسے بہ انجام من | عار دارد کفر از اسلام من

غرض ان لوگوں میں اس درجہ کی اخوت اور یکجہتی[۵۲] تھی جس کے برتے پر انہوں نے اسلامی سلطنت قائم
کی۔ اب اخوت کی جگہ لڑائی ہے۔ جھگڑا ہے۔ عداوت ہے۔ حسد ہے۔ پھوٹ ہے۔ بدخواہی ہے ایک

۵۱ کنجوس۔ بخیل ۵۲ خدا ہی خوب جانتا ہے۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ۵۳ بھائی بندی

ایک نہیں دیکھ سکتا۔ اگر زید کو پیٹ بھر کر روٹی مل گئی تو اس کے پڑوس والے فاقہ کریں تو اس کی بلا سے اور بھوکے مریں تو اس کی بلا سے۔ اس کے پاس اگر دفع برد[1] کا سامان ہے تو پھر اسکے ذہن میں نہیں گزرتا کہ اسکے ابنائے جنس کو بھی سردی کا احساس ہوتا ہے۔ اور ان کو اگر کپڑا میسر نہیں آتا تو آگ اور دھوپ کے سہارے سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار۔ دھوپ کی تابش آگ کی گرمی۔ وقنا ربنا عذاب النار[2]۔ قرون اولے[3] کے لوگوں میں بھی باہمی اختلاف تھے۔ لیکن ان اختلافات کی وجہ سے اُن کی اُخوّتِ اسلامی میں خلل نہیں آتا تھا۔ جیسے انگریزوں کی ولایت میں پولیٹیکل گروہ کنزرویٹو لیبرل لنیسٹ سپرٹسٹ گلیڈسٹونین پارنلائٹ کہ ایک کی کاٹ میں ایک لگا رہتا ہے۔ مگر نفس سلطنت پر سب جان دے دیتے ہیں بعینہٖ ایسا ہی حال قرون اولے کے مسلمانوں کا تھا۔ لڑتے بھی تھے اور جھگڑتے بھی تھے۔ مگر سلطنت اسلامی کی خیر خواہی میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ اب ہم لوگوں میں بھی برا بھلا اسلام تو ہے۔ مگر کامن کاز۔ یعنی غرض مشترک کے رنگ میں نہیں۔ جس کو دیکھو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد بنانے کی فکر میں ہے۔ مذہبی گروہ اتنے نکل پڑے ہیں اور نکلتے چلے آتے ہیں کہ یہی اختلاف اسلام کے ضعیف کر دینے کو کافی ہے۔ دو مولوی کسی جزوی مسئلے میں مختلف ہوئے۔ اور دو پارٹی[4] بنے۔ اور لگا ایک دوسرے کی تکفیر[5] کرنے۔ تو کس تہذیب کے ساتھ کہ جوتا اور لٹھ اور کنٹاب[6] اور قبقاب اور نشتر فقیر در رگ میر عجیب عجیب ناموں کی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ اور اس کشمکش میں اسلام ہے کہ اُس کی مٹی خوار ہے۔ یہی دیکھ کر میں نے تھوڑی دیر ہوتی کہا تھا اسلام کو خارج سے خوف نہیں جو خطرہ ہے داخل سے ہے۔ پہلے تو لوگ کہا کرتے تھے انگریزی پڑھنے سے آدمی عیسائی ہو جاتا ہے اب عیسائیت کا خدشہ تو جاتا رہا۔ اس کی جگہ عام خیال یہ ہے کہ انگریزی تعلیم لامذہبی سکھاتی ہے۔ یہ خیال پہلے خیال سے کہیں زیادہ بے اصل ہے۔ میں اسلام و عیسائیت اور انگریزی تعلیم سے واقف ہوں اور بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر فی الواقع انگریزی تعلیم سے اسلام کو مثلاً روپے میں دو آنے خدشہ ہے تو عیسائیت کو اٹھارہ آنے۔ لاکھوں معجزات۔ ہزارہا تعجبات۔ آسمان فرشتے۔ جنات۔ دوزخ۔ بہشت کیا ہے جو عیسائیوں میں نہیں۔ تو اگر تعلیم انگریزی مذہب سے آزادی

---

[1] یعنے سردی کو دور کرنے کا ۱۲ [2] اے رب ہمارے آگ کے عذاب سے بچا ۱۲ [3] یعنے پیغمبر صاحب کے اصحاب اور اُن کے بعد تابعین اور اُن کے بعد تبع تابعین ۱۲ [4] ۱۲ [5] ۱۲ [6] یہ گروہ ہیں جن کی رائیں امور ملکی میں بعض بعض باتوں میں مختلف ہیں ۱۲ [7] گروہ ۱۲ [8] کافر بنانا ۱۲ [9] بڑا اسا لیٹرا۔ ہم تو اس کے معنے یہی سمجھتے ہیں مگر اس کے اصلی معنے مصنف کتاب کو معلوم ہوں گے اور اسی طرح قبقاب ۱۲

سکھاتی ہوتی خود پادری کب اس کو جائز رکھتے۔ انگریزوں میں مذہبی تعصب اس درجہ کا ہی کہ رومن کیتھلک[1] عقیدے کے لارڈ رپن گورنر جنرل مقرر ہو کر آئے تو ایک غل سا مچ گیا۔ مسٹر بارنل نے انجیل پر حلف لینے سے انکار کیا تو سب کے سب مارنے کو چلے۔ یوں مذہبی باتوں میں غفلت اور سہل انکاری سبھی سے ہوتی ہے۔ مگر اس سے لامذہبی کا الزام عاید حال نہیں ہوتا۔ یہ بات البتہ غور کرنے کی ہے کہ اگر انگریزی تعلیم لامذہبی کی محرک نہیں تو انگریزی خوان متزلزل العقیدہ کیوں ہوتے ہیں مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی ھٰٓؤُلَآءِ[2] اس بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی کا قصور ہے اگر ہمارے گھروں میں مرد اور عورت مذہب کے پابند ہوں۔ اور بچے ماں باپ اور رشتہ داروں کو دیندارانہ زندگی کرتے ہوئے دیکھیں تو یہ بجائے خود سب سے زیادہ مؤثر تعلیم ہے۔ انگریزی ہمارے بچوں کو لامذہب نہیں بناتی بلکہ اُن کو لامذہب بناتے ہیں ہم اور ہمارے بُرے نمونے اور مذہب کے بارے میں ہماری بے اعتنائی۔ ہماری بے مبالاتی[3]۔ دنیاوی علوم کے علاوہ علوم مذہبی کا بوجھ بچوں پر ڈالوگے۔ تو یقیناً ہندوؤں سے بازی نہیں لیجا سکوگے میری قطعی رائے یہ تھی کہ تعلیم کے سلسلے سے تو مذہب کو رکھو خارج اور سوسائٹی کی اصلاح کو بنا و قایم مقام مگر کیا کریں رونا تو یہی ہے سوسائٹی ہی کام کی نہیں۔ جب تک ایماندار ماں باپ نہوں اولاد کا سدھرنا معلوم۔ اسی غرض سے انجمن حمایت اسلام نے مجبور بچوں کی دینی و دنیوی دونوں طرح کی تعلیم شروع کی ہے امید ہے اس تدبیر سے ہمارے لڑکوں کے دین کی بھی پوری پوری حفاظت ہوگی اور دنیاوی علوم میں بھی بھروسے کے ساتھ دوسری قوموں کا مقابلہ کرسکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ میری اس رائے سے اختلاف کرینگے۔ مگر سوچو۔ غور کرو۔ اہل الرائے سے صلاح لو۔ اس کے بعد بھی اگر یہ رائے ناپسند ٹھیرے مت ماننا۔ لیکن خدا کے لیئے کہیں ایسا نکرنا کہ کسی مولوی سے جا لگاؤ۔ میرے نامۂ اعمال میں کفر کے فتوےٰ کی گنجایش نہیں حقیقت میں میری بھی عجیب رائے ہے۔ سارے جہان سے نرالی۔ جدھر دیکھو تعلیم تعلیم کا غل ہو رہا ہے۔ اور میں یہ سوچا کرتا ہوں کہ جس قدر تعلیم اس وقت تک ہو چکی ہے وہ بھی ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ابھی تک میرے نزدیک تعلیم کے اصول ہی ٹھیک نہیں ہوئے۔ کس طرح کا خلط مبحث ہو رہا ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس وقت ساری تعلیم کا ماحصل ہی نوکری

[1] یہ بھی عیسائی مذہب کا ایک گروہ ہے۔ جس میں حضرت مریم کی بہت بڑی تعظیم ہے اور یہ لوگ مقدس پرست ہیں ۱۲ [2] نہ ادھر نہ اُدھر یہ بلا کہ صر ۱۲ [3] بے پروائی ۱۲

دیکھتا ہوں کہ ایک عالم نوکری کے خبط میں گرفتار ہے۔ جن کا پیشہ نوکری ہے وہ اور جن کا پیشہ نوکری نہیں وہ
جن کو ضرورت ہے وہ اور جن کو ضرورت نہیں وہ۔ اور جو اہل قلم کے خاندان سے ہیں وہ اور جو اہل قلم
کے خاندان سے نہیں وہ۔ جو سوسائٹی میں شریف سمجھے جاتے ہیں وہ اور جو شریف نہیں سمجھے جاتے وہ
جس کو دیکھو نوکری کے لیئے تیار ہو رہا ہے۔ الٰہی کیا نوکریاں آسمان سے برسیں گی یا زمین سے اُبلیں گی
اور نہیں برسیں گی اور نہیں اُبلیں گی تو یہ اتنی ساری مخلوقات جنھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ ایسی آرزو
میں صرف کر دیا کیا کر کے کھائیں گے۔ پس میرے نزدیک تعلیم کی رفتار حد سے زیادہ تیز ہو گئی ہے
اس کو ذرا مدہم کیا جاوے۔ جو لوگ دوسرے دوسرے پیشوں سے معاش پیدا کر سکتے ہیں اُن کو تعلیم
کی ترغیب دینا ہرگز قرین مصلحت نہیں۔ پھر اس تعلیم کی نسبت یہ خیال کرنا کہ بس یہی ہے وہ چیز جو ہمکو
درکار ہے بڑی مکروہ غلطی ہے۔ انگریزی عملداری میں ایک سخت مشکل درپیش ہے کہ ہم کو بھی چار ناچار
ہاتھیوں کے ساتھ گنّے کھانے پڑتے ہیں۔ اہل یورپ کی ہنرمندی اور صناعی اور ایجاد ہمکو پنپنے
نہیں دیتی۔ معاش کے جتنے کسب ہمکو یاد تھے مٹ گئے اور رہے سہے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ بس امید
میں اتنی جان باقی ہے کہ اہل یورپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کی زمین کو اُٹھا کر ولایت نہیں
لے جا سکتے۔ ان کے ساتھ کمپیٹ[له] کرنا تو محال عقل ہے اتنا بھی ہو جاوے کہ ہم اُن کی نقل و تقلید کرنے
لگیں تو جانو کہ سب کچھ پا لیا۔ یہ ہونی چاہیئے غرض و غایت تعلیم کی۔ تعلیم ہر وجہ سے تو یہ نتیجہ نہ حاصل
ہوا ہے اور نہ حاصل ہوگا۔ اس کے لیئے خاص کر وہ لوگ منتخب ہونے چاہئیں جن کی طبیعتوں میں
ان علوم و فنون کے اخذ کرنے کی مناسبت پائی جاوے۔ لیکن بہت باتیں بنانے سے کام نہیں نکلتا
منصوبے سوچنے والے تو میری طرح سیکڑوں ہیں کوئی کرنے والا بھی ہے۔ جانتے ہو کہ کرنا کیا چیز ہے
کرنے کے معنے ہیں کچھ دینا۔ فنڈ ہوں تو سب کچھ ہو۔ ایسے ایسے فنڈوں کی اوس سے جیسے تمہاری
انجمن حمایت اسلام کے پاس ہیں قوم کی پیاس بجھ چکی۔ ولایت سے اُستاد بلواؤ کلیں منگواؤ۔ ہونہار
نوجوانوں کو ولایت چلتا کرو کہ وہاں طرح طرح کے کام سیکھ کر آئیں اور یہاں آکر اُن کاموں کو پھیلائیں
تب جانتا کہ قوم کے کچھ دن پھرے۔ انجمن حمایت اسلام نے اگر ڈیڑھ دو درجن یتیموں کی پرورش کی
یا آدھی درجن رانڈوں کی تو خوب کیا بہت اچھا کیا۔ ممبر قابل مدح ہیں اور چندہ دینے والے مستحق شکرگزاری

[له] مقابلہ ۱۲

لیکن قوم کی حالت اس قدر خستہ ہو رہی ہے کہ مجھے لاہور کا حال تو ٹھیک معلوم نہیں دہلی میں ہزارہا عورتیں ہیں شوہر موجود اور وہ بیوہ سے بدتر۔ ہزارہا بچے ہیں ماں باپ دونوں زندہ اور وہ یتیموں سے بڑھکر خوار مسلمانوں میں سیکڑوں طرح کے عیب ہیں۔ بے دینی ہے۔ بدعقلی ہے۔ ناعاقبت اندیشی ہے۔ تعصب ہے۔ بے ہنری ہے۔ جہالت ہے۔ کاہلی ہے۔ شیخی ہے۔ نالیاقتی ہے۔ بے حمیتی ہے اور مقدور ہے تو اسراف ہے۔ لیکن سارے عیب ایک طرف اور اکیلی نفسی نفسی ایک طرف۔ جب تک یہ نفسی نفسی نہیں نکلے گی قوم نہ درست ہوئی ہے اور نہ درست ہو گی۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں تو قومیت اُٹھتی چلی جاتی ہے۔ سعدی علیہ الرحمتہ نے ہمدردی کے مضمون کو کس عمدگی سے ادا کیا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

بھلا یہ تو اعلےٰ درجے کی ہمدردی ہے کہ آدمی آدمی کا درد کرے۔ ہم کو یہ رتبہ کہاں نصیب۔ یہاں تو اسلامی ہمدردی بھی اسقدر ضعیف اور مضمحل ہے کہ گویا نہیں۔ ہم میں سے اگر کسی کو فکر ہے بھی تو اپنی پرداخت کی اس کو کوئی نہیں سمجھتا کہ جب تک قوم کی حالت درست نہ ہو شخصی حالت جیسی چاہیئے کبھی درست ہو نہیں سکتی۔ اس کی بہت سی مثالیں ہر جگہ موجود ہیں کہ ادنے درجے کے لوگوں میں سے کوئی شخص صاحب مقدور ہو بھی جاتا ہے تاہم قومی حقارت کے داغ کو ناصیہ حال سے نہیں دھو سکتا۔ اس کے رہنے کی کوٹھی آراستہ اور شاندار ہوگی۔ اس کا لباس فاخر اور قیمتی ہوگا۔ اس کے خدمتگار وردی پوش ہوں گے۔ اس کے پاس متعدد سواریاں ہوں گی۔ اس کا خرچ وافر اور اُجلا ہوگا شاید وہ لکسن[^1] ہو کر کے میونسپل کمشنر بھی بن گیا ہوگا۔ مگر کہلائے گا موچی کا موچی۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ مسلمان ہونا موجب عار و منقصت[^2] سمجھا جائے۔ لیکن اگر مسلمان زمانے کا رُخ نہ دیکھیں جیسا کہ دیکھتے ہو کہ نہیں دیکھتے اور اُن کے قبضے سے دولت نکلتی چلی جائے جیسا کہ دیکھتے ہو کہ نکلتی چلی جا رہی ہے تو بھائیو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی وہ روز بد تو آکر رہے گا۔ پدر رہے گا۔ گھر میں بیٹھ کر ع

پدرم امیر خاں بود است

کہہ دینے سے عزت نہیں بنتی۔ اس زمانے میں عزت کی شناخت ہی لیاقت اور لیاقت بھی وہ لیاقت

[^2]: عیب ۱۲

نہیں جس کو تم نے لیاقت سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ لیاقت جس کو وقت کے بادشاہ انگریز مانتے اور پسند کرتے اور جس لیاقت کے بل پر اہل یوروپ کودتے ہیں۔ اس سے شاید کوئی شخص بھی انکار نہیں کرے گا کہ جو لیاقت اس زمانے میں درکار ہے اُس کا حاصل ہونا تو ہنوز دلّی دور اس کے حاصل کرنے کا جیسا چاہیے اور جتنا چاہیئے شوق بھی نہیں۔ ہم کیونکر سمجھیں کہ قوم نے لیاقت کی ضرورت کو سمجھا اگر کچھ ہوا بھی ہے تو اُس کا کریڈٹ[1] تمام و کمال گورمنٹ کا حق ہے۔ لیکن نہ گورمنٹ پر انصافا لازم ہے اور نہ گورمنٹ اتنا بھاری بوجھ اُٹھا سکتی ہے کہ ہمکو ہماری حاجت کی قدر تعلیم دے مانا کہ ہم مفلس ہیں۔ محتاج ہیں بے مقدور ہیں۔ لیکن ایسے گئے گذرے بھی نہیں۔ سب کے سب کرنے پر آئیں تو خدا جانے کیا کریں۔ میں کہتا ہوں کہ جو لوگ دے سکتے ہیں۔ بار بار نہیں۔ جی مضبوط کر کے ساری عمر میں ایک دفعہ سچے دل سے روپیہ پیچھے ایک ایک پیسہ بھی دے نکلیں تو مسلمانوں کا بیڑا پار ہے۔ یہ کچھ کم خوشی کی بات نہیں کہ چند روز سے مسلمانوں میں تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ وہ پہلے غافل پڑے سوتے تھے۔ کہ سر پہ ڈھول بجاؤ خبر نہیں اب کلبلاتے اور کروٹیں بدلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند ہوشیار ہو چلی ہے۔ اب اتنی ہی بات کی کسر ہے کوئی شاباش ہے میرے شیر کہے اور ذرا سہارا بھی لگائے تو جھٹ سے اُٹھ کھڑے ہوں۔ چونکہ خدا نے اتفاق میں بڑی قوت دی ہے۔ سب سے بہتر تو یہ تدبیر تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک جگہ کوشش ہوتی یعنے سارے ہندوستان کے لیے ایک فنڈ ایک انجمن۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہو سکا اور نہیں ہو سکتا تو خیر ہر صوبے پیچھے ایک فنڈ ایک انجمن سہی اس سے کہ ایک ہی شہر میں کئی کئی انجمنیں ہوں کوئی فائدہ معتد بہ مترتب ہونے والا نہیں افتراق کا ضروری نتیجہ ہے کشمکش اور کشمکش کا ضروری نتیجہ ہے ضعف جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم[2] اور اگر فی الواقع بتقاضاے اخوت اسلامی یا بامید ثواب عاقبت یعنے خالصۃً للہ مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح میں کوشش کی جاے جیسا کہ ہر ایک انجمن کے ممبر مونھ سے کہتے ہیں تو تعجب ہے کہ سب کے سب ایک کیوں نہیں ہو جاتے الجنس یمیل الی الجنس[3] یہ تمام کوششیں جدید العہد ہیں اور ابھی سے ان میں مغایرت کا ہونا میری راے میں کچھ ٹھیک سی بات

---

[1] استحقاق یعنی ثنا ۱۲ [2] آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ اور ایسا کرو گے تو تم میں بزدلی آجاے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جاے گی ۱۲ [3] کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۱۲

نہیں۔ ہمکو بہت کچھ کرنا ہے پہلے ہم صلاح ہو کر کاموں کی فہرست بناؤ اور پھر الاقدم فالاقدم[1] کے لحاظ سے یکے
بعد دیگرے سب کے سب ایک ایک کام کر چلو۔ اسلام کی مثال ایک وسیع عمارت کی سی ہے تمامتر بوسیدہ شکستہ
مرمت طلب آیا یہ بہتر ہوگا کہ ہم ہر طرف کام جاری کردیں جیسا کہ ہو رہا ہے۔ یا یہ کہ ایک ایک قطعے کی درستی کرتے
جائیں جیسا کہ میں نے آپ صاحبوں کی خدمت میں عرض کیا۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ جتنی دیر مجھکو ریل سے
یہاں آنے میں لگی اتنی ہی دیر تک میں آپ صاحبوں کو باتوں میں لگائے رہوں لیکن جو کچھ
میں نے کہا اس غرض سے نہیں کہا کہ آپ صاحب ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے
نکال دیں۔ بلکہ اس غرض سے کہا کہ اس پر آپ غور اور غور کے بعد عمل کریں۔ سننے
اور سوچنے اور عمل کرنے میں یقیناً اس سے زیادہ وقت صرف ہوگا جو
میں نے یہاں آنے میں صرف کیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ
جو میں واپس جانے میں صرف کرونگا۔ بہر کیف میں آپ
صاحبوں کا نہایت شکر گزار رہوں کہ آپ
صاحبوں نے میرے بیان کو متوجہ
ہوکر سماعت فرمانے سے
عزت دی اگرچہ میں
اس عزت
کا کسی طرح مستحق نہ تھا اور اب کہ میری آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا ہی امید کرتا ہوں
کہ انشاءاللہ اگلے سال پھر انہی دنوں یا شاید کوئی تقریب پیش آئے
تو اس سے بھی پہلے مجھ کو پھر آپ صاحبوں کی ملاقات کی
خوشی حاصل ہوگی خدا کرے ایسا ہو
آمین۔ والسلام

[1] مطلب یہ ہے کہ نہایت ضروری اور بہت ضروری اور ضروری میں ترتیب کا لحاظ رکھیں ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچر

مسلمانوں کی حالت پر

جو جناب ممدوح نے محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے چوتھے سالانہ جلسہ منعقدہ علی گڈھ میں ۲۸-دسمبر ۱۸۸۹ء کو دیا

تمہید

علی گڈھ میں اس کے تیسرے برس مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے پھر بھی لکچر دیا۔ مگر یہ پہلا برس ہی معلوم کا تھا۔ اس میں لوگوں کی بڑی کثرت تھی۔ اور لوگ بھی چپ چاپ۔ اور علی گڈھ کالج کے اسٹریچی ہال میں ہوا تھا۔ اس میں اہل پنجاب بھی بہت شریک تھے۔ اسکے بعد سے تو پنجابیوں نے آنا ہی موقوف سا کردیا۔ اور غالب ہے کہ مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کے لکچر سننے کا اشتیاق اُن کو یہاں کشاں کشاں لایا تھا ۱۲

مُہر خاموشی تھی مدت سے میرے مونھ پر لگی	ہر برس لکچر کے دینے کی یہ کیسی کر لگی
سید احمد خاں کی خاطر ہی وگرنہ میں کہاں	اور کہاں یہ بھیڑ جو ہے اندر اور باہر لگی
پھر خدا جانے ملے کب موقع اظہار حال	بات اب کوئی نہ رکھیو اے دل مضطر لگی

سلہ کر لگنی یعنی خرچ کو مراد یہ ہے کہ لکچر کا دینا کر کی طرح لازم ہوگیا ۱۲ سلہ بات کو لگا رکھنا یعنے اُٹھا رکھنا ۱۲

رحم کر یارب کہ اب امت تیرے محبوب[1] کی — اس کی حالت دمبدم ہونے بہت ابتر لگی

نسل شاہان سلف عبرت کی جا ہے دوستو — بھیک کے ٹکڑے سے نکل کر مانگنے در در لگی

کیا پنپ سکتے ہیں بے امداد غیبی یہ غریب — مفلسی کی جن کو ایسی بہار ہی اک ٹکر لگی

بچ گیا ہے کوئی جس پر قہر کی بجلی گری؟ — کوئی سنبھلا ہے کہ جس کو دہر کی ٹھوکر لگی

علم ہے بالخاصہ گرچہ علاج درد قوم — لیکن اس میں بھی مثل کی ہے اک پچڑ[2] لگی

کچھ نہ ہو تو بھی کتابوں کی تو قیمت چاہیے — اس سے پہلے فیس جو اکثر[3] سے ہے اکثر لگی

پڑھ چکا مفلس کہ جوں لی ہاتھ میں اس نے کتاب — قل ہو اللہ[4] پڑھنے انتڑی پیٹ کے ازبر لگی

علم سے دولت ہے اور دولت سے ہے سب علم و فضل — کشتی تقدیر کھانے دور کے چکر لگی

جو قوم سلطنت جیسی نعمت اور رحمت کو اپنی نالایقی کی وجہ سے کھو بیٹھی ہو۔ جو تمام اقوام معاصر[5] کے مقابلے میں دولت اور عزت اور لیاقت اور اقتدار اور اعتبار سب باتوں میں ہیٹی ہو اور جس کے اکثر افراد کے دلوں پر ولللارض حکم الکل[6] منافست کی ذراسی گدگدی بھی نہ ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسی قوم کا کوئی شخص کسی بات پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم مسلمانوں میں بالنسبۃ الی اقوام اخر شخصی عزتیں کم بہت کم ہیں۔ مگر ہیں۔ لیکن چونکہ قوم سے عزت سلب ہو گئی ہے۔ شخصی عزت والے اس شعر کا مصداق ہیں

طاؤس را بنقش و نگار سے کہ ہست خلق — تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

کوئی اس کو یقین کرے یا نہ کرے میں نے اپنے لیے روپیہ کمانے کی تو کوشش کی۔ وہ بھی تعزز کی نظر سے نہیں بلکہ فارغ البالی کی غرض سے۔ شخصی عزت کی طرف سے میرا دل کچھ ہمیشہ سے ایسا بجھا ہوا سا ہے کہ میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کا خیال نہیں کیا۔ کیونکہ میں قومی عزت کے بدون شخصی عزت کو اصلی عزت نہیں بلکہ عزت کا ملمع سمجھتا ہوں۔ شخصی عزت تو درکنار مجھ کو تو روپے سے بھی وہ خوشی نصیب نہیں جو ایک معزز قوم کے آدمی کو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ مال سے کیا متمتع ہو سکتا ہے وہ بدبخت جس کے بعض مصیبت زدہ رشتہ دار دلی میں دستکاری سے اور بجنور میں کاشتکاری سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ ان سب کی دستگیری کا

[1] جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۱۲ [2] زیادہ سے زیادہ ۱۲ [3] زیادہ ۱۲ [4] خالی پیٹ میں جو قراقر ہو اس کو انتڑی کا قل ہو اللہ پڑھنا کہتے ہیں ۱۲ [5] ہم عصر، ہم عہد ۱۲ [6] جب اکثر لوگوں کا ایک حال ہو تو کہا جاتا ہے کہ سب کا وہی حال ہے ۱۲ [7] بڑھ جانے کی خواہش ۱۲ [8] دوسری قوموں کے مقابلے میں ۱۲

کریں اتنی توفیق نہیں - ان کی مصیبت کا مطلقاً احساس نہ ہو - ایسا دل نہیں - میں تو خیر ایک متوسط الحالت آدمی ہوں - جو لوگ بڑی لمبی چوڑی شخصی عزتیں رکھتے ہیں ہیں تو ان کے عیش کو بھی ایسی کدورتوں سے صاف نہیں پاتا - کچھ اس طرح کا ٹیڑھا وقت آگیا ہے کہ اس زمانے کے اسلام اور خوش دلی میں مانعۃ الجمع[1] کی سی نسبت قائم ہوگئی ہے - بعض وَقَلِیْلٌ مَّا ھُم[2] جن کو خوش ہونے کا موقع ہے خدا کا فرمودہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ[3] اُن کو بھی چین سے نہیں رہنے دیتا - لیکن دنیا کا کارخانہ اسی طرح چل رہا ہے کہ دنیا خوشی کی جگہ نہیں - خاصکر اس زمانے کے ہم مسلمانوں کے لیے اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِن[4] لیکن اسی میں لوگ خوشی بھی منا لیا کرتے ہیں - مگر میری طبیعت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ خوشی سے بہت ہی کم متاثر ہوتی ہے ؎

جہاں میں ہوں غم و شادی بہم - ہمیں کیا کام ٭ دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل - کہ شاد نہیں

تاہم جیسی ناتمام - ناقص - ادھوری - ادعائی[5] - مصنوعی خوشی کسی مسلمان کو ہونی ممکن ہے - مجھ کو اسوقت حاصل ہے - کیونکہ میں اس عالی شان دلکش ہال میں ایسے معزز اور لائق اور باوقار آڈئینس (حاضرین) سے خطاب کر رہا ہوں - چار دانگ ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ نمود اور تیاری کی اور بہت یادگاریں مسلمانوں کی ہیں ؎

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

لیکن یہ عمارتیں ہمکو یاد دلاتی ہیں بڑے یا بھلے شخصی ولولے - شخصی تقاضے - مسلمانوں کی ایسی شاندار قومی عمارت سارے ہندوستان میں شاید یہی ایک عمارت ہی - جس میں اس وقت ہم لوگ جمع ہیں ملک کو فائدہ پہونچانے کے اور بھی طریقے ہیں - مگر جس غرض سے یہ عمارت بنائی گئی ہے - قومی بہبود اور قومی ترقی کا اصل الاصول ہے - میں نے متعدد آدمیوں کے موںھ سے سنا ہے کہ علی گڈھ محمڈن کالج - جس کا اسقدر ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے - بیش نہیں نیست کہ ایک کالج ہے - اور بس - بیشک علی گڈھ محمڈن کالج ایک کالج ہے اور بس - لیکن ہمارا اپنا مسلمانوں کا یہ جو فرق ملوک و مستعار اور جو تفاوت خویش و بیگانہ میں ہوتا ہے وہی اس کالج اور دوسرے کالجوں میں ہے ؎

---

[1] منطق کی اصطلاح سے مطلب یہ ہی کہ اسلام اور خوشدلی یکجا نہیں ہوسکتی ۱۲ [2] ایسے کم ہیں ۱۲ [3] مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲ [4] دنیا مسلمان کے لیے قیدخانہ ہے ۱۲ [5] من سمجھوتی ۱۲

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

جس کو اسلام کے ساتھ محبت ہو۔ اس کالج کا نام ہی اُسکے گرویدہ کرنے کے لیئے کافی ہے ومن شیمہٖ
حُبُّ الدیارِ لاھلِہا۔ للناسِ فیما یعشقونَ مذاہبُ۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ محمڈن کالج کو انٹیٹی یعنی مقدار
یا کوالیٹی یعنی صفت۔ کسی اعتبار سے بھی مسلمانوں کے درد کی کافی دوا نہیں۔ لیکن کیوں کافی نہیں؟ اس لئے
کہ فنڈ نہیں۔ فنڈ کیوں نہیں؟ نہ اسلیے کہ مسلمانوں میں مقدور نہیں۔ اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اگر
کرنے پر آئیں تو بہت کچھ۔ بلکہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر دبی زبان سے کہنا کیا ضرور ہے سیدھی اور صاف اور سچی بات
یہ ہے کہ فنڈ کا توڑا اس وجہ سے ہے کہ مسلمان نہیں۔ میرا یہ کہنا آپ سب صاحبوں کو ناگوار معلوم ہوگا۔ بلکہ
جو مسلمان سُنے گا اُس پر ضرور گراں گزرے گا۔ اور میں نے بھی بڑی ہی مجبوری سے یہ الفاظ موںہہ سے
نکالے ہیں۔ لیکن انشاء اللہ تعالی پانچ منٹ نہیں گزرنے پائیں گے کہ میں آپ لوگوں کے موںہہ سے نہیں
تو دل سے ضرور اس بات کو تسلیم کرا لوں گا۔ اس کہنے سے کہ مسلمان نہیں۔ خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں
کہ کسی کی تکفیر کروں۔ میرے مذہب میں کسی کی تکفیر خود کفر ہے۔ اور کلیۃً مسلمان نہیں۔ میں سے۔ میں
اپنے تئیں بھی مستثنی نہیں کرتا۔ مجھ کو معلوم ہے کہ اس ہندوستان میں ہم پانچ کروڑ سے زیادہ ہی زیادہ
مسلمان ہیں۔ اور ان پانچ کروڑ میں ہزاروں نہیں تو سیکڑوں رنگ ہیں۔ شیعہ ہیں جن کی عزاداری سے
ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں نسل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے جھوٹوں کسی کا پسینہ گرے وہاں سچوں بے
دریغ اپنا خون بہانے کو موجود ہیں۔ سُنی ہیں۔ اُن میں مشائخ ہیں۔ وہابیّن ہیں۔ ذوالیّن ہیں۔ مقلد ہیں۔
غیر مقلد ہیں۔ اور ڈی لاسٹ و ناٹ دی لیسٹ۔

بڑے غل غپاڑے بڑے شور و شغب۔ بڑے دم دعوے۔ اور بڑے جوش و خروش کے نئی قسم
کے مسلمان نیچری ہیں سید احمد خان کی اُمت۔ لیکن جو جس شان میں ہے فی زعمہٖ اسلام پر فدا ہی کل حزبٍ
بما لدیہم فرحون۔ مگر محال عقل ہے کہ اتنے آدمی حقیقت میں سچے مسلمان ہوں۔ بلکہ ان کی آدھی تہائی
چوتھائی کا کیا مذکور ہے۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی کسر عشاری کے برابر بھی سچے مسلمان ہوں جیسا کہ ہو
سے کہتے ہیں۔ اور اسلام یوں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ یہ ایک مسلمان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج

لہ میری عادت یوں ہے کہ جن لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اُن کی وجہ سے اُن کے شہر کو بھی دوست رکھنے لگتا ہوں اور دوستی میں لوگوں کے طریقے مختلف ہیں ۱۲ ؎ ضالین
کے پڑھنے کے دو طریقوں کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ؎ سب کے بعد گو قیمت میں کسی سے کم نہیں ۱۲ ؎ اپنے پندار میں ۱۲ ؎ ہر شخص اپنے خیال میں ...

دوسرے ملکوں کا ذکر نہیں اس کفرستان ہند میں پانچ کروڑ آدمی ان کا کلمہ بھرتے ہیں اور تا قیام قیامت
بھرتے رہیں گے ولو کرہ الکافرون[1] گروہ مسلمانوں میں فرد اکمل تھے ۔ نہ اُن جیسا ہوا ۔ اور نہ ہو گا ما کان محمد[2]
ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۔ اُنہوں نے اپنی سچائی کے بل بوتے پر معدودے چند
کو اپنا ہم خیال بنایا ۔ پس اگر مسلمان پوچھتے ہو تو وہ تھے خیر القرون قرنی[3] جو نہ ہماری طرح صرف زبان سے اسلام پر فدا تھے
بلکہ اُنہوں نے اسلام کے لیے گھر چھوڑے ۔ مال و اسباب چھوڑے ۔ عیش و آرام چھوڑے ۔ دنیا کے کام کاج چھوڑے
میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ مسلمان کی کیا پرکھ ہے قل ان کان اباؤکم و
ابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن
ترضونہا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ
واللہ لا یہدی القوم الفاسقین ۔ اللہ اللہ کیا بیان ہے ۔ کیا جامعیت ہے کیا
احاطہ ہے کہ ان چند لفظوں میں دنیا ومافیہا سب کو سمیٹ لیا ہے ۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر تمکو خدا اور
اُسکے رسول اور خدا کی راہ میں جان لڑا دینے سے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیبیاں اور کنبے قبیلے کے لوگ اور
مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جسکے مندا پڑ جانے کا ڈر ہے اور گھر جسکو تم پسند کرتے ہو غرض
یہ چیزیں تمکو خدا اور رسول سے زیادہ پیاری ہیں تو اچھا ٹھیرے رہو اور خدا کے حکم کا انتظار کرو ۔ یاد رہے منہ
سے کہنے کی کوئی سند نہیں معاملہ خدا کے ساتھ ہے یعلم[4] خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور کوئی ایک تو
بول اُٹھو کہ اس جانچ میں پورا اتر سکتا ہے ۔ اگر یہ اسلام ہے (اور اگر کا کچا محل ہے حقیقت میں اسلام اسی کا نام
ہے) تو میں اپنی نسبت پکارے کہتا ہوں کہ مجھ کو اسلام کے ساتھ ادنے ملابست[5] بھی نہیں اور ہونے کی امید
بھی نہیں ۔ میں کسی دوسرے کے دل کا حال نہیں جانتا ۔ اور نہ کوئی کسی کے دل کا حال جانتا ہے مگر جہاں
تک ظاہری اعمال و افعال کی بنا پر تحری[6] اور فراست کی جا سکتی ہے میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ کبریت احمر[7] ملے
تو ملے ۔ عنقا کا پتہ لگے تو لگے کیمیا کا نسخہ دستیاب ہو تو ہو مگر قرن اول بلکہ ثانی بلکہ ثالث بلکہ رابع کے سے
مسلمان خدا پیدا ہی نہیں کرتا ۔ ہوں تو کہاں سے ہوں ۔ جیسے قرون اولیٰ کے سچے پکے مسلمان تھے ۔ جیسے

---

[1] اگرچہ کافروں کو برا لگے ۱۲ [2] محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں جن پر رسالت کا خاتمہ ہو گیا ۱۲
[3] اہل زمانہ میں سے سب سے بہتر میرے ہمعصر ۱۲ [4] آنکھوں کی چوری اور دلوں کے راز اسکو سب معلوم ہیں ۱۲ [5] تعلق ۱۲
[6] اٹکل ۱۲ [7] سرخ گندھک ۔ یہ نایاب چیز ہے ۱۲

پاک اُن کے دل تھے۔ ویسا ہی اُن کے وقت کا اسلام تھا۔ جملہ ادیان پر غالب۔ معزز۔ موقر۔ محترم۔ غنی۔ جیسے ہم دو ودلے۔ متزلزل العقیدہ نام کے مسلمان ہیں۔ جیسے ناپاک ہمارے دل ہیں۔ ویسا ہی ہمارے زمانے کا اسلام ہے۔ مغلوب۔ ذلیل۔ خوار۔ محتاج ؎

جسکو اس وقت میں اسلام کا دعوٰی ہی کمال ۔۔۔ دیکھتا ہوں میں اب ای ذوق یہ انکا احوال
جس طرح سے کہ ہنسا دینے کو بیدینوں کے ۔۔۔ نقل کرتا ہو مسلمانوں کی کافر نقال

اسلام ایک مفہوم کلی ہے۔ کوئی چیز منفرد مستقل بالذات موجود فی الخارج نہیں۔ وہ ہم میں ہے۔ اور ہمارے ساتھ قائم ہے۔ ہماری ہی عزت اُس کی عزت ہے۔ اور ہماری ہی ذلت اُس کی ذلت ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ عزت اور ذلت سے دنیاوی عزت اور ذلت مراد ہے۔ وہ دنیاوی ہی عزت تھی جس پر قرون اولیٰ کے مسلمان مرتے تھے۔ جسکے لیے تمام زحمتیں اُٹھاتے تھے۔ یہود پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ تو وہ دنیاوی ہی عزت تھی جو اُن سے ہمیشہ کے لیے سلب کر لی گئی ضُرِبَتْ[1] عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاؤُا بِغَضَبٍ[2] مِّنَ اللهِ اب پُرانے فیشن[3] کے مولوی ہم کو سمجھاتے ہیں کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ[4] وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ سے اخروی عزت مراد ہے۔ اس طرح کی تعلیم نے دوڑتے ہوتے مسلمانوں کو کھڑا کر دیا۔ کھڑے ہوؤں کو بٹھا دیا۔ بیٹھے ہوؤں کو لٹا دیا۔ لیٹے ہوؤں کو سلا دیا۔ سوا‌ے ان مولویوں کے اور سوائے چند سادہ لوح مسلمانوں کے جو ان کٹھ ملاؤں کے دام تزویر[5] میں ایسی بُری طرح پھنستے ہیں۔ جیسے دلدل میں گدہا۔ کہ اس گروہ کے نزدیک اسلام کبھی ضعیف ہوا ہے نہ ہوگا۔ باقی ساری دنیا اپنے اور پرائے۔ دوست اور دشمن سب جانتے ہیں کہ ضعف اسلام حد غایت کو پہونچ گیا ہے۔ ابتدائی شیوع میں بھی اسلام ضعیف تھا۔ مگر اُس وقت ضعف قلت تھا اور ضعف علت ہے۔ اُس وقت مسلمان کم تھے اور جو تھے یا پہلے سے بے مقدور تھے یا اسلام کی وجہ سے ان کو بڑے مالی نقصان پہونچے تھے۔ غرض نہ تو اعوان و نہ انصار تھے اور نہ کچھ ایسے مالدار تھے۔ نتیجہ اس خستہ حالی کا یہ تھا کہ جو ضعفا تھے اُن کی مصیبت کی کچھ بھی پروا نہ تھی۔ حضرت بلال رضؓ کے حال میں لکھا ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ظالم صرف اسلام کی وجہ سے اُن کو گرمی کے دنوں (اور گرمی بھی مکے کی گرمی) جلتے ہوئے کنکروں پر لٹا کر اوپر سے بھاری پتھر رکھدیتا اور سارے سارے دن اسی طرح اُن کو دھوپ میں لٹائے رکھتا

---

[1] لادی گئی اُن پر ذلت اور مفلسی اور نازل ہوا ان پر خدا کا غضب ۱۲ [2] وضع ۱۲ [3] عزت خدا کی اور رسول کی اور مسلمانوں کی ۱۲ [4] مکر ۱۲

مگر اللہ رے صبر۔ اور اللہ رے استقلال کہ شام کو رہائی پاتے تو اپنا وہی احد احد کا راگ گاتے بعض ان میں ایسے تھے جنکو اُن کی مقدرت۔ وجاہت۔ رعایت یا حمایت کی وجہ سے کفار زیادہ ایذا نہیں دے سکتے تھے۔ بس انہیں کسیقدر مطمئن سمجھو۔ جب پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو امن نہیں۔ مجھ کو مقاومت کفار کی قدرت نہیں تو آپنے ہجرت اولیٰ کی اجازت دی۔ اور جس جس سے نکلتے بن پڑا۔ نجاشی کی عملداری میں چلا گیا۔ قرن اول کے مسلمانوں کے ساتھ ہمکو اور کسی طرح کی مماثلت نہیں تو یہی ایک بات سہی کہ اُنھوں نے بھی ایک نصرانی بادشاہ کے پاس پناہ لی تھی اور ہم بھی امپرس وکٹوریہ کے مستامن ہیں ؎

گرچہ خورد یم نسبتی است بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

ترک وطن کچھ آسان کام نہیں۔ ہجرت اولے پر بھی بہتیرے مسلمان تھے جو نہ نکل سکے اور کفار مکہ کے ہاتھ سے بدستور ایذائیں اُٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے مشورے ہونے لگے وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ آخر کار مجبور ہو کر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مکہ چھوڑنا پڑا تو کس طرح کہ رات کے وقت چھپ کر بے سر و سامان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے رستہ کتراتے ہوئے مدینے جا پہنچے۔ جب مکّے سے پیغمبر صاحب کے پاؤں اُکھڑے تو اُنھوں نے بہت چاہا کہ مکّے کے آس پاس ہی لگا رہوں کیونکہ مکہ بڑی مشہور زیارت گاہ ہے اس کے قرب میں اسلام کی منادی کا خوب موقع ملتا ہے اور اسی غرض سے پہلے طائف گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بے حرمتی کی اور مار کر نکال دیا۔ مدینے کے لوگ دینی اور دنیاوی ضرورتوں سے مکّے آتے جاتے ہی رہتے تھے۔ اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ سنکر پہلے سے ایمان لا چکے تھے اُنھوں نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہاجرین حبش پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ اب پیغمبر صاحب کو کفار کی ایذا دہی سے پوری پوری تو نہیں مگر پھر بھی بہت نجات ملی۔ پوری پوری نجات کیونکر ہو سکتی تھی اُدھر تو ضعفائے مسلمین جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے مکے میں گرفتار عذاب تھے اِدھر ہر چند انصار یعنے اہل مدینہ نے مہاجرین کی خاطرداری اور مدارات میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ مگر اُس خدائی لشکر کو خدا کے سوا کون

لے یعنی ایک خدا ہی کوئی اُس کا شریک نہیں ۱۲ سے مقابلہ ۱۲ سے مشابہت ۱۲ کے شاہنشاہ ۱۲ ھے اور یاد کرو وہ وقت کہ کافر تیرے لیئے تدبیریں کر رہے تھے کہ تجھ کو پکڑ رکھیں یا مار ڈالیں یا نکالدیں وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کا کرنے والا ہے ۱۲

سنبھال سکتا تھا۔ انصار کی حالت مہاجرین سے بہتر تھی۔ مگر اسیقدر کہ مہاجرین کے پاس رہنے کو جھونپڑا تک
نہ تھا اور انصار غریبا منو گھر کے مکان رکھتے تھے۔ مہاجرین بے معاش محض تھے۔ انصار بعض کھیتی کرتے تھے
بعض کو باغوں کی آمدنی تھی۔ مہاجرین گھر سے بے گھر اہل و عیاں[۱] سے بچھڑے ہوے پردیس میں آکر پڑی تھے
انصار وطن اور کس و کو میں تھے۔ ہم اپنے ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ جوگیوں اور سناسیوں کے گروہ کے گرد
دیہات میں دورہ کرتے پھرتے ہیں۔ جس گانوں میں دو دن کے لیئے بھی ٹھہر جاتے ہیں اُن کی بزرگ داشت
میں گانوں والوں کا بھرکس نکل جاتا ہے۔ کیا حال ہوا ہوگا انصار کا جنکے سر پر سیکڑوں مہاجر ڈھئی دیئے
رہے۔ دو دن چار دن نہیں۔ مہینوں برسوں۔ غرض کچھ عجب طرح کا ابتلا و آزمایش کا وقت تھا کہ جو مسلمان
جہاں تھا مصیبت میں تھا۔ کچھ تو مکے میں گھرے ہوئے تھے۔ جن کی تکلیف کی حد و غایت نہ تھی۔ کچھ
مدینے میں تھے۔ جو مہاجر تھے اُن میں اکثر کا یہ حال تھا کہ پیٹ کو روٹی نہیں۔ تن کو کپڑا نہیں رہنے کو گھر نہیں
جی بہلانے کو زن و فرزند نہیں غمگساری کو یگانہ[۲] و قرابت مند نہیں۔ عن ابی ھریرۃ[۳] قال لقد رأیت سبعین
عن اصحاب الصفۃ ما منھم رجل لاو علیہ اما رداء واما کساء قد ربطوا فی اعناقھم فمنھا ما تبلغ نصف
الساقین ومنھا ما تبلغ الکعبین فیجمعہ بیدیہ کراھۃ ان تری عورتہ۔ رہے انصار اُن کی یہ کیفیت تھی
سمائی ہے وہ کی اور مہاجرین ملاکر آبھرے دس۔ اُن سے نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان کہلائیں اور دینی بھائیوں
یعنے مہاجرین سے آنکھیں چرائیں۔ پس کھاتے تو سب ملکر کھاتے۔ ورنہ آپ بھی بھوکے رہ جاتے۔ لیکن اسلام اُن
مصیبتوں اِن ہی تکلیفوں اِن ہی مزاحمتوں سے جڑ پکڑ چکا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ جس تدریج کے ساتھ اسلام
ترقی کی ہے۔ اُس کی کوئی مثال بیان کروں۔ خلق انسان سے بہتر کوئی مثال سمجھ میں نہ آئی۔ جس تدریج کے
ساتھ انسان بنا ہے۔ سورہ مومنون میں مذکور ہے ولقد خلقنا الانسان[۴] من سلالۃ من طین ثم جعلناہ نطفۃ
فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ
خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ٥ اِس آیت میں خلق انسان کے ساتھ

۱؎ اہل و عیال ۲؎ اپنا ۳؎ ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر آدمیوں کو اس حال میں دیکھا کہ یا ایک چادر
ہے یا ایک کملی اور اسکو گردن میں باندھ رکھا ہے سو بعض کی تو آدھی پنڈلیوں تک اور بعض کے ٹخنوں تک اور ستر عورت کے لیئے اسکو دونوں ہاتھوں سے
روکے ہوئے تھے ۴؎ اور تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر ہم نے اُسکو مضبوط جگہ میں نطفہ کرکے رکھا پھر نطفے کا
بنایا پھر لوتھڑے سے بندھی ہوئی بوٹی بنایا۔ پھر بوٹی میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہمنے اُسکو مخلوق جدا

درجے بتائے ہیں۔ اگر اسلام کو جنین سے تشبیہ ہی جائے تو میں ایسا سمجھتا ہوں کہ شروع سے بدر کی لڑائی تک وہ پہلے پانچ درجے طے کر چکا تھا۔ غرض اس کی فارمیشن یعنی بناوٹ کا اکثر اور ضروری حصہ ضعف اور مغلوبیت کے زمانے میں واقع ہوا۔ حبشے اور مدینے کی ایک چھوڑ دوہری دوہری ہجرتیں جسکا دوسرا نام جلاوطنی ہے۔ طائف کا واقعہ۔ مسلمانوں کا عموماً اور ضعفاء مسلمین کا خصوصاً کفار مکہ کے ہاتھوں سے انواع و اقسام کی اذیتیں اٹھانا مہاجرین میں سے اُس گروہ کا جو اصحاب صفہ کہلاتے تھے نہایت تنگی کے فقر و فاقے کے ساتھ زندگی بسر کرنا انصار کی زیرباری۔ یہ سب واقعات تاریخی ہیں۔ اسپر کہا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم[1]۔ اب ہم اُسوقت کے اسلام کو اسوقت کے اسلام سے یعنے اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت کو اسوقت کے مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ کرتے ہیں ممکن نہیں کہ ہم ان جیسے مسلمان ہوسکیں انھوں نے پیغمبر صاحب کو آنکھوں سے دیکھا ہم نے کانوں سے سُنا۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ تراو پن و یوسف راشنیدہ

یوں آنکھ اور کان میں چار انگل کا فاصلہ ہے۔ مگر دیکھے اور سُنے ہوئے میں گزوں کا تو ضرور اور کبھی کوسوں کا بھی۔ عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جبکہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول بار مدینے میں تشریف لائے تو سارے مدینے میں غُل تھا اور لوگ حضرتؐ کے دیکھنے کو جوق جوق اُمڈے ہوئے چلے جاتے تھے میں اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ (عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں میں نہیں کہتا۔ کبھی مجھ کو سمجھ جاؤ) میں نے کہا کہ چلوں دیکھوں تو سہی کیسے پیغمبر ہیں۔ جا کر دیکھا تو بے اختیار میرے دل میں آیا واللہ ما ھذا بوجہ کذاب[2]

دردل ہر امتے کز حق مزہ است ۔ روئے و آواز پیمبر معجزہ است

یہ اور ایسی اَور چند در چند خصوصیتیں ہیں جو ہمکو نصیب نہیں ہوسکتیں۔ بس یہی ایک بات ہی ختیار سے خارج جس میں ہم قرون اولی کے مسلمانوں سے ہیٹے ہیں۔ لیکن جیسے ہم قرون اولی میں ہونے کی نعمت سے محروم رہے۔ ویسے ہی آفت ابتلا سے بچے۔ کیا اُس وقت کا اسلام آج کل کیطرح بچوں کا کھیل تھا۔ کہ کلمہ پڑھ لیا۔ اُلٹی سیدھی چار ٹکریں ماریں لگے فردوس بریں کے خواب دیکھنے ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ[3] اس سے

---

[1] سبحان اللہ اس سے بڑھکر بھی اور کوئی بہتان ہوگا۔ ۱۲ [2] خدا کی قسم اس شخص کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹ کہنے والا نہیں ۱۲

[3] کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہوگے اور تمکو اگلے لوگوں کا سا معاملہ پیش نہیں آیا کہ اُن کو تکلیفیں اور مصیبتیں پہونچیں اور لڑکھڑا اُٹھے یہاں تک کہ رسول اور جو اسکے ساتھ ایمان لائے تھے بول پڑے کہ دیکھیں خدا کب مدد بھیجے ۱۲

بھی قوی تر اس مضمون کی ایک اور آیت ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا[۱] امنا وھم لایفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم ایسے امتحانوں میں نہیں پکڑے گئے ورنہ خدا کی قسم کافر ہوگئے ہوتے۔ اس مقام پر مجھ کو ایک بات یاد آئی کہ میں ایک شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اور وہاں شیعہ کسی قدر زیادہ تھے۔ آیا محرم۔ تو شیعہ عزاداری کی بڑی بڑی تیاریاں کرنے لگے۔ میں بھی مجالس میں بلایا جاتا تھا اور یہ سمجھکر بلے عذر شریک ہوتا تھا کہ گھر پر میرا وقت کون سے نیک کام میں صرف ہوتا ہے۔ یہی نہ کہ ان مجلسوں میں رلانے کے لیئے اکثر جھوٹی اور ضعیف روایتیں بیان کی جاتی ہیں مگر آخر ایک مذہبی رنگ تو ہے۔ ایک دن ایک مجلس میں خوب ہی رقت ہوئی۔ میرے پہلو میں ایک صاحب بیٹھے تھے وہ سب سے زیادہ روتے تھے اور بار بار کہتے تھے یالیتنی[۲] کنت معہم۔ یالیتنی کنت معہم مجھ کو یہ اُن کا یالیتنی کنت معہم کا رٹنا بہت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس سے استماع میں خلل واقع ہوتا تھا۔ اور چونکہ وہ ضمیر ھُم کا مرجع معین نہیں کرتے تھے میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا بیہودہ آرزو ہے۔ کون جان سکتا ہے کہ تم اُسوقت ہوتے تو کیا کرتے۔ آخر فریق مقابل بھی تو اپنے تئیں مسلمان ہی کہتا تھا ؎

اترجوا[۳] امۃ قتلت حسینا　　شفاعۃ جدہ یوم الحساب

فلا[۴] واللہ لیس لھم شفیع　　وھم یوم القیمۃ فی العذاب

جب دوسرے ذاکر صاحب (یعنی لکچرار کیونکہ نئی روشنی والے تعلیم یافتہ ذاکر کو کیا جانیں) ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو رات گئی تھی زیادہ میں اُٹھ آیا۔ میرا آنا تھا کہ وہاں مارکٹائی ہوئی۔ پولیس نے بہت سے لوگوں کا چالان کیا اُن میں وہ یالیتنی کنت معہم بھی تھے۔ اُنھوں نے لکھوایا کہ میں اس مجلس میں گیا ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی برتے پر آپ کو معرکۂ کربلا میں ہونے کی آرزو تھی۔ الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں جیسے ہمارے دل بودے۔ ہماری ہمتیں پست۔ ہمارے ارادے متزلزل ہمارے ایمان ضعیف ہیں ویسے ہی زمانے میں ہمکو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے۔ جیسے اُسوقت کے مسلمانوں کے اجر بڑے تھے

---

[۱] کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ مُنہ سے آمنّا کہکر چھوٹ جائینگے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔ اگلوں کی تو آزمایش ہم نے لی پہلی لوگ ضرور ہے کہ خدا سچوں کو جان کر رہے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے ۱۲

[۲] اے کاش میں اُن کے ساتھ ہوتا۔ لکھنؤ میں اس کی جگہ یہ کلام مروج ہے۔ ہائے آقا ہم نہ ہوئے ۱۲

[۳] جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا کیا ابھی امیدوار ہیں کہ اُن کے نانا قیامت کے دن اُن کی شفاعت کریں گے ۱۲

[۴] بخدا وہ اُن کی شفاعت کرنے والے نہیں اور اُن کو قیامت کے دن عذاب ہوگا یہ ہوگا۔ ۱۲

چاہتے تو بزرگوں کی حاصل کی ہوئی عزت بزرگوں کے ساتھ گئی گزری۔ اب اس بات کا خیال کرنا بھی دخل بے
عزتی ہے۔ ہمارے رفارمر جہاں اور تدبیریں کرتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اُن کے بزرگوں
کی عظمت یاد دلائی جاتی ہے۔ بیشک غیرت کے مشتعل کرنے کو یہ وہ اصلاتی بہت ہی مناسب تھی مگر میں
دیکھتا ہوں تو بزرگوں کے کارنامے سنکر مسلمان بجائے اسکے کہ اپنے تئیں خیر الاخلاف[1] بعد الاسلاف۔ درومی آف
دیر فورفاورز بنانے کی کوشش کریں۔ اُلٹے شیخی میں آجاتے ہیں۔ اور شیخی ایسی بُری بلا ہے کہ جتنے رفارمر آئے
ہیں وہ اور عشر امثالہم معہم[2] سب ملکر ایک اینچ بھی تو مسلمانوں کو ترقی کی طرف نہیں کھسکا سکیں گے میں
دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مادے اس مہلک بیماری کے اخذ کرنے کو تیار ہیں۔ پھر انگریزی تعلیم جو شرط معاش
شرط آبرو تو اب ہی کوئی دن جاتا ہے کہ شرط زندگی ہونے والی ہے۔ خدا جانے کیا آفت ہی جس کو چھو گئی
اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بقولات[3] کے کھانے والے ہندو دیکھو تو کیا اُپدر و[4] مچا رہے ہیں۔ ہر ایک
خیر خواہ اسلام کا فرض ہی کہ مسلمانوں کو اس پہلو پر نہ آنے دے اور اُن کو سمجھائے کہ ساری برتری اور فوقیت
تو سلطنت کی ہے وہ تو گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب اُس کی یادگار تازہ رکھنے سے
ہمکو کوئی نفع نہیں۔ ہمکو اور ہماری نسلوں کو محکوم ہو کر رہنا ہے۔ انگریزوں نے بزور شمشیر ہمسے ملک لیا ہے
ہمارا کوئی حق اُن پر نہیں۔ اگر انگریز ہمارے ساتھ ویسی مدارات کریں جیسی فرعون بنی اسرائیل کے ساتھ کرتا
تھا یذبح ابناءہم ویستحیی نساءہم[6] تو ہم اُن کا کیا کر سکتے ہیں۔ مگر نہیں جیسا خدائے تعالیٰ اپنی نسبت فرماتا ہے
کتب علی نفسہ الرحمۃ[7] اُس کی رحمت کا پرتو ہے کہ انگریزوں کو انصاف اور مہربانی کی توفیق دی ہے۔ ہمارا
دینی اور دنیاوی مفاد اسی میں ہے کہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[8] کے مطابق خوشدلی اور شکرگزاری کے
ساتھ ادب حکومت ملحوظ رکھ کر اپنی حالت کو درست کریں۔ وہ زمانے گئے کہ ساری دنیاوی برکتیں اور منفعتیں
سلطنت میں محصور تھیں۔ اور اسی وجہ سے سلطنت بڑی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اب علم کا فروغ ہے۔ اس نے وہ زور
پکڑا ہے کہ سلطنت بھی اسی کی دست نگر ہے۔ میں ذرا مطلب سے دور ہو گیا۔ میں یہ کہنے کو تھا کہ بزرگوں نے کیونکر
عزت حاصل کی تھی اور ہمنے اُس کو کیونکر کھو دیا۔ اگر کوئی بیمار طبیب کی طرف رجوع کرے وہ اُس کو کسی نہ کسی

[1] اگلوں کے بعد بہترین پس ماندے ۱۲ [2] لائق بالیوں کے لائق بیٹے ۱۲ [3] اُن جیسے دس اُن کے ساتھ ۱۲ [4] ساگ پات ۱۲
[5] فساد ۱۲ [6] اُن کی بیٹیوں کو حلال کرتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا ۱۲ [7] اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ۱۲ [8] احسان کا بدلہ
احسان کے سوائے کچھ اور بھی ہے ۱۲

طرح کا سو مزاج بتاے گا۔ عامل پاس جاے تو ارواح خبیثہ یا جنات سے ڈراے گا۔ بخومی وغیرہ[1]
یا انکے من الرمالین والجفادین والمتقیفین ہر ایک اپنا اپنا راگ گاے گا۔

پس از صد سال این معنی محقق شد بہ خاقانی کہ بورانی است بادنجان و بادنجان است بورانی

انگریزی عملداری سو برس کی بڑھیا ہونے آئی کہیں اب جاکر مسلمانوں کو (وہ بھی سب کو نہیں) معلوم ہوا کہ ہماری قوم کی قوم بیمار ہے۔ جن کو بیماری کا اذعان[2] ہے وہ بھی اکثر تعیین سبب میں غلطی کرتے ہیں اور تعیین سبب میں غلطی ہوئی تو علاج میں بطریق اولیٰ۔ میں صاف دو ٹوک بات کہتا ہوں کہ اگر صرف یہی ایک سبب نہیں تو بہت بڑا سبب ضرور ہے کہ جن بزرگوں نے عزت حاصل کی تھی۔ اعلےٰ درجے کے قومی اتفاق اعلےٰ درجے کی قومی ہمدردی۔ اعلےٰ درجے کی قومی اخوت کے زور سے حاصل کی تھی۔ ہمنے کھوئی ڈبوئی تو اسی سبب سے کھوئی ڈبوئی کہ یہ صفتیں ہم میں سے نکل گئیں۔ مسلمانوں میں سُنّی شیعہ کے اختلاف کی وجہ سے اگلے بزرگوں یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی نسبت بھی یہی بات شہرت پکڑ گئی ہے کہ ہماری طرح اُن میں بھی بغض و نفاق تھا۔ پھوٹ اور کشمکش تھی۔ عداوتیں اور خود غرضیاں تھیں۔ لیکن موٹی سی موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر اُن کے دلوں میں کپٹ ہوتی تو اسلام آج کہیں دوا کے لیئے بھی روے زمین پر ڈھونڈا نہ ملتا۔ خصائص بشری کے اعتبار سے وہ بھی ہم جیسے آدمی تھے اور ہمکو اس بات کے کہنے میں کیوں مضایقہ ہونے لگا جبکہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انا بشر مثلکم[3] فرمایا ہو۔ پس اگر ان میں اختلاف تھا بھی (اور ضرور تھا۔ بیشک تھا۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ اور ہوا ہی کرتا ہے وہ تو آدمی تھے۔ دو برتن ایک جگہ رکھے ہوے ہوتے ہیں تو وہ بھی کبھی کبھی کھڑ کھڑا ہی اُٹھتے ہیں) تو اُن کے اختلافات ایسے تھے جیسے آج کل انگریزی پولیٹیکل گروہوں کے۔ لڑتے بھی ہیں۔ جھگڑتے بھی ہیں بگڑتے بھی ہیں۔ مگر ساری جنگ زرگری ہے مفاد سلطنت کے لیے مثلاً ایک کی راے ہی کہ سویز کینیل یعنی نہر کی طرف سے پورا پورا اطمینان حاصل کرکے مصر سے بالکل دست بردار ہوجانا چاہیئے۔ دوسرا کہتا ہے مصر سے ہٹے اور ہندوستان ہاتھ سے گیا تیسرا یہ صلاح دیتا ہے کہ جب تک خدیو کو اتنی قوت ہو کہ اپنا گھر آپ سنبھالے۔ ہمکو اُس کا ساتھ دینا ضرور ہے۔ چوتھا کر رہا ہے کہ بات کو دُبدے میں ڈالنے سے قباحتیں پیدا ہوتی ہیں ہمت کرکے فوراً انکسیشن یعنی ضبطی کا اشتہار جاری کردیا جاے میں مصر پر لکچر دینے کے لیئے نہیں کھڑا ہوا ہوں میں نے تمثیلاً ایک بات بیان کی تو کیا جس فرق

[1] اور جو ان کے مشابہ ہیں رمالوں میں سے جفر والوں میں قیافہ شناسوں میں سے ۱۲ [2] یقین ۱۲ [3] میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں ۱۲

ویسی ہی اُن کی ذمہ داریاں بھی سخت تھیں ۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

میں نے جو قرون اولے کے مسلمانوں کا تذکرہ کیا تو اس غرض سے کہ باوجودیکہ اُن کی ذمہ داریاں بہت سخت تھیں مگر وہ لوگ کچھ ایسے مضبوط ارادوں کے تھے کہ کڑے سے کڑے (مولوی **فرید الدین صاحب** پریزیڈنٹ ساکن کڑہ مانک پور کی طرف مخاطب ہو کر) آپکا وطن کڑا مراد نہیں اور نہ میر حسن کی مثنوی کا کڑا ۔ ع

کڑے سے کڑے کو بجاتی چلی

بلکہ میری مراد ہی کہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کامل العیار[1] نکلتے تھے۔ اُن کے مقابلے میں بہت سی باتوں میں ہماری جیت ہی۔ ہم اُن سے شمار میں بے انتہا زیادہ ہیں۔ امن وعافیت سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ کامل آزادی کے ساتھ اپنے فرائض مذہبی کو ادا کرسکتے ہیں۔ مہاجرین کا کوئی لشکر ہمارے سر پر نہیں پڑا کہ ہمکو لوٹے کھاتا ہی کسی جیش[2] کی تجہیز ہمارے ذمے نہیں پشتیں گذر گئیں کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ ہم اگر مفلس محتاج ہیں تو یہ ایک امر اضافی ہے۔ دوسری قومیں ہم سے بہت زیادہ مالدار ہیں۔ زندگی کے مصارف بڑھ گئے ہیں۔ مگر پھر بھی قرون اولی کے مسلمانوں سے ہمارا اغنا کہیں بڑھ چڑھ کر ہی۔ نصاب زکوۃ سے ہم اُن کے تمول کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں اُن میں چالیس روپے کسی کے پلے ہوتے تو غنی سمجھا جاتا تھا۔ اب چار چار پانچ پانچ چالیس والے کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ خلاصہ یہ کہ نہ معذوری ہے نہ مجبوری ہے نہ بے مقدوری ہے وہی ایک چیز کا پٹنا ہے کہ درد اسلام نہیں۔ اُن سے کچھ بحث نہیں جو نہیں سمجھتے یا نہیں کرسکتے۔ معارضہ[3] تو اُن سے ہی جو سمجھتے ہیں اور کر بھی سکتے ہیں۔ اور پھر کچھ نہیں کرتے یا کرنا چاہیے من اور کرتے ہیں چھٹانک وہ بھی بہزار مشکل کانما[4] یساقون الی الموت وھم ینظرون قرون اولی کے مسلمان جو اعلائے کلمۃ اللہ کے پیچھے اپنی جانیں کھپاتے تھے۔ آخر وہ کلمۃ اللہ تھی کیا چیز کیا اہرام مصر کیطرح کا کوئی مینار تھا جسکے بلند کرنے کی فکر میں تھے۔ جیسے ان دنوں فرانس اور امریکہ کے لوگ۔ یا کوئی جھنڈا تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ سوائے اسکے کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کا بول بالا ہو۔ حکومت ہو تو ان کی ہو دولت ہو تو ان کی ہو۔ عزت ہو تو ان کی ہو۔ شان ہو تو ان کی ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمانوں کو اب حکومت اور دولت اور عزت اور شان درکار نہیں سکیا واقع میں جیسا وہی اولڈ فیشن[5] کے مولوی سکھاتے سمجھاتے ہیں۔ ان

---

[1] پرکس یعنی کس میں پورے ۱۲ [2] لشکر ۱۲ [3] جھگڑا ۱۲ [4] گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں ۱۲ [5] پرانی وضع ۱۲

چیزوں کے لیئے کوشش کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ دنیا ان ہی چیزوں سے عبارت ہی اور جب تک دنیا میں رہنا ہے ہم کیا۔ کوئی بھی ان چیزوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا*

اس سے بڑھکر بھی کوئی تعجب کی اور بات ہوگی کہ ان چیزوں کے لیئے کوشش کرنا قرون اولی میں اعلے درجے کا ایمان سمجھا جاتا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں کفر یا گناہ نہیں معلوم مولویوں کی تعلیم کا اثر ہی یا خود نفوس میں ذنارت آگئی ہی کہ اس وقت کے مسلمان سبیل اللہ کلمۃ اللہ اور سلام عمومی سے کچھ غرض ہی نہیں رکھتے اور ایسے فارغ اور بے فکر ہو بیٹھے ہیں کہ گویا اس باب میں اُن کو کچھ کرنا ہی نہیں۔ جسکو دیکھو اپنی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہے اور دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اُسکے کان پر جوں نہیں چلتی۔ یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آنے کی نہیں ہی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھتا الا[1] ماشاء اللہ کہ قومی ترقی ایسی برکت ہی جس سے اُس قوم کا کوئی فرد محروم نہیں رہ سکتا۔ قوم بھی ایک مجموعہ اشخاص کا نام ہے۔ یہ تو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہی کہ کسی قوم کے تمام اشخاص کی حالت کسی ایک بات میں بھی یکساں ہو جاوے۔ تفاوت حالات منجانب اللہ ہی اور دنیا اور دین دونوں کا مدار کار اسی پر ہی۔ پس جب ہم قوم پر من[2] حیث القوم کسی بات کا حکم لگاتے ہیں تو اُسکے یہی معنے ہوتے ہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں اُس قوم کے اکثر افراد کا یہ حال ہے۔ انگریزوں کی شان و شوکت دیکھ دیکھ کر اور سُن سُن کر (مسلمان تو ایسے کیوں ہونے لگے تھے) ایک بنگالی یا پارسی یعنی لکھ پتی کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلا کا کھلا رہ جاوے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اُن میں غریب نہیں ایک وہ ہیں کہ سلطنت کو سول لیکر چھوڑ دیں اور اسی شہر میں بلکہ اُنکے پڑوس میں وہ بھی ہیں جن کی مصیبت ہمکو اپنے ہی دُکھڑے سے فرصت نہیں۔ کون بیان کرے۔ ہاں تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہی کہ اگر مسلمان سب نہیں (اور سب تو ہو بھی نہیں سکتے) اُن میں سے اَتنوں کی حالت درست ہو جاتی کہ اُن کی وجہ سے قوم پر وقعت کی نگاہ پڑنے لگتی (اسے خدا کب وہ دن ہوگا۔ پس از سر من کز فنکون شد شدہ باشد۔) تو جو لوگ خستہ حال رہ جاتے وہ بھی سر برآوردگان قوم کی شاد حالی سے ڈرکٹلی (بلاواسطہ) یا ان ڈرکٹلی (بواسطہ) فائدہ اُٹھاتے پر اُٹھاتے۔ ہندوستان میں کوئی انگریز اگر لوفر (ٹکڑگدا) بھی ہی تو کہلاتے گا صاحب ہی یہ ہی تعزز قومی کا اثر ہی اور صاحب دو لفظ ہو گئے ہیں مترادف ہمد گر۔ ہماری گئی گزری قومی عزت کی یادگار بھی ابھی تک گفتگو میں اس چلی جاتی ہے کہ ہندو ہم مسلمانوں کو میاں لوگ پکارتے ہیں۔ لیکن جب مسلمان اپنی عزت کو خود نہیں سنبھالیں

[1] مگر جس کو خدا چاہے ۱۲ [2] قوم ہونے کی حیثیت سے ۱۲

حضرت ابوبکر رضؓ نے باپ کو سمجھایا کہ میں ان کو حسبۃً للہ آزاد کرنے کے لیئے خریدتا ہوں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن شریف کی اس آیت میں یؤتی ماله یتزکی[1] وما لاحد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی۔ میں نے یہ دو باتیں تمثیلاً بیان کی ہیں سیر صحابہ پڑھو تو معلوم ہو کہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے تھے صبغة[2] الله ومن احسن من الله صبغة مگر ہاں اتنا ضرور ہے ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کسی میں حلم غالب ہے۔ کسی میں غیرت کسی میں سخاوت۔ کسی میں شجاعت۔ کسی میں کچھ۔ کسی میں کچھ۔

ایک آدھ مرتبہ مجھ کو شبہ ہوا کہ بزرگان دین کے حالات جو لوگوں نے منضبط کیئے ہیں اور جنکے پڑھنے سے اپنے اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کے حال پر سخت افسوس ہوتا ہے اور جب تک خیال کرتے رہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کو کوئی نچوڑے ڈالتا ہے از قبیل پیراں نمی پرند مریدان می پرانند تو نہوں لیکن یہ ایک وسوسہ شیطانی تھا۔ ان کے زمانے میں اور ان کی کوششوں سے اسلام کا ترقی پانا یہ ایسا زبردست ثبوت ان کے فیوریں[3] ہے کہ کسی احتمال مخالف کو جمنے ہی نہیں دیتا۔ جس طرح انسان اشرف المخلوقات ہے اسی طرح مسلمان کامل افضل الناس ہے۔ صرف دین کے اعتبار سے نہیں بلکہ میرا نہایت مستحکم عقیدہ ہے کہ جن صفتوں کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ بالطبع[4] نیچرلی اس بات کے متقضی ہیں کہ دنیا میں بھی مسلمانوں ہی کو فضیلت اور برتری ہو۔ بلکہ میں تو دنیاوی ترقی و تنزل کو اسلام یعنی دین اسلام کے کامل و ناقص ہونے کا معیار قرار دیتا ہوں۔ وہ مسلمان بڑی غلطی پر ہیں اور افسوس ہے کہ ایسے بہت ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا مقصود یہ تھا کہ ہنود جوگیوں اور سنیاسیوں یا عیسائی راہبوں کی قسم کا ایک گروہ تیار کیا جاوے۔ نرے خدا پرست۔ دنیا سے بے نصیب محض۔ اگر پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مقصد رہا ہو اور میں کہتا ہوں کہ نہیں رہا والذی نفسی بیدہ نہیں رہا۔ ہرگز نہیں رہا۔ تو معاذ اللہ پیغمبر صاحبؐ کی رسالت کی نسبت فیلیور[3]۔ ٹوٹل فیلیور[5] کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ پیغمبر صاحبؐ نہیں چھوڑ کر مرے۔ خدا پرست جوگی۔ خدا پرست سنیاسی۔ خدا پرست راہب۔ خدا پرست آج کل کے سے

---

[1] اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتا ہے اور اُسپر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ اُتارتا ہو مگر طلب رضائے پروردگار اور وہ ضرور اُس سے راضی ہوگا۔

[2] اللہ کا رنگ اور اللہ سے بہی کسی کا رنگ بہتر ہوگا ۱۲ [3] حق ۱۲ [4] ناکامیابی ۱۲ [5] کلی ناکامیابی ۱۲ [6] بالطبع

ٹکڑ گدے ۔ بھک منگے علما اور مشائخ ۔ بلکہ خدا پرست امپررز (شاہنشاہ) خدا پرست کنگز (بادشاہ) خدا پرست منسٹرز (وزیر) خدا پرست ایڈمنسٹریٹرز (مدبران ملک) خدا پرست کمانڈرز (سپہ سالار) خدا پرست ججز (قاضی مفتی حکام عدالت) خدا پرست آرٹسٹرز (فصحا) خدا پرست مرچنٹس (سوداگر) خدا پرست دنیا دار آف اوری کالنگ اینڈ پروفیشن (ہر ایک پیشہ اور ہر ایک مشغلے کے) اولٰئک ہم المؤمنون حقا لہم درجات عند ربہم ومغفرۃ ورزق کریم[1] پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو تو مسلمانوں کی ظاہری شان و شوکت کا یہاں تک خیال تھا کہ کعبے کا طواف کرو تو جہاں تک ہو سکے اکڑو ۔ صفا اور مروہ میں زور سے دوڑو ۔ جمعہ اور عیدین یعنی مجامع میں بہتر سے بہتر ہیئت بنا کر شامل ہو ۔ نماز عید کو ایک رستے سے جاؤ ۔ تو دوسرے رستے سے آؤ ۔ ان باتوں سے آخر ایک اٹکل تو مل سکتی ہے کہ پیغمبر صاحب کا دلی منشا کیا تھا ۔ اب ہمنے ذلت اور خواری کو شعار اسلام بنا لیا ۔ گر گئے اِسلیے کہ گرنا گرنا ہی تھے ۔ پھسڈی ہو گئے ۔ کیونکہ پھسڈی ہونے سے خوش تھے ۔ مجھ کو تو غصہ اس بات پر آتا ہے کہ ذلیل ہو تو خیر ۔ غضب تو یہ ہے کہ بزرگان دین سے اس ذلت کی سند پکڑتے ہیں ۔ ع

بد نام کنندۂ نکو نامے چند

کبھی انسان عزت کے ایسے اعلےٰ درجے پر پہونچ جاتا ہے کہ عزت اُس کو لازم ہو جاتی ہے ۔ گویا اُس کا خاصۂ غیر منفک[2] ہی تو ایسی حالت میں اُسکو ظاہری سامان تعزز درکار نہیں ہوتا ۔ مثلاً گلیڈسٹن جنے بیسیوں لارڈ اور سر (یہ سر نہیں) اپنے سر کی طرف اشارہ کیا) بلکہ وہ سر ۔ سید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا) اور کیا اور کیا بنا دیئے کون سے خطاب تھے جو اپنے لیئے حاصل نہیں کر سکتا تھا ۔ مگر اُس نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ گلیڈسٹن اور خطابی ناموں میں وہی نسبت ہو گی جو نیچرل بیوٹی (قدرتی خوبصورتی) اور بنائی ہوئی بیوٹی میں ہوتی ہے ولا[3] المتکحل فی العین کالکحل سید احمد خاں کو چاہے بُرا لگے ۔ میری نظر میں جو عزت سید احمد کو اِن دو لفظوں کی ہو ۔ نہ ڈاکٹر کی ہے نہ سر کی ہے نہ اُن حروف کی ہے ۔ جو انگریزی ابجد بے ترتیب لیکر ان کے نام کے بعد لگائے جاتے ہیں +

یہی حال تھا صحابہ کا (رضوان اللہ علیہم) اُنکو وہ عزت حاصل تھی کہ دنیا میں اُس سے بڑھکر کوئی

[1] یہی ہیں سچے مسلمان انکیلیئے خدا کے یہاں درجے ہیں اور معافی ہے اور عزت کی روزی ۱۲ [2] یعنے جدا نہیں ہو سکتا [3] کاجل لگی ہوئی آنکھ کہیں قدرتی سرمہ گیں آنکھ کو پہونچتی ہے ۱۲

کی یہ رائے ہی کہ مصر سے دست بردار ہو جانا چاہیئے برٹش گورنمنٹ کے نقصان کا خواہاں ہے؟
ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ دست بردار ہونے ہی میں گورنمنٹ کا فائدہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح مسٹر گلیڈسٹن اور لارڈ
سالسبری وزارت کے دو ہمسر دعوے دار ہیں نہ اپنے فائدے کی نظر سے۔ بلکہ اس لیئے کہ نیک نیتی سے ہر ایک اپنی
وزارت کو گورنمنٹ کے حق میں مفید خیال کرتا ہے۔ لیکن ہم لوگ ذاتی اغراض سے اسقدر مغلوب ہو رہے ہیں
کہ ہمکو اس کا سمجھنا اور سمجھیں تو یقین کرنا دشوار ہے۔ تاہم ایسے نفوس (ایسے نفوس قدسی) خدا پیدا کرتا ہے جو قومی
اغراض کے آگے ذاتی اغراض کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اور ایسے ہی نفوس بزرگان دین کے تھے ان کو
بھی لوگوں کے ساتھ دوستی اور دشمنی تھی۔ مگر اُن کی دوستی الحب للہ[1] تھی اور دشمنی البغض للہ[2]۔

مولانا ے روم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک حکایت لکھی ہی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ
اِن بزرگوں کے کام ذاتی اغراض کے شائبے سے کِس قدر پاک اور منزہ ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں ؎

او خدو[3] انداخت بر روی علیؓ	افتخار ہر نبیؐ و ہر ولی
او خدو انداخت بر رویی کہ ماہ	سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
در زماں انداخت شمشیر آں علی	کرد او اندر غزایش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز زیں عمل	از نمودن عفو و حلم بے محل
گفت بر من تیغ کیں افراشتی	از چہ افگندی مرا بگذاشتی
گفت امیر المؤمنیں باآں جواں	کہ بہنگام نبرد اے پہلواں
چوں خدو انداختی بر روے من	نفس جنبید و تبہ شد خوے من
نیم بہر حق شد و نیمے ہوا	شرکت اندر کار حق نبود روا
گبر ایں بشنید و نورے شد پدید	در دل او تا کہ زنارے برید
گفت من تخم جفا می کاشتم	من ترا نوعے دگر پنداشتم
عرض کن بر من شہادت را کہ من	من ترا دیدم سرافراز زمن
قرب پنجہ کس ز خویش و قوم او	عارفانہ سوئے دیں کردند رو

اسی طرح حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی ترقی اور ترویج اور تشئید اور مسلمانوں کی اعانت اور امداد

[1] دوستی خدا کی وجہ سے ۱۲ [2] دشمنی خدا کی وجہ سے [3] ملونی ۱۲ [4] لعاب دہن ۱۲

وتائید کے لیے جہاں اَور بہت سے کارنمایاں کیئے اُن میں تحسبونہ ھیّنًا وھو عند اللہ عظیم[1] یہ بھی تھا
کہ اسلام شروع ہوا غرباسے ۔مساکین سے ۔اگر غبار تعصب چشم دل کو تیرہ و تار نہ کردے فانھا لا تعمی الابصار
ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور[2] تو اسلام کی ساری ہسٹری (تاریخ) شروع سے آخر تک اس کی صداقت
پر گواہی دے رہی ہے ۔اس نے پہلے پہل جڑ پکڑی ایسے دلوں میں جو سچ کے قبول کرنے کے لیئے تیار تھے دنیاوی
مال و دولت ۔دنیاوی جاہ و حشمت ۔دنیاوی نام و نمود ۔دنیاوی فخر و عزت ۔دنیاوی رشتہ و قرابت کوئی
چیز نہ تھی جو اُن کو صراط مستقیم کے اختیار کرنے میں سدّ راہ ہوسکے ۔ان میں کچھ لونڈی غلام بھی تھے کافروں کے
غلام اور ہم مسلمانوں کے آقا اور سرتاج ۔مشرکین جنکے یہ لوگ مملوک تھے ان کو صرف اسلام کی وجہ سے طرح طرح
کے عذاب دیتے وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید الذی لہ ملک السموات والارض[3]
چنانچہ حضرت بلال رضؓ کے قصے کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کرچکا ہوں ۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک
غلام تھا نسطاس وہ بڑا سلیقہ مند آدمی تھا کہ اُسنے تجارت سے اپنی حالت یہاں تک درست کرلی تھی کہ دس ہزار
درہم تو اُسکے پاس نقد تھے اور باوجودیکہ خود غلام تھا ۔آپ بھی لونڈی غلام رکھتا تھا ۔حضرت ابوبکر رضؓ نے چاہا
کہ وہ اسلام لے آئے ۔اُس نے سختی کے ساتھ انکار کیا ۔تو وہ حضرت ابوبکر رضؓ کے دل سے اُتر گیا ۔جب حضرت
بلال رضؓ کو دیکھا مبتلائے عذاب ۔تو حضرت ابوبکر رضؓ نے بہ تقاضائے اخوت اسلامی اُمیّہ سے سفارش کی کہ اے
شخص ڈر خدا کے غضب سے ۔تو اُمیّہ بولا ۔اگر تمکو ایسا ہی ترس آتا ہے ۔تم ہی نے اسکو بگاڑا ہے ۔اپنی بلا کو لے
نہیں جاتے ۔حضرت ابوبکر رضؓ کو اگر ذرا بھی معلوم ہو کہ اس کا منشا حضرت بلال رضؓ کے جدا کرنے کا ہے تو کبھی کی حضرت
بلال رضؓ کی مخلصی ہوگئی ہوتی ۔اب اشارہ پاتے ہی بول اُٹھے کہ بیچنے لیا ۔اُمیّہ نے کہا ۔نسطاس کے بدلے ۔حضرت
ابوبکر رضؓ نے فرمایا ۔ہاں جی ہاں ۔نسطاس اور جو کچھ اُسکے پاس اثاثہ ہے وہ سب آپ کا ۔غرض حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت
بلال رضؓ سمیت سات مسلمان لونڈی غلاموں کو اُن کے مالکوں کے مونہہ مانگے دام دے دے کر خریدا اور آزاد
کیا ۔ان کے والد کو اس کی تو خبر نہ تھی کہ اس خریداری سے کچھ اَور ہی مطلب ہے ۔سُن کر کہنے لگے کہ یہ مارے
تھکے از کار رفتہ لونڈی غلام مول لیتے پھرتے ہو ۔لینے ہیں تو ایسے غلام لو جو تمکو فائدہ بھی پہونچا سکیں تب

[1] تم اُس کو ہلکا سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑا ہے ۱۲ [2] بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجاتیں بلکہ دل جو
سینوں میں ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں ۱۲ [3] اُن کی یہی بات اُن کو بُری لگی کہ وہ ایمان لے آئے اللہ پر عزت والا
حمد والا آسمانوں اور زمین کا مالک ۱۲

اور عزت ہو نہیں سکتی۔ کہ جس طرف کو توجہ کی سلطنت اُن کے آگے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ یہ عزت سادگی اور بے تکلفی اور زہد کے ساتھ مل کر ایک حُسن خاص پیدا کرتی تھی۔ جس کے آگے دنیاوی حشمتیں اور طمطراق سب ہیچ ہیں۔ ہم نے حرمان اور تسلیؔ عن الیاس کو زہد قرار دے رکھا ہے۔ اور وہ دنیا کے حاصل کرنے پر حریص تھے۔ مگر حاصل ہونے پیچھے اُس کی ذرا بھی قدر نہیں کرتے تھے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے ہارون الرشید کی ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ

"ہارون الرشید را چوں ملک مصر مسلم شد۔ گفت بر زعم آں طاغی کہ بہ غرور ملک مصر دعوئے خدائی کردہ بود نہ بخشم ایں ملک را مگر بہ خسیس ترین بندگان"۔

قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سفیر بھیجا۔ سفیر سمجھا کہ ایسے زلزلے کا شخص ہے تو اُس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینے میں آکر دیکھا تو رہنے تک کا جھونپڑا بھی ٹھیک نہیں۔ اور امیر المومنین صاحب ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بُڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ فلاں نخلستان میں چھوڑ کے چلی آئی ہوں۔ سفیر نے جاکر دیکھا تو واقع میں اکیلے ایک درخت کے تلے پڑے سو رہے ہیں۔ تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا۔ مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا تھا اور نہ بات منہ سے نکلتی تھی۔ سر سے پانوں تک تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

وہ آسمان عزت کے آفتاب تھے۔ اگر پانی کی تہ میں بھی اُن کا عکس تھا تاہم چمک دمک اُس کے ساتھ تھی مگر ان کی سی عزتیں صرف تمنا کرنے یا بیوہ عورتوں کی طرح مونہہ ڈھانک ڈھانک رونے یا دعائیں مانگنے سے تو نصیب نہیں ہوتیں۔ کیونکہ اُن کو بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے نہیں مل گئی تھیں۔ انھوں نے اس عزت کے پیچھے مال اور جان اور خویش و اقارب کسی چیز کی کچھ پروا نہیں کی۔ ہم یہ کہنے کو تو موجود ہیں کہ سکین ایں ندارد آں ندارد۔ مگر کرنے کے نام سیرے دیکھنے میں تو اتنا ہی ہوا ہے کہ سید احمد خاں کے غل شور مچانے سے قومی مرثیہ خوانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک لکھنؤ میں نوابی رہی مرثیہ خوانی کا بڑا زور و شور رہا۔ اور اس طرز خاص کو انیس اور دبیر نے حقیقت میں معجز بیانی کی حد تک پہونچا دیا نہ کسی نے ان جیسا کہا اور نہ کوئی ان جیسا کہہ سکیگا۔ اب جو نئی قسم کے مرثیہ خواں چلے تو اس کے موجد ہوئے

سلہ تسلی مایوسانہ ۱۲

ہمارے مولوی الطاف حسین صاحب حالیؔ۔ اُنھوں نے ایک بڑی دھوم کا مُسدّس لکھ کر کچھ ایسا بگل پھونکا کہ جہاں جہاں موزون طبع تھے۔ سب لگے اِن ہی کی لے میں گانے اور گنگنانے۔ گنگنانے والوں میں یہ آپکا نیازمند بھی ہے کہ شعر تو نہیں کہہ سکتا۔ مگر تُک سے تُک ملا لیا کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولوی الطاف حسین نے مسدس اِس غرض سے کہا تھا کہ ایشیائی شاعری میں ایک طرز جدید داخل کریں۔ بلکہ اُن کی غرض اصلی یہ تھی کہ سوتی ہوئی قوم جاگے اور دیکھے کہ تباہی کا سیلاب ان کے سروں پر آ پہونچا۔ مگر قوم نے جاگنا تو درکنار کروٹ تک بھی تو نہ لی۔ اور اُن کے مسدس کا ایک کھیل بنا کھڑا کیا۔ کوئی اِس کو اس لیے نہیں پڑھتا کہ سمجھے اور عمل کرے۔ نظر پڑتی بھی ہے تو وہی محاسن شاعری پر۔ اور سید احمد خاں صاحب بُرا مانیں تو مانیں قریب قریب یہی حال ہے اس کانگرس کا۔ اکثر تو تماشائی ہوں گے۔ بعض اس کو ایک طرح کی محفل مشاعرہ سمجھکر شریک ہوئے ہوں گے۔ کہ سرسید لکچر دیں گے۔ مولوی الطاف حسین حالیؔ۔ مولوی شبلی۔ منشی احمد علی شوقؔ۔ اپنے اپنے افکار تازہ پڑھیں گے۔ ذرا چل کر سُنیں تو سہی کیا کہتے ہیں۔ بعض صرف سید احمد خاں کے طفیلی[ط] ہوں گے۔ اور بعض شہد، ہوں گے۔ لڑ بھڑ نے کے نہیں۔ لہو لگا پینے کے۔ جو چاہتے ہیں کہ محض کانفرنس میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کا نام دردمندان قوم کی فہرست پر چڑھ جائے۔ جتنے صاحب شریک محفل ہیں سب سے بدتریں ہوں سکنے کو آندھی کرنے کو خاک جب آدھی خود ایک بات کا عامل نہیں دوسرے پر اُس کا اثر کیا ہو۔ غرض کیا مستمع کیا لکچرار۔ ہیں سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے۔ بلکہ پھر ایسے مجمعوں سے کیا فلاح ہونی ہے۔ روتے آتے مرتے کی خبر لے چلے۔ قوم کا تو یہ حال ہے کہ ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کی دیر میں برسوں نہیں عمروں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہاں ہنوز روز اوّل ہے۔ مجھ کو ایک بات کا اور بھی ڈر ہے کہ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ جب وہ کوئی نئی بات سنتا یا غیر معمولی حالت دیکھتا ہے تو اول بار سننے اور دیکھنے سے اُس کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر بار بار وہی بات سُنا اور وہی حالت دیکھا کرے تو اُس کا احساس مدھم پڑ جاتا ہے + ع

چو حلوا بہ یکبار خوردند و بس

کچھ سید احمد خاں ہی کو توقع ہوگی۔ خدا ہی ہے کہ ان پتھروں میں جونک لگے۔ کہنے اور سننے کی تو کوئی باقی نہیں رہی ضرورت سے بہت زیادہ کہا جا چکا۔ اور ضرورت سے بہت زیادہ سُن چکے۔ اب یا تو دی[...]

ط ان کی طلب کے آموجود ہونے والے ۱۲

قومی رفارم۔ قومی ترقی کا تذکرہ موقوف کرو۔ کیوں بیٹھے بٹھائے مفت میں اپنی ہنسائی کراتے ہو۔ اور اگر فی الحقیقت تمہارے دل میں قوم کا درد ہے۔ تو کچھ کرکے دکھاؤ۔ بے شک کام بڑا اہم ہے۔ لیکن سچے دل سے ہمت کرو خدا کی قسم بالی سے زیادہ پتلا۔ روئی سے زیادہ ملائم۔ ریشم سے زیادہ نرم۔ آئینے سے زیادہ چکنا۔ ہمارے سامنے ہمارے ہی بزرگوں کی مثال موجود ہے۔ ہمکو ویسی مشکلیں درپیش نہیں اور نہ ہمکو ویسی مہم درپیش سمجھ گئے ہو تو خیر۔ اور نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ کہ بدون اعلے درجے کی انگریزی تعلیم کے مسلمانوں کی حالت حشر تک درست ہونے والی نہیں۔ اور اس کو چاہیئے قارون کا خزانہ۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ ہم میں ایک ایسا شخص موجود ہے کہ اُس کو روپے کی مدد ملے تو تعلیم کے جہاز کو کھے کر پار لگا دے۔ وہ کون ہے؟ سمجھ تو گئے ہو گے۔ پھر کیوں مجھ سے کہلواتے ہو۔ خدانخواستہ یہ شخص نہوتا تو روپیہ کو لے کر چاٹا کرتے یہ نعمت خداداد ہے ورنہ جتنا روپیہ تعلیم کے لئے فراہم کرتے اس سب کا بدلے بھی تو سید احمد کا سا ایک دماغ ڈھونڈا نہ پاتے۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ ہمکو روپیہ چاہیئے۔ جتنا ہو سکے اور جس قدر ہو سکے۔ روپیہ آئے تو کہاں سے آئے۔ جن کو قوم کا درد ہے مقدور نہیں رکھتے۔ اور جن کو مقدور ہے اُن کو درد نہیں۔

کریماں را بدست اندر درم نیست
خداوندان نعمت را کرم نیست

اس مشکل کے حل کرنے کی ایک تدبیر میرے خیال میں آتی ہے۔ امیروں کو تو بار و گردن۔ ان سے تو کچھ ہونا ہوانا نہیں۔ جب کسی قوم پر وبال آنے کو ہوتا ہے تو سب سے پہلے امراے قوم ہی بگڑتے ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا۔[5] پس جن لوگوں کے فساد سے ہماری قوم کی خرابی کی ابتدا ہو اُن سے اصلاح کی توقع ایسی ہے جیسے زہر سے نوشدارو کی تاثیر کی امید ؎

پوچھ مت راہ وفا اُس نگہ پُرفن سے
رہنمائی کی نہ رکھ چشم۔ دلا۔ رہزن سے

پس کرو کہ جو جو قومی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں سب ایک گروہ بن جاؤ۔ اور گروہ کو ضرور ہے۔ لیڈر لیجئے اگر گروہ اُسی فرو متعین کو دیجیے یا نہیں۔ ضرور دیجیے اور خوب سمجھ لیجئے، لیڈر بنالو۔ صرف چندہ فراہم کرنے اور اس کو اپنی رائے سے اعلے درجے کی انگریزی تعلیم میں صرف کر دینے کا اور اس امام کے ہاتھ پر فارملی (باقاعدہ)

---

[5] جب ہم کو منظور ہوتا ہے کہ کسی گانوں کو برباد کردیں تو ہم وہاں کے خوش حال لوگوں کو ابھار دیتے ہیں وہ اس میں بدکاریاں کرنے لگتے ہیں اور ہمارا قول پورا ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اُس کو مار کر پٹڑا کر دیتے ہیں ۱۲ منہ

بیعت کرو کہ ہم منفرداً و مجتمعاً روپیہ بہم پہونچانے میں سعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھیں گے - لیکن اس بیعت کے بعد یہ نہیں کرنا ہوگا کہ چلتی سی ایک بات کہدی - اور اپنے سر سے چھنڈا سا اُتار الگ ہوگئے - ستو باندھ کے چندے کے پیچھے پڑنا ہوگا - گھر گھر جا کر بھیک مانگنی پڑے گی - یا ایک چھوٹا سا ضلع کیف ما اتفق[1] اختیار کرو اور تحقیقات کر کے ایسے لوگوں کی فہرست بناؤ جو صاحب زکوۃ ہیں - لڑ کر - جھگڑ کر - منت سے - خوشامد سے سمجھانے سے - الحاف[2] سے - ابرام سے - غرضکہ جس طرح بن پڑے اُن سے زکوۃ وصول کرو - کچھ خبر بھی ہے یہی صدقات ابتدا میں اسلام کا کیپٹیل (سرمایہ) رہے ہیں - ان کے وصول کا بڑا اہتمام ہوتا تھا - یہاں تک کہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) منع زکوۃ کو ارتداد[3] سمجھکر جہاد پر آمادہ ہوگئے تھے - حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے اپنی خلافت میں ان ابواب کی تحصیل موقوف کردی کیونکہ مسلمانوں کو خدا نے سلطنت کی وجہ سے غنی کردیا تھا - مگر میرے نزدیک حضرت عثمان رضؓ نے غلطی کی - دینا سبھی کو ناگوار معلوم ہوتا ہے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی لوگ دیتے وقت بڑبڑاتے تھے - حضرت عثمان رضؓ کے دست بردار ہوجانے سے رہے سہے اور بھی ڈھیلے پڑ گئے - اب جو لوگ دیتے ہوں وہ جانیں اور اُن کا ایمان جانے - لیکن اگر کسی طرح اس رقم کا ضبط کرنا ممکن ہو تو بہت بڑی آمدنی کی چیز ہے - اس میں بھی دقتیں پیش آئیں گی - بعض تو صاف ٹکا سا جواب دیں گے کہ تم ہمارے محتسب نہیں - تمکو ہمارے معاملات میں کیا دخل - بعض حیلہ کریں گے کہ تعلیم انگریزی مصرف زکوۃ نہیں - بعض نصاب کو چھپائیں گے - بعض دیتے وقت ہیر پھیر کریں گے - ان مشکلات پر غالب آنا بھی قومی خیر خواہی ہے اور نہ اپنی گرہ سے دو - نہ دوسرے سے دلواؤ - نرا زبانی جمع خرچ - ہم تو ایسی ادعائی خیر خواہی کے قائل ہی نہیں - مثل مشہور ہے کہ جتنا گڑ ڈالوگے اُتنا ہی میٹھا ہوگا - جیسی ہماری کوششیں ہیں مضمحل اوپری دل سے - ویسے نتیجے ہیں کہ آج بیس برس سے تعلیم کا غل سنتے سنتے کان بہرے ہوگئے - سر دُکھنے لگا - جی اکتا گیا - اور کسی ایک ضلع کی تعلیم کا انتظام بھی کافی اور اطمینان کے لائق نہیں ہوا - آؤ تھوڑی دیر کے لیے اس بات پر بھی نظر کریں کہ ہمارے بزرگان دین - ہمارے پیشوا کیا کیا کر رہے تھے کہ ہتیلی پر سرسوں جمالگئے - دوست دشمن سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس قدر جلد اسلام کی سلطنت قائم ہوئی - اس طرح چٹکی بجانے میں کوئی اور سلطنت قائم ہی نہیں ہوئی - ان میں ایک کمال ہو تو بیان کیا جائے سرتاپا کمال ہی کمال تھے ٥

[1] اتفاقی طور پر ۱۲ [2] لگ لپٹ کر ۱۲ [3] مرتد ہوجانا ۱۲

زفرق تا بہ قدم ھر کجا کہ مے نگرم ‌ ‌ ‌ ‌ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

تاہم میں چند ایسی باتیں بیان کروں گا۔ جن کو میرے نزدیک اسلام کی ترقی میں بڑا دخل تھا۔ اور اب بھی مسلمانوں کی حالت کو درست کرنے کے لیے اُن کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں ایک بڑی صفت نفس کشی کی تھی اور یہی صفت ہی جڑ ہمدردی کی۔ جود و سخا کی۔ ایثار کی ٭

جب انسان خود اپنی حاجتوں کا مغلوب ہے اس کے دل میں دوسرے کی امداد و اعانت کی تحریک پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اب سب سے پہلے اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنو ٭

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تین دن متواتر شکم سیر نہیں ہوئے ولو شئنا لشبعنا ولکن کان یوثر علی نفسه ولا یدخر شیئا لغد یعنے چاہتے تو پیٹ بھر کر کھاتے مگر حضرتؐ کی عادت تھی بھوکوں کو کھلا دیتے۔ اور آپ بھوکے رہتے اور کل کا فکر تو کبھی کیا ہی نہیں ٥

ہر چہ آمدت بدست بہ دادی تو پیش ازاں ‌ ‌ ‌ ‌ ایں جود آں کس است کہ از فقر عار نیست

ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب فقر و فاقے سے بہت تنگ آئے تو کئی آدمی مل کر حضرتؐ کے پاس گئے اور اپنے اپنے پیٹ دکھائے۔ سب نے ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ تاکہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو۔ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک دکھایا تو اُن کے دو پتھر بندھے ہوئے تھے ٭

حضرت عمر رضؓ سے منقول ہے کہ میں ایک دن پیغمبر صاحبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ تہمد باندھے بورئیے پر پڑے ہیں۔ بورئیے کی تیلیاں جو جو بدن میں چبھی ہیں۔ تو نشان پڑ پڑ گئے ہیں۔ پھر جو میری نگاہ طاقوں پر جا پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں۔ ذرا سا پنیر دھرا ہے۔ اور وہیں پاس کو پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ یہ ایذا اور بے سامانی دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں بے اختیار رو دیا ٭

حضرت عائشہ رضؓ ذکر کرتی ہیں کہ ایک دن میرے میکے سے بکری کی ران آئی۔ رات کا تھا وقت میں نے اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مل کر مشکل سے اُس کو بنایا۔ جن کے سامنے یہ مذکور تھا۔ اُس نے پوچھا کیا چراغ نہ تھا؟ تو حضرت عائشہ رضؓ بولیں۔ "تیل ہوتا تو ہم اپنی ہنڈیا ہی نہ بگھار لیتے" ٭

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عمر چپاتی کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ٭

سہل بن سعدؓ نے چھلنی کے باب میں بھی ایسی روایت کی ہے مع شئے زائد۔ وہ یہ کہ میں نے اپنے راوی سے پوچھا کہ بھلا چھلنی نہ تھی تو جَو کا آٹا کس طرح کھاتے ہوں گے راوی نے کہا کنا نطحنہ وننفخہ فیطیر ما طار وما بقی ثرّیناہ فاکلناہ حضرت کی غالب غذا تھی چھوارے۔ وہ بھی قسم جیّد نہیں۔ اور شکم سیر نہیں ٭

اُمیّہ بن صفوان مولفۃ القلوب میں تھا۔ حضرتؐ نے اُس کو اتنا دیا کہ جود دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ سخی بہتیرے دیکھے۔ مگر اِس درجے کی سخاوت کا سوائے نبیؐ دوسرے کا نفس متحمل ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کا یہ شعر کچھ مبالغہ شاعرانہ نہ تھا۔ بلکہ حکایت نفس الامری ہے

ما قال لا قط الا فی تشہدہٖ لولا التشہد کانت لاءہ نعم

بعض شاعر بھی بلا کے چور ہوتے ہیں۔ ایک عجمی نے اس کا لفظی ترجمہ کر کے کسی بادشاہ کے مدحی قصیدے میں داخل کر دیا۔ ٭ شعر

نہ رفت کلمۂ لا بر زبان او ہرگز مگر بہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

کم بخت کو نہ چوری کرتے شرم آئی اور نہ دنیادار بادشاہ کی اس قدر بے جا اور نامناسب خوشامد کرتے ہم صرف جود کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ اتنی باتوں کو کہ خود حاجت مند اور سخت درجے کے حاجت مند اور اس قدر دادو دہش اور کشادہ دلی کے ساتھ آپ فرماتے تھے لو کان[1] مثل اُحد ذھبا یسرنی ان لا یمر علی ثلث لیال وعندی منہ شیٔ اور یہی کیفیت تھی تا دم مرگ کہ مرض الموت سے پہلے کہیں حضرت عائشہؓ کو چھ یا سات دینار دیئے تھے کہ مساکین کو تقسیم کر دینا۔ علالت میں خیال آیا تو پوچھا۔ حضرت عائشہ نے عذر کیا شغلنی[3] وجعک آپ نے منگوا کر دنانیر[4] کو ہاتھ میں لیا اور فرمایا ماظن[5] من نبی اللہ لو لقی اللہ عزوجل وھذہ عندہ میں نے اوبد اکر حدیث کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ مال دنیا پیغمبر صاحب کی نظر میں نہ صرف بے قدر تھا بلکہ اپنے اور اپنے اقارب اور متعلقین کے لیے مبغوض۔ اُنھوں نے صدقات کو جو ہمارے زمانے کے مولویوں اور مشائخوں کی معاش کا بڑا ذریعہ ہے۔ نہ صرف اپنی نسل پر بلکہ بنی ہاشم پر ہمیشہ کے لیے قطعاً حرام کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک بار آنحضرت

---

[1] ہم جَو کو پیس کر اوپر سے پھونک مار دیتے بھوسی جو اُڑنی تھی اُڑ جاتی۔ پھر آٹا گوندھا پکایا کھا لیا ۱۲ [2] اگر میرے پاس کوہ اُحد کی قدر سونا ہوتا تو مجھ کو بڑی خوشی اس کی تھی کہ تین راتیں نہ گذرنے پائیں سب خرچ کر دوں ۱۲ [3] میں آپ کی تیمارداری میں مصروف تھی [4] جمع دینار کی ۱۲ [5] اور نبی کی نسبت خیال کیا جائے جو یہ اشرفیاں لیے ہوئے خدا کے پاس جائے ۱۲

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المال میں بیٹھے ہوئے نقد وجنس مستحقین کو تقسیم کر رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام (بچے تو تھے ہی) ایک چھوہارا منہ میں ڈال لیا۔ حضرتؐ کی نظر پڑ گئی فرمایا کخ کخ یعنے چھی چھی یہ لوگوں کے مال کا میل ہے۔ آل محمدؐ پر حرام۔ اور آخر وہ چھوہارا اگلوا دیا۔ اور اس و او وہش کا ضروری نتیجہ تھا کہ آپ نے صرف اپنے نفس پر سختی جھیلتے تھے۔ بلکہ تمام اہل و عیال۔ یہاں تک کہ ایک بار ازواج مطہرات نے توسیع نفقات پر ضد کی تو آپ ناخوش ہو کر سب کے چھوڑ بیٹھنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی کا تو بیان ہے سورۂ احزاب میں[1] یا ایہا النبی قل لازواجك ان كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحا جميلا وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الآخرة فان الله اعد للمحسنات منكن اجرا عظيما اس طرح کی بیسیوں باتیں ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع سے آخر تک حد درجے کی نفس کشی کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس کے بہت شواہد ہیں کہ نہ ریاکاری تھی نہ ناداری تھی۔ نہ خست نہ کفایت شعاری تھی بلکہ ٹھہی کہ اپنے تئیں ایذا ہو تو ہو مگر دوسروں کو فائدہ پہونچے۔ ابتدائے عمر میں دادا اور دادا کے بعد چچا ان کے متکفل تھے پھر خدا نے اُن کو خدیجۃ الکبریٰ کے مال سے غنی کر دیا تھا اور اس کے بعد تو بادشاہ تھے صاحب ملک و لشکر و مالک اموال غنیمت۔ یتصرف فیہا کیف یشاء[2] مگر انتقال ہوا تو تیس صاع[3] جو کے بدلے اپنے پہننے کی زرہ رہن تھی۔ اپنے لیے تو اس درجے کی تنگی اور مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کا دریغ نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب ملک فتح ہونے لگے تو آپ نے منادی کر دی کہ انا اولی[4] بالمؤمنين من انفسهم من توفى من المؤمنين وترك دينا فعلى قضاءه ومن ترك مالا فهو لورثته اب اسی نفس کشی کے متعلق چند باتیں صحابہؓ کی سنو۔

حضرت عمر کے بیٹے اپنے والد کے حالات میں بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جابر بن عبداللہ کے ہاتھ میں ایک درم دیکھا پوچھا کہ کیسا درم ہے۔ جابرؓ نے کہا بہت دنوں سے بال بچے گوشت کو ترس گئے۔ آج ارادہ ہے کہ اس کا گوشت لیکر پکواؤں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ بولے کیا تم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جس چیز پر جی للچایا

[1] اے نبیؐ اپنی بیبیوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت درکار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم کو درکار ہو اللہ اور رسولؐ اور آخرت کا گھر تو جو تم میں نیکوکار ہیں اُن کے لیے خدا نے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ۱۲ [2] جس طرح چاہتے اُس میں تصرف کرتے ۱۲ [3] یہ ملک عرب کا ایک پیمانہ ہے ۱۲ [4] مجھ سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی خیر خواہ نہیں۔ جو مسلمان قرضدار مرے اُس کا قرضہ میرے ذمے اور جو مال چھوڑ مرے تو مال اُس کے وارثوں کا ۱۲

گئے اور ہول سے آئے۔ تم سے اپنے چچا زاد بھائی اور پڑوسی کی خاطر بھوک کی سہار نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یاد سے اُتر گئی ہے اذہبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا[1] مالک دارمی سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانِ خلافت میں ایک غلام کو عبیدہ بن الجراح کے پاس چار سو دینار دے کر بھیجا اور کہا یہ دینار اُن کو دے کر ذرا ٹھہرے رہنا۔ دیکھ تو کیا کرتے ہیں۔ غلام نے دینار پہونچا دیئے۔ اور حکم کے مطابق ٹھہرا رہا۔ عبیدہ نے حضرت عمرؓ کا شکریہ ادا کیا اور لونڈی کو بلا کر کہا کہ سات وہاں اور پانچ وہاں دے آ۔ یہاں تک کہ اسی طرح کل چار سو کے چار سو تمام ہو گئے۔ غلام نے جو دیکھا جا کر عرض کر دیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے چار سو کی ایک تھیلی اور بھر رکھی تھی۔ اسی طرح غلام کو معاذ بن جبل کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی عبیدہ کا ماجرا پیش آیا اتنی بات زیادہ ہوئی کہ جب معاذ دینار تقسیم کر رہے تھے۔ اُن کی بی بی نے آ کر کہا بخدا ہم بھی حاجتمند ہیں کچھ تو ہم کو بھی دو۔ شعر

گل پھینکے ہو اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اُس وقت صرف دو دینار باقی تھے۔ معاذ نے بی بی کے حوالے کیے۔ حضرت عمرؓ نے عبیدہ اور معاذ کا حال سنا تو بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہاں یہ ہیں المؤمنون اخوۃ بعضہم من بعض[2] حضرت عمرؓ کو اسی طرح کا معاملہ سعید بن عامر کے ساتھ پیش آیا۔ سُنا کہ اُن کے ہاں آگ تک نہیں سُلگتی۔ ایک ہزار بھیج دیئے۔ اُنہوں نے تھیلیاں اور پڑیاں باندھ باندھ کر بانٹنا شروع کیے۔ بی بی نے کہا یہ روپیہ جو خلیفہ نے ہمارے لیے بھیجا ہے تم کس کس کو دیئے ڈالتے ہو۔ کہا اُن لوگوں کو جو اس کے ہم سے زیادہ حاجتمند اور حقدار ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو اُن کی امارت یعنی خلافت کے زمانے میں دیکھا کہ عین مونڈھوں کے بیچ میں اوپر تلے تین پیوند لگے ہوئے تھے۔

عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا ممبر پر کھڑے خطبہ پڑھ رہے ہیں اور چار یا پانچ درم کی قیمت کا عدن کا بُنا ہوا موٹا تہمد باندھے ہوئے ہیں۔ یہ وہ عثمان تھے جن کا لقب غنی تھا اور جنھوں نے پینتیس ہزار درہم کا ایک بیر رومہ[3] خرید کر وقف کر دیا تھا۔ تجہیز جیوش اور دوسرے مواقع پر جو خرچ کیا اُس کا مذکور نہیں۔

---

[1] تم دنیا میں مزے اُڑا چکے اور فائدہ اُٹھا چکے ۱۲ [2] مسلمان بھائی آپس میں ایک ہیں ۱۲ [3] یہ ایک کنوئیں کا نام ہے ۱۲

حضرت عمر رض کے حالات میں لکھا ہے کہ خلافت پر مسلط ہوئے پیچھے مدت تک انھوں نے بیت المال سے ایک کوڑی نہ لی۔ آخر تنگ ہوئے تو صحابہؓ کو بلاکر کہا کہ میرا سارا وقت اِس کام میں صرف ہوجاتا ہے میں بیت المال سے لوں تو کیا لوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ صبح و شام دو وقت کھانے کی قدر۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اس کو پسند کیا اور اسی پر کار بند رہے +

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک مشہور حکایت ہے کہ کھانا لیکر لقمہ اُٹھاتے ہی تھے کہ ایک مسکین نے آواز دی۔ آپنے سارا کھانا اُس کے حوالے کیا۔ دوبارہ کھانا پکا۔ اور اتفاق سے عین وقت پر یتیم آنکلا۔ پھر تیسری بار قیدی۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی وَیُطعِمُونَ الطَّعامَ علیٰ حُبِّہ مسکینا ویتیما و اسیرا اِنّما نُطعِمُکم لِوجہِ اللہِ لا نُرِید منکم جزاءً ولا شکورا +

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخاوت کی ایک مثال کا میں نے خاص نوٹس لیا کہ قرض تو بہت بُری بلا ہے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ قاعدہ رکھا تھا کہ جو شخص قرضدار مرتا اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھتے۔ اور مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور قرض سے بچیں۔ چنانچہ ایک شخص نے وفات پائی۔ لوگوں نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز جنازہ کی درخواست کی۔ آپنے پوچھا ھل علیٰ صاحبکم دین قالوا نعم قال ھل ترک من وفاء قالوا لا قال فصلّوا علیٰ صاحبکم قال علی بن ابی طالب علیّ دینہ یا رسول اللہ فتقدّم فصلّی علیہ اِس صورت میں ایک مرا ہوا مسلمان نماز پیغمبر کی برکت سے محروم رہا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ سے اِس کا حرمان نہ دیکھا گیا۔ اور اُس کا سارا قرضہ اپنے اوپر اوٹ لیا۔ تو وہ زندہ مسلمانوں کی ایذا کو کیوں برداشت کرنے لگے تھے۔ سیر کی کتابوں میں بھی نظر سے گزرا ہے کہ حضرت علیؓ کے اپنے عزیز۔ یہاں تک کہ اُن کے بھائی عقیل اُن سے ناخوش رہتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ اُن کے دینے میں مضایقہ کرتے تھے

ایساہی معاملہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا تھا کہ اُسامہ بن زید کو زیادہ ملا۔ تو عبداللہ بن عمر نے باپ سے گلہ سا کیا۔ حضرت عمر رض نے فرمایا کہ تم اور اسامہ برابر نہیں ہو سکتے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسامہ کے باپ کو تمہارے باپ سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔ حقیقت میں اِن لوگوں کے کچھ

۵؎ کھانے کے خود حاجتمند ہیں اور آپ نہیں کھاتے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں کہ ہم تم کو خدا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے بدلہ یا شکرگزاری درکار نہیں ۲؎ ۳؎ پوچھا کہ اس شخص کو کسی کا کچھ دینا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ پوچھا کہ ادائے قرض کے لیئے بھی کچھ چھوڑ مرا۔ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو تم اُسکے جنازے کی نماز پڑھ لو۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ اس کا قرض میرے ذمے۔ تب آپنے نماز جنازہ پڑھائی

عجیب حالات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سولہ دینار حج میں صرف کیے۔ اور بیٹے سے کہا کہ ہم نے بیت المال کا روپیہ زیادہ اٹھایا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اور سولہ دینار کا خرچ اور اس پر افسوس۔ حضرت ابوبکرؓ کے باب میں تو پیغمبر صاحب پکارے فرماتے تھے کہ جس قدر ان کا روپیہ میرے کام میں آیا ہے اور کسی کا نہیں آیا مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا مِنْ يَدٍ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا اَبِي بَكْرٍ فَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِي مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالُ اَبِي بَكْرٍ۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار پیغمبر صاحبؐ کو روپے کی ضرورت تھی یعنی وہی مسلمانوں کے عام فایدے کے لیئے۔ کیونکہ ان کے ہاں ذاتی ضرورت سے تو کچھ بحث ہی نہ تھی خیر تو پیغمبر صاحب نے صحابہؓ کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے تو اپنا آدھا مال لا حاضر کیا اور پیغمبر صاحب سے کہہ بھی دیا اور دل میں سمجھا کہ آج حضرت ابوبکرؓ سے میں ضرور بازی لے جاؤں گا۔ دیں گے تو وہ بھی ضرور۔ مگر شاید آدھا نہ دے سکیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی اپنا چندہ لیے ہوئے آپہونچے۔ پیغمبر صاحبؐ نے مجھ سے بھی پوچھا تھا مَا اَبْقَيْتَ لِاَهْلِكَ تو میں نے عرض کر دیا تھا مِثْلَهٗ۔ حضرت ابوبکرؓ سے بھی پوچھا۔ تو اُنھوں نے کہا اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کے بعد سے حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بند اور تکموں کی جگہ کانٹے اور تنکے لگاتے پھرتے تھے اور اسی سے لوگ اُن کو ذو الخلال کہنے لگے تھے۔ اگر کسی کو چندے کی مقدار پر گھمنڈ ہو تو اُن بزرگوں میں مقدور والے خدا کے فضل سے اِن میں بھی کسی سے ہیٹے نہ تھے السّابقون السّابقون عبد الرحمن بن عوف غزوۂ تبوک میں نہ جا سکے اس کے کفارے میں ستر ہزار دینار خدا کی راہ میں صرف کیے۔ ایک بار پانسو اونٹ اور پانسو گھوڑے خیرات کر دیئے۔ یہ حضرت عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اِس بشارت کی خوشی میں قافلے کا قافلہ جو شام سے اِن کا مال تجارت لا رہا تھا سب خیرات کر دیا۔ حکیم بن حزام نے سو غلام عرفے کے دن آزاد کیے جن کے گلے میں چاندی کے طوق تھے اور طوق پر کندہ تھا عُتَقَاءُ اللّٰهِ ساٹھ ہزار کو معاویہ کے ہاتھ رہنے کا مکان بیچ کر سارا زرِ ثمن خیرات کیا۔ کمال تو ابو طلحہ انصاری نے کیا کہ پیغمبر صاحبؐ پاس کوئی سائل

ف۱ جس کسی کا ہم پر کچھ احسان تھا ہم سب کا بدلہ اُتار چکے مگر ابو بکر کا ہم پر ایسا احسان ہے کہ اس کا عوض قیامت میں اُن کو خدا کے یہاں سے ملے گا۔ اور مجھ کو کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابو بکر کے مال نے ۱۲ ف۲ تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کتنا باقی رکھا ۱۲ ف۳ جتنا حاضر لایا ہوں اسی قدر اہل وعیال کے لیے چھوڑ آیا ہوں ۱۲ ف۴ میں نے اللہ و رسول کے سوا اہل وعیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑا ۱۲ ف۵ اگلے نیک کاموں میں سب پر سبقت لے گئے تھے ۱۲ ف۶ تبوک ایک شہر کا نام ہے ملک شام میں ۱۲ ف۷ وہ دس صحابی جن کو پیغمبر صاحب نے جیتے جی بہشتی ہونے کی خوشخبری بحکم خدا سُنا دی تھی ۱۲ ف۸ خدا کی راہ میں آزاد کیے ہوئے ۱۲

آیا۔ حضرتؐ نے پہلے ازواج طاہرات سے کہلا بھیجا کہ کچھ ہو تو دو۔ سب سے جواب صاف ملا۔ آخر پیغمبر صاحبؐ نے حاضرین سے فرمایا۔ کیوں بھائی تم میں سے کسی کو ہمت ہی کہ اس غریب کو ایک رات مہمان رکھے۔ ابوطلحہ بولے حضرتؐ اِسے میرے ساتھ کر دیجئے۔ مہمان کو تو لے گئے۔ گھر پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہاں بھی صفایا ہے اور کچھ ہے بھی تو اتنا کہ بچوں کا پوٹ پورا ہو۔ آخر اس کے سوا اور کچھ نہ کرتے بن پڑا کہ بی بی سے کہا کہ بچوں کو تو کسی طرح بہلا پھسلا کر سویرے سے سلادو۔ کھانے کا وقت آئے تو کسی حیلے سے چراغ گل کر دینا میں خالی مونہہ چلاتا رہوں گا۔ مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اسی واقعے کو مفسرین نے آیت وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[۵۱] کا شان نزول بتایا ہے۔ اب تک میں نے شخصی مثالیں بیان کی ہیں یہی حال تھا گروہ کا گروہ سے اور قوم کا قوم سے۔ مثلاً جب مہاجرین مدینے میں آرہے تو انصار نے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرتؐ ہمارے بھائی مہاجر محض بے سر و سامان ہیں۔ آپ ہمارے اموال میں اُن کا برابر کا حصہ لگا دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا تمہارا یہی احسان بہت ہی کہ تم ہم سے کام نہیں لیتے اور خرچ سے ہماری مدد کرتے ہو۔ پھر جب بنی نضیر[۵۲] کی غنیمت ہاتھ لگی تو پیغمبر صاحبؐ کو انصار کی وہ بات یاد تھی۔ آپ نے انصار سے کہا کہ اب کہو تو غنیمت میں تمہارا حصہ لگا کر مہاجرین کو تمہارے اموال میں شریک کر دوں۔ یا غنیمت صرف مہاجرین کے لیے رہنے دوں کہ ان کو ضرورت ہی۔ تمام انصار نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ غنیمت صرف مہاجرین کو دیجئے۔ ہمکو اس کی خواہش نہیں۔ اور اپنے مال میں مہاجرین کے شریک کرنے سے ہم پہلے بھی راضی تھے اب بھی رضی ہیں۔ پھر حنین کی لڑائی کے بعد جو فتح مکہ کے تھوڑے ہی دنوں پیچھے ہوئی جب ہوازن[۵۳] اور ثقیف کی لوٹ تقسیم ہونے لگی تو حضرتؐ نے قریش کو خوب جی کھول کر دیا۔ بعض انصار کے مونہہ سے یہ بات نکلی کہ ہنوز ہماری تلواروں سے قریش کے خون پڑے ٹپک رہے ہیں اور ان ہی کو بہت دیا جاتا ہے۔ حضرتؐ کو خبر پہونچی تو آپ نے انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔ سو تم کو معلوم ہے کہ میں مصلحت وقت سمجھ کر بعض اوقات نااہل کو بھی دیتا ہوں۔ کیا تم اس سے رضی نہیں ہو کہ لوگوں کو مال ملے اور تم کو خدا اور خدا کا رسولؐ۔ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض نوجوان آدمیوں کے مونہہ سے ایسی بے جا بات نکلی تو سہی مگر ہم میں سے جو صاحب الرائے ہیں اُن کو مطلق شکایت نہیں۔ اور ہم خدا اور خدا کے رسولؐ سے رضی ہیں

[۵۱] اپنے تئیں حاجت ہی کیوں نہ ہو دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں ۱۲ [۵۲] یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ہے ۱۲

[۵۳] ہوازن اور ثقیف قبیلوں کے نام ہیں ۱۲

ہم کو مال و دولت کچھ درکار نہیں۔ ہم اسی کو بڑی دولت سمجھتے ہیں کہ آپ کے قدم ہمارے سروں پر رہیں ان چند باتوں سے جو میں نے بیان کیں ظاہر ہو گیا ہوگا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کس رنگ سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے تھے ہم میں بھی خیر خواہان دین ہیں۔ خیر خواہان قوم ہیں۔ اور یہ عمارت اور یہ کارخانہ جس میں ہم لوگ اس وقت موجود ہیں اس خیر خواہی کا ثبوت مرئی ہے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ آیا یہ خیر خواہی اور اس رنگ کی خیر خواہی مسلمانوں کی ضرورت کو کافی ہے یا نہیں۔ میرا کہنا یہی ہے کہ ہرگز کافی نہیں۔ البتہ جان جوکھوں کا کچھ بھی کام نہیں۔ صرف روپے کا خرچ۔ سو اس طرح پر سسک کر خرچ کرنے سے نہ اب تک کچھ ہوا اور نہ آیندہ کچھ ہو سکیگا۔ کرنا ہے تو پورا کام کرو۔ ادھورا کام ہوا نہ ہوا برابر۔ عربی فارسی میں تو کچھ اثر رہا نہیں اب تو چلتا ہوا عمل انگریزی کا ہے۔ سو انگریزی شاعر کہتا ہے۔

آل دیٹ یو ڈو۔ ڈو۔ وِتھ یور مائٹ   تھنگز ڈن بائی ہاوز آر نور ڈن رائٹ

ذرا سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں مسلمانوں کو کوئی حکم دیا گیا۔ ہر زمانے کے مسلمان مکلف اور مخاطب ہیں یا صرف وہی لوگ جو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمعصر تھے۔ اگر احکام الٰہی انہی زمانے کے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوں تو ہم سستے چھوٹے۔ مگر ہم نے تو کسی نیچری مسلمان کو بھی کہتے نہیں سنا۔ باتیں وہی ہیں۔ کسی میں سر مو فرق نہیں اور ہونا ممکن بھی نہیں۔ وہی خدا ہے وہی قرآن ہے وہی احکام ہیں۔ وہی ان کا عموم ہے۔ ہاں ایک بات کا فرق ضرور ہے کہ ویسے مسلمان نہیں انھوں نے اسلام کو دیکھا ضعیف۔ محتاج امداد۔ محتاج حمایت۔ اور جان و مال سے اس کی مدد کو پل پڑے آپ فاقے کیے اور دوسروں کے پیٹ بھرے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلایا۔ اور مہمان کو کھلایا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ سلطان وقت ہو کر پیوند لگاتے۔ موٹا جھوٹا پہنا تاکہ جو کوڑی بچے دوسرے مسلمانوں کے کام آئے ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ کسی نے آدھا اور کسی نے سارا مال ایک دم سے خدا کی راہ میں دے دیا۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ بے سر و سامان بھائیوں کی مدد جو کی سو کی۔ اُن کو آدھا مال بانٹ دینے کے لیے اصرار کرتے رہے۔ ہم میں بھی کبھی کسی نے ایسا کیا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ ✻

سلہ جو کچھ کرنا ہے بمقدور کرو۔ ادھورے کام کبھی ٹھیک نہیں ہوتے ۱۲

حضرتؐ کے چچا حمزہ بن مطلب اور معصب بن عمیر کو پورا کفن تک نہ ملا۔ یہاں تک کہ چادر منونہ پر ڈہانک کر پیروں پہ گھاس ڈال دی گئی۔ اور یہ اُن معصب کا مذکور ہے۔ جن کی نسبت پیغمبر صاحبؐ نے فرمایا کہ میں نے دو سو درہم کا حلہ پہنے اپنی آنکھ سے اُن کو دیکھا ہے۔ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے کسی مسلمان کو ایسے سامانی کے ساتھ دفن ہوتے دیکھا؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرح تنکے اور کانٹے لگانا تو اُن ہی کا کام تھا۔ ہم میں سے کسی نے چینی کے بٹنوں پر بھی کبھی قناعت کی ہے؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم میں سے بھی کبھی کسی نے عام مسلمانوں کو اپنے نفس اور اہل و عیال اور عزیزوں پر ترجیح دی ہے جس کا دوسرا نام ایثار ہے؟ کسی نے نہیں کبھی نہیں۔ قطعہ

خسرو سے خواستگاری شیریں ہیں کوہ کن ۔۔۔ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مونھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ۔۔۔ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

شاعر نے تو کہا ہے ع

"اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا"

اور میں کہتا ہوں ع

"اے روسیاہ تجھ سے تو کچھ بھی نہ ہو سکا"

پس یا تو اپنا استثناد کھاؤ یا اسلام اور خیر خواہیِ اسلام کے دعوے سے ہاتھ اُٹھاؤ۔ یا گزشتہ را صلوات خیر جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب اس کی تلافی کرو۔ سید احمد خاں تو میرے لکچر کے سننے والوں میں نہ ہوتے تو بہتر تھا۔ مجھ کو چار و ناچار اُن کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اِن کے برو اِن کی مدح کرنا خود مجھ کو ناگوار ہوتا ہے اِن کو مجھ سے بھی زیادہ ناگوار ہوتا ہوگا۔ مگر یہ میرے اختیار کی بات نہیں۔ ایک شخص کو دیکھتا ہوں اور نہ صرف میں دیکھتا ہوں۔ بلکہ سارا زمانہ دیکھ رہا ہے کہ مسلمانوں کے پیچھے اپنی جان کھپائے چلا جاتا ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ مسلمانوں پر لکچر دوں اور سید احمد خاں کا نام نہ لوں۔ بس ایک اس شخص کی دل سوزی تو اگلے لوگوں کی دل سوزی کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہے۔ باقی یوں کہنے کو تو ہم سب مسلمان ہیں۔ سبھی اسلام کے خیر خواہ ہیں اور اپنے مقدور کے موافق سبھی کرتے ہونگے ؎

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے ۔۔۔ سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

سید احمد خاں کے ظاہر حال سے دھوکا ہو سکتا ہے کہ اونچے درجے کے انگریزوں کی طرح ماند و بود کرتے ہیں

گورنروں کو مہمان رکھتے ہیں۔ اِن کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہیں۔ توبہ توبہ۔ زبان آخر تو چمڑے کی ہے اِس وقت کیا بہکی ہے۔ ہم پیالہ نہیں صرف ہم نوالہ۔ ایک بدگمان آدمی کو یہ کہہ دینا۔ اور نہ صرف کہہ دینا بلکہ اُن لوگوں کو جو حقیقت الحال سے آگاہ نہیں۔ یقین کرا دینا کیا مشکل ہے کہ اِن کی ساری خیر خواہی اسی میں منحصر ہے کہ لوگوں کی جیبیں ٹٹولتے پھرتے ہیں۔ اور اس کا کریڈٹ آپ لیتے ہیں۔ حلوائی کی دُکان پر دادا جی کی فاتحہ لیکن جس کے دل میں ایسا وہمہ گزرے اُس کو اس بات پر بھی نظر کرنی چاہیئے کہ سید کو چار و ناچار فیلبانوں کے ساتھ دوستی رکھنی پڑتی ہے۔ اور وہ بڑے پھاٹک کے بدون نبھ نہیں سکتی ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی یا بنا کن خانہ بر بالائے پیل

اگر یہ انگریزوں کی طرح ہائی لائف (اونچی شان دار زندگی) نہ رکھیں تو کوئی اعلےٰ درجے کا انگریز ایک اعلےٰ درجے کا نیٹو (ہندوستانی) جن بیچاروں نے ؏

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

انگریزی عملداری سے اتنا ہی فائدہ اُٹھایا ہے۔ کہ انگلش ہیبٹس (اوضاع انگریزی) کا مونہہ چڑانے لگے ہیں ایسے لوگوں میں سے کوئی اِن کی طرف رُخ کرے۔ رُخ کرنا کیسا اپنی اسپیشل ٹرینوں کے علیگڈھ سٹیشن پر ٹھہرنے کے بھی تو روادار نہ ہوں۔ اور ایسی موٹی اسامیاں دام میں نہ آئیں تو چندے کی بھاری بھاری رقمیں کِن سے ہاتھ لگیں۔ یہ ہے لِم سر سید کی فوق البھڑک زندگی کی۔ اگر اُس کو فوق البھڑک کہنا درست ہو۔ مجھ کو حقیقت میں معلوم نہیں کہ سید احمد خاں نے اپنی جیب خاص سے کیا خرچ کیا۔ لیکن چونکہ اِن کا عداد اغنیا میں نہیں ہے اِن کی قومی ہمدردی کا اندازہ چندے کی مقدار سے کرنا بے انصافی ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں بھی چندے کی ضرورت ہوئی تو مقدرت والوں نے دینار و درہم کی تھیلیاں لا کر الٹ دیں۔ ایک بے مقدور صحابی تھے اُن کا دست رس یہیں تک تھا کہ چند مٹھی کھجوریں جو اُن کو میسر آئیں لا حاضر کیں۔ اس کی اُن لوگوں نے جو دل سے نہیں بلکہ چندے کی مقدار سے دلی ہمدردی کی جانچ کرتے تھے ہنسی اُڑائی۔ اللہ میاں کو اِن کی ہنسی ایسی بُری لگی کہ بڑے غصے کی ایک آیت نازل ہوئی اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُہْدَہُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْہُمْ سَخِرَ اللّٰہُ مِنْہُمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ[1] پس سید احمد خاں

---

[1] خیرات کرنے والے مسلمان جن کو اپنی محنت کی کمائی سے زیادہ کا مقدور نہیں جو لوگ ایسے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن و تمسخر کریں اللہ اُن کے ساتھ تمسخر کرتا ہے اور اُن کو دکھ کی مار ہے ۱۲

کی قومی ہمدردی کا موازنہ کرنا چاہیئے۔ اِس سے کہ اُنھوں نے اپنے جسم اور دل اور دماغ اور آرام کو جس کے اِس عمر میں سبھی سخت حاجت مند ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی ہیں قوم کے نذر کر دیا۔ کیا مال اِن چیزوں سے بھی زیادہ عزیز ہو سکتا ہے۔ پس ضرور بقدر دسترس اُس کے خرچ کرنے میں بھی انھوں نے دریغ نہیں کیا ہوگا۔ انھوں نے دل سوز۔ وفادار۔ اور نمک حلال غلاموں کی طرح قوم کی چند در چند خدمتیں کیں۔ میں یہاں تک بھی اِن کی بہت قدر نہیں کرتا۔ جس چیز کی سب سے زیادہ وقعت میرے ذہن میں ہے یہ ہے کہ قوم منت پذیر نہیں ہوئی (افسوس) اور یہ شخص اُسی خوش دلی اور اُسی سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔

آج سرسید کی لیاقت کا ہندوستان میں ایسا سکہ بیٹھا ہوا ہے کہ انگریزی سرکار میں گنجایش نہیں تو ہندوستانی سرکاروں میں ہزاروں کی نوکری اِن کی جوتیوں سے لگی پڑی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے دُھن کے آگے اِن باتوں کا خیال بھی نہ کیا ہوگا۔ یہ وہ خیر خواہیاں ہیں کہ روپیہ تو ایک کم حقیقت چیز ہے۔ جواہرات بھی اِن کا بدل نہیں ہو سکتے۔ سرسید میں ہم اِس بات کا ثبوت پاتے ہیں کہ جس چیز کی مسلمانوں کو ضرورت ہے وہ سچی ہمدردی ہے۔ مقدور ہو نہ سہی۔ ہم کو دینے والے درکار نہیں بلکہ درکار ہیں لینے والے۔ لینے والے ہوں گے تو وہ دینے والے آپ پیدا کر لیں گے۔ جن لوگوں نے علی گڈہ کالج میں چندہ دیا۔ اُن کا دینا ایک حسنہ ہے۔ اور سید احمد خاں کہیں داعی الی الخیر[1] ہوئے۔ کہیں دال علی الخیر[2] کہیں۔ قائد الی الخیر[3] کہیں سائق الی الخیر[4]۔ پس اِن کے یہ مزید حسنات ہیں اور سرسید مسلمانوں کے لیے خیر محض۔ اسلام کو جو ترقی ہوئی تھی وہ بھی مفلس ہی مسلمانوں کی کوشش سے ہوئی تھی۔ پس جس کو خدا توفیق دے اور اُس کے دل میں مسلمانوں کی امداد کا داعیہ پیدا ہو چاہیئے کہ متوکلاً علی اللہ[5] اُٹھ کھڑا ہو اور بے سامانی کی طرف سے ذرا بھی پس و پیش نہ کرے۔ ارادہ ہی کافی سامان ہے بشرطیکہ پکا ہو۔ کیا خوب کہا ہے صمم العزم فی المہمات جداً[6] قل ما خاب صادق العزمات۔

ایک بات میرے دل میں دیر سے کھٹک رہی ہے۔ اور میں اُس کو ٹالتا چلا جاتا ہوں۔ مگر کب تک؟ اور اُس کو لگا رکھوں تو کس دن کے لیے۔ وہ یہ کہ قرآن میں جو جگہ جگہ جہاد کی بحث ہے۔ تاکید ہے۔ مجاہدین کے لیے بشارتیں ہیں مواعید ہیں۔ اور اُس کو افضل الاعمال فرمایا ہے۔ آیا جہاد سے وہ لڑائی مراد ہے۔ جس میں خون نکل آتا ہے۔ جس میں سر پھوٹتے ہیں اور ہڈیاں ٹوٹتی ہیں۔ اور سنا ہے کہ آدمی مر بھی جاتا ہے تو اِس کے افضل الاعمال

---

[1] نیک کام کی طرف بلانے والے ۱۲ [2] بتلانے والے نیک کام کے ۱۲ [3] لے چلنے والے طرف خیر کے ۱۲ [4] کھینچنے والے طرف خیر کے ۱۲ [5] خدا پر بھروسا کر کے ۱۲ [6] مشکل باتوں کا عزم کرو تو پکے طور پر کرو۔ سچے ارادے کا آدمی کمتر ناکام رہتا ہے ۱۲

ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر اس صورت میں وہ فرض موقّت ہوگا۔ یعنی اس کی ضرورت واقع ہوگی فی وقت دون وقت[51]
لیکن الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز روزے کی طرح جہاد بھی حکم مستمر[52] اور متجدد[53] ہے۔ اور ایک حدیث اس طرح کی
بھی ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوے سے واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ رجعنا[54] من الجہاد
الاصغر الی الجہاد الاکبر اور مسلم ہے کہ جہاد اکبر سے مراد تزکیہ نفوس[55] ہے تو معلوم ہوا کہ جہاد کا اطلاق صرف لڑائی بھڑائی
اور مار کٹائی پر نہیں۔ بلکہ ہر عمل خیر جس میں جہد و مشقت ہو داخل جہاد ہے ہم اپنے محاورے میں ہاتھ دھو کر ایک
کام کے پیچھے پڑنے کو جان کا لڑا دینا بولتے ہیں۔ پس اگر مثلاً یُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ بِاَنْفُسِہِم کا ترجمہ کیا جائے
کہ خدا کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں تو میرے نزدیک زیادہ رو بصحت ہوگا بیشک ایک وقت تھا کہ جہاد فی
سبیل اللہ منحصر اور متعین تھا لڑائی میں۔ لیکن اب مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ اہل یورپ کے علوم کو تکمیل کے ساتھ
حاصل کریں۔ اور ہمارے زمانے کا جہاد یہی ہے کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو تعلیم دی جائے۔ میں جانتا ہوں
کہ آج کل کے مولوی اس تفسیر کو سنکر کان کھڑے کریں گے۔ مگر میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ نہ خوف سے اور
نہ خوشامد سے بلکہ دیانت سے میں انگریزی عملداری کو خاص کر مسلمانوں کے حق میں بڑا ہی احسان الٰہی سمجھتا ہوں
مسلمانوں کو اپنی عملداری میں وہ امن اور آزادی نصیب نہیں جو ہم مسلمانان ہند کو ایمپرس وکٹوریہ کے ظل
حمایت میں ہے ٭

جو لوگ اسلام کے معتقد نہیں اکثر ناواقفیت سے اور بعض ضد سے اسلام پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ مگر غدر اور
بدعہدی کی اسلام میں اس سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے کہ کوئی جھوٹوں بھی ایسا الزام نہیں لگا سکتا خدا
ئے مسلمانوں کا خدا کیسے صاف لفظوں میں پکار رہا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ[56]۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَہْدِہِمْ
اِذَا عَاہَدُوْا۔ اَوْفُوْا بِالْعَہْدِ اِنَّ الْعَہْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا۔ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِہَا۔ خیر یہ تو لکھنے اور
کہنے کے احکام ہیں۔ اب دیکھو ان کی تعمیل۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب تقاضائے مصلحت وقت حدیبیہ
کی صلح دب کر کی تھی۔ اس میں شرط یہ ٹھہری تھی کہ دوران صلح میں اگر مکے والوں میں کا کوئی شخص بھاگ کر پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا جائے تو پیغمبر صاحب اس کو واپس کر دیں اور اگر پیغمبر صاحب کا آدمی بھاگ کر مکے والوں

[51] ایک وقت ہوگی اور ایک وقت نہ ہوگی ۱۲ [52] ہمیشہ ۱۲ [53] وقتاً فوقتاً اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے ۱۲ [54] ہم چھوٹے جہاد
سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف متوجہ ہوئے ۱۲ [55] اخلاق بد سے نفس کو پاک کرنا ۱۲ [56] اے ایمان والو عہد و پیمان کو پورا کرو جب
عہد کریں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے۔ عہد کو پورا کرو کیونکہ اس کی پرسش ہونے والی ہے۔ اس کے بعد زمین میں فساد مت پھیلاؤ ۱۲

ہیں جالے تو خیر۔ صلحنامے پر دستخط ہو ہی رہے تھے کہ اتنے میں سُہیل کا بیٹا ابوجندل جس کو باپ نے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا گرتا پڑتا پیغمبر صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ اُس کو دیکھ کر صحابہؓ کے تیور بدلے۔ اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ملال تو بہتیرا ہی ہوا مگر صلح کر چکے تھے صاف کہہ دیا کہ بھائی جا صبر کر میں تو بدعہدی نہیں کروں گا ٭

اسی طرح ابوبصیر مکے سے بھاگ کر مدینے میں آ رہے۔ جوں ہی پیغمبر صاحب نے اُن کو دیکھا فرمایا ویل امہ مسعر حرب[1] اور بے تامل اُن کو اُن دو آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اُن کو پکڑنے آئے تھے۔ ایک بڑی ہی عمدہ حدیث ہے کہ پیغمبر صاحب نے اپنے وقت کے سلاطین کو دعوت اسلام کے خط لکھے۔ ایک خط ہرقل روم کے نام بھی تھا۔ وہ جو اُس کو ملا تو اُس نے دریافت کیا کہ دیکھو مکے کے لوگ تجارت کے لیے اکثر آیا کرتے ہیں اگر ہوں تو اُن کو حاضر کرو۔ چنانچہ سارے قافلے کو ہرقل پاس لے گئے۔ اُن میں ابوسفیان بھی تھے۔ جو اُس وقت تک پیغمبر صاحب کے بڑے مخالف تھے۔ ہرقل نے اُن لوگوں سے پیغمبر صاحب کے جزو کل حالات پوچھے۔ اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اُس شخص نے یعنی پیغمبر صاحب نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کی مخالفت کی وجہ سے کئی بار میرے دل میں آیا کہ جھوٹ کہہ دوں۔ مگر ساتھ والوں کے ڈر سے نہ کہہ سکا۔ جب ہرقل نے پوچھا کہ کبھی بدعہدی بھی کی ہے تو آخر میں اتنی بات کہہ ہی گزرا کہ اب تک تو نہیں کی آگے کی خبر نہیں۔ پیغمبر صاحب کو تو عہد کے نباہ کا یہاں تک خیال تھا کہ ایک خطبے میں آپ نے فرمایا اوفوا بحلف الجاہلیۃ فانہ یعنی الاسلام لا یزیدہ الا شدۃ[2]۔ معاویہ نے اہل روم سے میعادی صلح کی۔ جب میعاد قریب الانقضا ہوئی تو انہوں نے اس ارادے سے سرحد کی طرف کوچ کرنے شروع کر دیے کہ میعاد گزرتے ہی حملہ کر دیں اتنے میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر[3] دیکھا تو عمرو بن عبسہ صحابی تھے معاویہ نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا سمعت رسول اللہ یقول[4] من کان بینہ وبین قوم عہد فلا یحلن عہدا ولا یشدنہ حتی یمضی امدہ او ینبذ الیہم علی سواء یہ سنتے ہی معاویہ اُلٹے لوٹ پڑے ٭

مہاجرین اولین نے جب نجاشی کے پاس جا کر پناہ لی تو وہاں نجاشی کو ایک لڑائی پیش آ گئی مسلمان تو

[1] اس کا بُرا ہو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ۱۲ [2] زمان جاہلیت کے عہد و پیمان کو نباہو کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس کو اور قوت ہو گئی ہے ۱۲ [3] اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے عہد کا نباہ چاہیے نہ بدعہدی ۱۲ [4] میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا کہ اگر کوئی کسی قوم کے ساتھ عہد پیمان رکھتا ہو تو اُسے تا انقضائے مدت کمی بیشی نہ کرے یا ان کے ساتھ معاملہ مساوات کرے ۱۲

گھبراتے کہ یہاں بھی ہماری تقدیر سے تکے نے پیچھا نہ چھوڑا ع

بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیدا است

کمریں باندھ باندھ نجاشی کے ساتھ ہو لیتے اور اس کی فتح کے لیئے دعائیں مانگنے لگے سو الگ تا لیسے احکام اور
ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے ہول [ف۱] برٹش انڈیا میں کبھی کوئی مسلمان اُس جہاد کا خیال کر ہی نہیں سکتا
جس کے معنے ہیں دشمنی اور مخالفت کی لڑائی - ایسی لڑائی اِس عملداری میں کسی بھلے آدمی کا شیوہ نہیں اور نہ
اس کو عقل جائز رکھے اور نہ مذہب - مگر ہاں (کوئی پولیس کا آدمی تو اِدھر اُدھر نہیں لگا ہے) گورنمنٹ کے تو نہیں
اہل یورپ کے ساتھ علمی مورچہ لینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے - کمبخت مسلمان ہمت ہی نہیں کرتے ٭
میں نے مضمون ایسا وسیع اختیار کیا کہ اگر میں غط کہتا ہوتا تو زیادہ نہیں تاہم ایک برس تو خاصہ
گھسیٹ لے جاتا - میرا دماغ نہیں تھکا - آواز نہیں تھکی - مگر کھڑے کھڑے ٹانگیں تھک گئی ہیں - اور سامعین بھی
ملول ہو گئے ہوں گے - میں مسلمانوں کے ماڑلز [ف۲] پر کچھ ریمارکس کرنے کو تھا مگر وہ بھی دیر طلب کام ہے تو میں اپنے
لکچر کو ختم کیے دیتا ہوں - مگر چلتے چلتے ایک آیت تو اور سنو اس کا ایک ایک حرف ہم پر منطبق ہے - گویا یہ
اس کے شان نزول میں ہم ہیں ھَاَنْتُمْ ھٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا
یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ [ف۳]
آیت میں دو یا تین باتوں کا میں نے سرسری [ف۴] نوٹس لیا ہے ایک تو یہ ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ یعنے جو کوئی
بخل کرے تو یہ نہ سمجھے کہ دوسرے محروم رہے نہیں وہ خود محروم رہا - کیونکہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتا اُس کا
فائدہ اُسی کو پہونچتا - اس سے ہماری عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہے کہ لوگ خدا کی راہ میں دیتے اور لینے والے
یا دلوانے والے پر احسان رکھتے اور نہیں سمجھتے کہ خدا کی راہ میں دینا عین اپنے تئیں دینا ہے ٭
دوسری دھمکی ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم خدا اور اس کی عظمت اور شان
اور قدرت کو جاننے پہچاننے والے کے دل پر ویسا ہی اثر کرے گی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے لو [ف۵] انزلنا ھذا

ف۱ تمام ہندوستان ۱۲ ف۲ اخلاق ۱۲ ف۳ دیکھو تم ہی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلاتے جاتے ہو تو کوئی کوئی تم میں
بخل کرتا ہے - اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنے حق میں بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم حاجتمند ہو اور اگر نہ مانو گے تو تمہارے
بدلے دوسروں کو لے آئیگا وہ تم جیسے ہونے کے بھی نہیں ۱۲ ف۴ مطلب یہ ہے کہ دو یا تین باتوں کی طرف بڑے زور سے توجہ کی ہے
ف۵ اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا ہوتا تو وہ خدا کے خوف سے جھک گیا ہوتا - پھٹ گیا ہوتا ۱۲

القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ مگر نہ ویسے دل ہیں نہ ویسا ایمان ہے ۵۰

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایک دن زرارہ بن اوفی تابعی قاضی بصرہ کا تھا کہ نماز میں فاذا نقر فی الناقور پڑھا بے اختیار چیخ نکلی اور چیخ کے ساتھ روح پرواز کرگئی اب فاذا نقر فی الناقور کے معنے کون سمجھتا ہے اور سمجھتا تو اس کا یقین کون کرتا سمجھنے والے تو ان فکروں میں پڑے ہیں کہ عرصہ گاہ محشر نہ ہوا کوئی فوج کا پڑاو ہوا۔ پس ناقور سے اس کے اصلی معنے مراد ہو نہیں سکتے۔ اللہ میاں بھی کہتے ہوں گے کہ عجب کٹھ حجت بندوں سے معاملہ پڑا ہے کمبختوں نے قرآن کو ابن حاجب کا کافیہ بنا دیا ہے کہ لفظ مونہہ سے نکلا اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ اس طرح کے شبہات کا دل میں خطور کرنا بڑے خطر کی بات ہے۔ یہ نشان ہے اس بات کا کہ طبیعت دین کی باتوں کے قبول کرنے سے اباکرتی ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء (لکچرار نے کالج کے لڑکوں کی طرف نظر کی جو ہال کے دونوں طرف اونچی گیلری پر جمع تھے اور خوب قہقہہ اڑا) بے شک انسان کو جتنی قوتیں جسمانی اور دماغی دی گئی ہیں کسی مصلحت سے دی گئی ہیں ان میں سے کسی قوت کا مہمل اور معطل رکھنا داخل رہبانیت ہے ولا رہبانیۃ فی الاسلام مگر اعتدال شرط ہے۔ ضرور عقل بھی ایک قوت ہے اور بڑی بکار آمد قوت ہے۔ مگر اس کی رسائی کی بھی ایک حد ہے۔ اس کو اس کی حد سے باہر لے چلنا کج پزی ہے اور یہی وہ عیب ہے جس سے تنگی طبیعت کا آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جتنا علم اس وقت دنیا میں ہے ازمنہ ماضیہ کے علوم سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ پھر بھی قاصر و محدود ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تو جو شخص دین کی ہر ایک بات کو اپنی عقل کی گرفت میں لانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس گنگھٹ پونجیے پنساری سے زیادہ آنسٹ نہیں ہو سکتا جو اپنی کو لکی سے ساری قرابادین کی دوائیں مہیا کر دینے کا ادعا کرے

اگر عقل انسانی میں اتنی وسعت ہوتی کہ وہ تمام اسرار حکمت الٰہی پر احاطہ۔ اور اُن باتوں پر جو بعد مرگ پیش آنے والی ہیں رائے زنی کر سکتی تو دین کا سارا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جاتا۔ اور وہی عقل لوگوں

---

۵۱ جب پھونکا جائے صور ۱۲ ۵۲ جس کو خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اسلام کے لیے اُسکے سینے کو کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اُسکے سینے کو تنگ رکا ہوا کر دیتا ہے جیسے اُسکو کوئی آسمان میں کھینچے لیے چلا جا رہا ہے ۱۲ ۵۳ غلام گردش ۱۲ ۵۴ کج بیان پت ۱۲ ۵۵ علم تو تمکو دیا گیا ہے مگر یوں ہی سا ۱۲ ۵۶ دیانت دار ۱۲

کی ہدایت کو کفایت کرتی تحقیقات کا جو طریقہ ہمارے نوجوان انگریزی خوان ساکنان ملائے اعلیٰ (لکچرار نے کالج کے طلبا کی طرف پھر سر اٹھا کر دیکھا) پسند کرتے ہیں اس کا ایک پہلو بہت ہی زبون ہے کہ جب ہم ہر ایک مسئلے کو عقل کی روشنی سے دیکھیں اور کسی بات میں قصور فہم کا اعتراف نہ کریں اور جو امر اپنی سمجھ سے بالاتر پائیں اُسے جھٹلائیں بل[1] کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه یا اُس کی تاویل کے درپے ہوں تو حقیقت میں ہم مخبر صادق پر ایمان نہیں لاتے بلکہ ایمان لاتے ہیں اپنی عقل پر اور بس۔ یہ بیان منجر ہوتا ہے ایک بہت بڑی بحث کی طرف جس کے لیے وقت مساعد نہیں۔ بات یہ ہے کہ میری ہٹ کسی سے نہیں ملتی۔ نہ اولڈ سکول (پرانے خیالات) والوں کی طرح میں ڈارک ویوز (کوتاہ نظر) رکھتا ہوں۔ نہ نیچریوں کی سی بلند پروازی۔ جب سر سیّد نے مجھ کو لکھا کہ تجھ کو مسلمانوں پر لکچر دینا ہوگا۔ تو میں نے اپنے ان ہی خیالات کی وجہ سے فی اول الوہلہ چاہا تھا کہ عذر کروں پھر میں نے سمجھا کہ سر سید تو نہیں مگر شاید کسی کو ایسا گمان ہو کہ لاہور کی کانفرنس میں جو وزر التعریف ہو گئی تھی تو شیخی میں آگیا ہے۔ بلاتے ہیں تو لوڑھے نخرے کرتا ہے اِس سوء ظن کے دفع کرنے کو میں بے عذر آموجود ہوا۔ اگر آج کے لکچر نے کوئی خاص اثر پیدا کیا تو واہ رے میں۔ ورنہ مجھ کو تو اس مضمون پر کوئی حرف مونہہ سے نکالتے ہوئے پھر سنو گے نہیں۔ یہ ظرف خدا نے سر سیّد ہی کو دیا ہے ع

کس نشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم

---

[1] جو سمجھ میں نہ آیا لگے اُس کو جھٹلانے ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب کی تقریر جو

جلسۂ افتتاح مدرسۂ طبیہ دہلی منعقدہ ۲۳ جون ۱۸۸۹ء پر بیان کی

تمہید

اس جلسے کی وقعت ہمارے گرامی صاحبان ذیل سے معلوم ہوگی کہ کس رتبے کے لوگ شریک تھے*

جناب مسٹر آر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی۔ جناب سر سید احمد خاں صاحب۔ جناب جلال الدولہ نواب محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر مستقل جنگ رئیس دوجانہ۔ جناب صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ صاحب بہادر گورگانی۔ نواب محمد اسحاق خاں صاحب جنٹ مجسٹریٹ اٹاوہ۔ لالہ رام کشن داس صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ سریکشن داس صاحب ساہو گوڑ والہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ۔ جناب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب آنریری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و رئیس دہلی۔ جناب مولوی حشمت اللہ خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب رئیس علی گڑھ۔ نواب ضیا علی خاں صاحب رئیس رامپور۔ نواب احمد علیخاں صاحب رئیس رامپور۔ میجر شمشیر بہیا صاحب بہادر رئیس گوالیار۔ شاہزادہ والا گوہر صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر۔ ملا اسمٰعیل صاحب رئیس ہنڈالی ملک برہما۔

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کی سپیچ (تقریر) اگر اس تو (جامع) سپیچ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اور کچھ کہنے کی ضرورت

باقی ہے۔ مگر حکیم عبد المجید خاں صاحب اور چند دوسرے صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ میں بھی کچھ کہوں۔ پس میں پہلے تھوڑی سی نظم پڑھوں گا اور پھر جو کچھ کہنا ہے کہوں گا

اشعار

بات سُناتے ہیں تمہیں اِک نئی / قوم کے جتنے کہ ہیں پچھن کئی
جب ہوئی قوم اپنی نظر میں ذلیل / اس کو بھی مٹنے ہی کی سمجھو دلیل
چارہ کار اس کا کوئی کیا کرے / آپ وہ اپنے تئیں رسوا کرے
اپنی بداندیش وہ خود ہو مگر / عیب نماید ہنرش در نظر
سمجھے وہ نقصان کمالات کو / آگ لگے ایسے خیالات کو
یاں بھی کم و بیش یہی حال ہے / عاقبت زشتی اعمال ہے
جن ہنروں پر تھا ہمیں افتخار / اب ہیں وہی موجب صد گونہ عار
علم ہمارا ہے بتر جہل سے / اور بھی کچھ ہونا ہے نااہل سے
دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں / ہمکو ہی خود اپنی رعایت نہیں
جب طبیعت کو ہو ہٹ سے ساز / اُسکے لیے سم ہے دواخانہ ساز
ہم بھی کبھی باسروسامان تھے / ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
ہمکو بھی آرام کا احساس تھا / سیم و غنا رکھتے تھے زر پاس تھا
ہمنے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر / ہمنے بھی پہنا ہے سمور و حریر
اوڑھتے تھے ہم بھی کبھی سر پہ تاج / ہمنے بھی لوگوں سے لیے ہیں خراج
ملک لیے سلطنتیں زیر کیں / غیر سے کتنی صدیاں تیر کیں
علم میں بھی ہمکو تھی وہ دستگاہ / ہم تھے مشاہیر فضیلت پناہ
لوگ تھے شاگرد ہم اُستاد تھے / سارے زمانے کے ہنر یاد تھے
سر میں ہمارے بھی کبھی عقل تھی / باقی اسی اصل کی سب نقل تھی
پر نہیں رہتا کوئی یکساں سدا / سب کو تغیر ہے بغیر از خدا
آگئے ہم لوگ بھی اس پھیر میں / کوئی سویرے ہے کوئی دیر میں

ہمکو ذرا بھی نہیں اس کا ملال — سب کو تنزل ہی سبھی کو زوال
رنج تو اپنوں کی شماتت کا ہی — ظلم بھی ظلم اہل قرابت کا ہی
غیر تو کرتے ہیں فقط بدکلام — اپنے ہیں مصداق الدّ الخصام[1]
غیروں کی باتیں ہیں ہفوات اللسان[2] — اپنوں کے طعنے ہیں جروح السنان[3]
بھائی ہیں اور ربط باہم نہیں — اخوت یوسف[4] سے یہ کچھ کم نہیں
لڑنے کو گھوسے بغلی زور ہیں — گھر کے یہ بھیدی ہیں مگر چور ہیں
بنتے ہیں کہنے کے لیے خیر خواہ — ان کی شرارت سے خدا کی پناہ
ان کے جو دیکھے ہیں نمونے برے — پہلے سے ہم ہو گئے دونے برے
ایسا بھی ہوتا ہے کوئی سبےوفا — ق — اپنے بزرگوں سے یہاں تک خفا
ان کی ہر اک بات سے سیکھے خلاف — کیجئے توہین سلف صاف صاف
یاں وطن اہل وطن سے ہے ننگ — اپنے میں لیتے نہیں اہل فرنگ
اب بھی اگر عقل میں ہی کچھ صلاح — مان لو یہ بے غرضانہ صلاح
دست نگر غیروں کے ہر کار میں — کیسا کساد[5] آگیا بازار میں
اپنی ہر اک چیز سے بیزاریاں — ہائے وہ کیا ہو گئیں خودداریاں

میں آج صبح سے ہزلاً نہیں بلکہ جدًّا اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے تئیں بتکلف ہشاش بشاش بناؤں کیونکہ یہ جلسہ اسی قسم کا ہے کہ اس میں ہشاش بشاش ہو کر شریک ہونا چاہیئے۔ لیکن ازبسکہ میں پولیٹیکل[6] طور کا آدمی نہیں ہوں جن کے دل کو بشرے سے کسی طرح کا علاقہ نہیں ہوتا۔ میں توقع نہیں کرتا کہ میرا دل تو ہشاش بشاش ہو نہیں میں نے اپنی صورت ہشاش بشاش بنالی ہو۔ میرے دل کے ہشاش بشاش نہ ہونے کا سبب یہ ہی کہ میں نے ہندوستانیوں میں اس قبیل کی بہت سی تحریکیں دیکھیں تو نہیں مگر سنی ہیں۔ اے کاش ان میں سے فی صدی پانچ کو اتنا ثبات ہوتا۔ جتنا آج کل کے حشرات الارض کو ہوتا ہے کہ برسات بھر کودے اچھلے پینگے چلے پھرے جاڑے کے آتے آتے فنا ہو گئے ؏ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ یہ زمانہ علوم و فنون ایجاد

[1] سخت جھگڑالو۔ یہ اشارہ ہے طرف اس آیت کے وھو الد الخصام ۱۲ [2] بیہودہ باتیں ۱۲ [3] برچھے کا زخم ۱۲ [4] ضد ا۱۲ [5] ...

[6] یعنے امور ملک داری و ملک گیری سے مجھے کچھ تعلق نہیں ہے ۱۲

صنعت اور آزادی کی ترقی کا ہے۔ سو اس ترقی کا ظہور علی وجہ الکمال تو یوروپ میں ہے۔ ہم نے اپنے حوصلے اور ارادے سے نہیں بلکہ انگریزوں کے طفیل میں یا یوں کہو کہ اُن کی دیکھا دیکھی الی یومنا ھذا اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ ہم میں سے کُل نہیں بلکہ بعض وقلیل ماھم زمانے کی رفتار اور اپنی درماندگی کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں سو جنہوں نے سمجھا وہ کچھ کرتے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ خیال جن میں ہیں اُن میں بھی راسخ نہیں علی الاکثر اُن کے منصوبے ناتمام ہوتے ہیں۔ اُن کی کوششیں رائگاں اور اُن کی مساعی ناشکور۔ پس ترقی یا رفارم کے لحاظ سے ہمارا حال مبتدی کا سا ہے۔ اور مبتدی بھی کمبخت بدشوق۔ جیسا شوق ویسی محنت ویسا نتیجہ ہماری نظر میں ہندوستانیوں کے جوش وخروش کی باسی دال کے اُبال سے ذرہ بھی زیادہ وقعت نہیں ؎

اے طبل بلند بانگ در آخر ہیچ

اُس منے ٹٹو کی طرح جو پہلے پہل بگھی میں جوتا جائے ہم اپنی ساری قوت فی اول الوہلہ صرف کر دیتے ہیں۔ اور منزل کی دوری پر مطلق نظر نہیں کرتے۔ انجام کیا ہوتا ہے۔ اور اسکے سوائے ہونا بھی کیا تھا۔ کہ اگر ہمکو مثلاً قطب صاحب تک جانا تھا تو ہم اجمیری دروازے پڑے ہیں یا پہاڑ گنج یا بڑا دھاوا مارا تو جنتر منتر۔ اے خرک اللہ دیر آمدہ زراہ دور آمدہ۔ اس طرح کے مجامع چاہے وہ لپنے تئیں مجلس پکاریں یا انجمن یا کمیٹی یا سوسائٹی یا ایسوسی ایشن یا کلب ؎

بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش

غرض اس طرح کے مجامع میں اُن کی کچھ کیفیت بیان کروں۔ ایک شخص کے دل میں دفعتًہ ایک خیال پیدا ہوا اور پیدا ہوا بھی تو کس طرح جیسے بجلی چمک جاتی ہے کلما[1] اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا فورًا اس نے اپنے چند متعارفین سے کہا۔ کوئی پریزیڈنٹ[2] بنا کوئی وائس[3] پریزیڈنٹ کوئی سکرٹری۔ کوئی کیا کوئی کیا۔ نوٹس چھپا لوگ جمع ہوئے۔ سپیچیں سنائی گئیں۔ چیرز ہوئے ایک نے کھڑے ہو کر پرپوز[4] کیا دوسرا سکنڈ بنا وہ بھی کھڑا ہو کر۔ رزولیوشن پاس ہوئے۔ چیرمین[5] کو تھینکس[6] دیئے گئے جلسہ ہمیشہ کے لیے برخاست ؎

آنچہ آدم مے کند بوزینہ ہم

اب آپ انصاف کیجیے کہ ہندوستانیوں کی انجمنوں کے حق میں جس شخص کے ایسے خیالات ہوں جس نے

---

[1] چمکی تو چلنے لگے اور جبکہ اندھیرا ہو گیا کھڑے کے کھڑے رہ گئے ۱۲ [2] میر مجلس ۱۲ [3] نائب میر مجلس ۱۲ [4] یعنی کوئی تجویز پیش کی ۱۲ [5] جو خاص جلسے میں صدر نشین ہو ۱۲ [6] شکریہ ادا کیا گیا ۱۲

سینکڑوں انجمنوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا اور سنا ہو وہ کیوں اس جلسے میں حاضر ہوتا۔ اور خصوص ہشاش بشاش ہوکر۔ لیکن بعض صورتیں اس عموم سے مستثنیٰ بھی ہیں جن کو انگریزی محاورے کے مطابق آنریبل اکسپشنز (مستثنیات قابل عزت) کہنا چاہیئے۔ اور امید کرتا ہوں اور نہ صرف امید بلکہ دعا بھی کہ یہ جلسہ بھی ان ہی مستثنیات میں سے ہی اور انشاء اللہ ہوگا۔ جس غرض سے ہم لوگ مجتمع ہوئے ہیں۔ میں اُس کو دل سے اسقدر پسند کرتا ہوں کہ بس کوئی دوسرا بھی اسکو پسند کرے گا تو اتنا ہی کرے گا۔ مگر جس طرح ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں موافق و مخالف۔ اس مدرسۂ طبیہ کے بھی دو پہلو ہیں اور جگہ چندے کی مشکل ہوتی ہے ع زر مے طلبی سخن درین است ٭ یہاں مجھ کو اس کا ذرا بھی خدشہ نہیں۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب جو اسکے بانی اور محرک اول ہیں میں ان کے اقتدار انکی وجاہت اور انکے رشد سے بخوبی واقف ہوں۔ انکو روپے کا اکٹھا کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں لوگ دوسرے کاموں کے لیے چندہ دینے میں بخل و مضایقہ کریں تو کریں۔ مگر اس مدرسے کے لیے جس کے ضروری اور مفید اور خیر محض ہونے میں کوئی کلام کر ہی نہیں سکتا۔ بطیب خاطر دینگے۔ دینگے اور بہت کچھ دینگے اس مدرسے کے بارے میں بہت بڑی مشکل خود مدرسے کی ہے۔ میں اُس اثر کو دیکھتا ہوں جو انگریزی تعلیم اور انگریزی عملداری لوگوں کے دلوں پر کر رہی ہے۔ کوئی حالت کوئی شان کوئی وضع کوئی کیفیت کوئی چیز نہیں جس میں النّاس علی دین ملوکھم[1] کا آئرن رول (جبری ضابطہ) بڑے زور کے ساتھ ظاہر نہ ہو۔ طب یونانی اس بلائے بے درمان کے مقابلے میں ابھی تک اتنی بھی سنبھلی تو بہت سنبھلی۔ مگر آیندہ اُسکے بقا و ثبات کی لئے سوائے امکاناً اور کوئی صورت نہیں کہ طب یونانی اور ڈاکٹری کو ملا کر مزاج زمانہ کے موافق ایک معجون مرکب تیار کیا جائے۔ مگر اس معجون کا بنا لینا ایسا کیا بچوں کا کھیل ہے میں تو اسکو کیمیا کے بنا لینے سے کچھ ہی کم مشکل سمجھتا ہوں۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب کی نسبت میرا ایسا خیال نہیں ہے کہ انھوں نے اس مشکل پر نظر نہیں کی۔ اور بہت اچھی طرح کی۔ اور اسی مشکل کے علاج کی تمہید ہے جسکو برکت دینے کے لیے آپ جیسے بزرگان قوم جمع ہوئے ہیں۔ اگرچہ کل حضرات کی تشریف آوری حکیم عبد المجید خاں صاحب کی دلدہی اور تقویت کا موجب ہوئی۔ مگر خاصکر آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں کا شریک رسم افتتاح مدرسہ ہونا اس کی کامیابی کی فال نیک اور اسکے ثبات و استحکام کی ضمانت ہی نہ اس لیے کہ سر سید احمد خاں ہندوستانیوں میں بحیثیت التعزز دنیاوی سر برآوردہ ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ من وجہ حکیم عبد المجید خاں ہیں اور اُن میں مماثلت ہے

---

[1] جو بادشاہ کا دین وہی رعایا کا دین ۱۲

سرسید ڈاکٹر ہیں تو عبد المجید خاں حکیم ۔ اور ڈاکٹر اور حکیم مرادف یکدیگر ۔ سرسید نے بھی عبد المجید خاں کی طرح ایک کالج کی مسلمانوں کے لیے ضرورت سمجھی ۔ اور جن کے فایدے کے لیے کالج بنانا چاہا اُنھوں ہی نے مزاحمتیں کیں اڑنگے لگائے چلتی ہوئی گاڑی میں روڑے اٹکائے ۔ مگر واہ رے سید آدمی ارادے کا اتنا تو پکا ہولے تو کسی بڑے کام کا بیڑا اُٹھائے ۔ کالج کو چلا ہی کر چھوڑا ۔ حکیم عبد المجید خاں کو ہمارے سرسید سے بہت کچھ سیکھنا اور اخذ کرنا ہو گا ۔ انگریزی لباس نہیں میز چھری کانٹا نہیں اور بھی چند باتیں نہیں بلکہ استقلال مزاج اور وہ چیز جسکو ہم ٹھیٹ ہندی میں دُھن سے تعبیر کرتے ہیں اور محنت اور حلم اور خلوص ۔ اگر یہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا اور اتفاق میں خدا نے بڑی برکت دی ہے آپ اتنے صاحب کثر[1] کہ اللہ جمانا چاہینگے تو کیوں نہ جمیگا ۔ غرض اگرچہ مدرسہ توقع کے مطابق جم گیا تو ہماری چودھویں صدی کے مخطات الامور میں سے شمار کیا جائے گا ۔

---

[1] خدا کرے تمہارا شمار زیادہ ہو ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اثبات اصول اسلام

یعنے لکچر

جو جناب ممدوح نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے پانچویں سالانہ جلسے پر

۲۵۔ فروری سنہ ۱۸۹۰ء کی شام کو ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں (جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے) خدا کی ہستی۔ توحید۔ اور عبادت۔ رسالت اور ختم رسالت کے اثبات پر عقلی دلایل سے دیا

تمہید

یہ لکچر مہاراجہ دھیان سنگھ کی کوٹھی میں شب کے وقت ہوا جس سے وسیع زیادہ لاہور میں کوئی مکان نہیں۔ انجمن کے لوگوں نے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ شہر میں آریہ اور عیسائیوں کی بڑی شورش ہے ایسا لکچر دیا جائے کہ ان پر اثر پڑے۔ چنانچہ انجمن نے بالخصوص ان لوگوں کو بلایا اور حضار میں ان کا مجمع مسلمانوں سے کم نہ تھا اور اس لکچر کا غل تمام شہر لاہور میں مچ رہا تھا۔ لکچر ۱۲ بجے شب کے قریب لکچر سے فارغ ہو کر اپنے مکان پر واپس آئے۔ رات کا وقت اور سب لوگ لکچر کے شوق میں سر شام ہی سے آگئے تھے مگر لاہور والوں کو لکچر سننے میں بڑی ہی دلچسپی ہے۔ نہ کوئی اونگھا اور نہ کوئی ملول ہوا۔ انجمن حمایت اسلام میں شاید اس سے زیادہ ہجوم اور کبھی نہیں ہوا۔

میں اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں۔ اگرچہ دلی رہا ہے دلی (جو سینکڑوں برس تمام ہند کا دار السلطنت خلائق اور حاجات خلائق کا مرجع لیاقت اور کمالات کا مرکز حکومت اور دولت کا منبع رہی۔ اب مضافات لاہور میں ہے۔ مگر دلی والے تو کیوں اپنے تئیں پنجابی سمجھنے لگے۔ پنجابی بھی اُن کو پنجابی نہیں سمجھتے اور وہ پنجابی ہیں بھی نہیں اور ہو سکتے بھی نہیں ٭

جغرافیے کی رو سے دہلی اور پنجاب کے مواقع مختلف۔ دونوں کے باشندوں کی زبان مختلف وضع مختلف۔ خیر تو غرض یہ ہے کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں۔ اور اس بات کو میں اس غرض سے ظاہر نہیں کرتا کہ خدانخواستہ میں پنجاب کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ نہیں بلکہ ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے ٭

مجھ کو اس موقع پر **میر تقی** صاحب کی ایک حکایت یاد آئی کہ شاہ عالم کے زمانے میں جب دربار دہلی اسقدر بے مقدرت ہو گیا کہ ارباب کمال جو وابستگان دامان دولت شاہی تھے روٹیوں تک کو محتاج ہوئے تو رفتہ رفتہ سب لوگ لکھنو چلے گئے۔ میر تقی صاحب تنگ مزاج سے آدمی تھے جلے تن۔ اور تنک مزاجی کی وجہ سے یوں بھی دربار شاہی میں اُن کی رسائی جیسی چاہیے ویسی نہ تھی۔ اِن کی تنک مزاجی اس حد کو پہونچی تھی کہ خود بادشاہ کے حضور میں بھی ان سے ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ شاہ عالم خود شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میر تقی صاحب شاہ عالم کے سلام کو گئے۔ تو حضور والا نے پوچھا کہ میر صاحب بعد مدت کے آپ کو دیکھا۔ کچھ افکار تازہ سنایئے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ مجھ کو فکر دہن سے ہی فرصت نہیں۔ فکرِ سخن کیا کروں۔ بادشاہ نے اس بات کو تو ٹال دیا اور کہا تو یہ کہا کہ بھائی میں تو صحت خانے (پاخانہ) میں جاتا ہوں تو ایک غزل کہہ لاتا ہوں۔ میر صاحب کو مطلب کی بات ٹالے جانے سے پہلے کھُنے بیٹھے ہی تھے بے تامل بول اٹھے۔ پھر حضور ویسے ہی سڑے ہوئے اشعار بھی ہوتے ہیں۔ غرض میر صاحب معاش کی طرف سے سخت مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ لکھنو پہونچے۔ سرائے میں فروکش ہوئے۔ سنا کہ مشاعرہ ہے۔ طرح دریافت کی اور عاجلانہ غزل لکھ کر اپنی وضع قدیم سے شریک محفل ہوئے۔ نئی تراش خراش کے لکھنوے لگے انکو گھورنے اور تاڑنے۔ میر صاحب نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو	ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا رشکِ بہار خلد	واں منتخب ہی رہتے تھے سب روزگار کے

انکو فلک نے مار کے ویران کر دیا — ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

تو میر تقی صاحب کو ہر چند دلی سے دل برداشتگی تھی۔ اور وہی دل برداشتگی انکو لکھنو لاتی تھی۔ مگر تاہم انکو اپنے وطن سے اُنس تھا۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ مجھ کو بھی ہے اور ہونا چاہیئے حبّ الوطن من الایمان یہ ایک حدیث ہی میں اس پر کچھ ریمارک کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ سلسلۂ سخن منقطع ہو تو ہو۔ اس وقت مجھ کو یہ خیال آگیا کہ بات تو ایک ہی ہوتی ہے۔ مگر از بسکہ عقلوں کے مدارج متفاوت ہیں ہر شخص اُس سے دوسرا ہی مطلب نکالتا ہے۔ پست خیال دنی الہمت لوگوں کے نزدیک حبّ الوطن کا یہی مفہوم ہے کہ نہ گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔ کون زحمتِ سفر اُٹھائے۔ دیس چھوڑ کر پردیس جائے دال دلیا جو کچھ خدا نے دیا کھالیا بال بچوں میں پڑے رہے اللہ اللہ خیر صلّاح۔ ان سے اونچے اور پاکیزہ خیال کے وہ ہیں جو حب الوطن سے مراد لیتے ہیں اہلِ وطن کی امداد و اعانت۔ ان کی حاجت برآری۔ ان کی خیر خواہی۔ ان کی ہمدردی۔ یہاں تک تو ہم دنیا داروں کی پرواز ہے۔ اس سے آگے خاصانِ خدا ہیں وہ ہر ایک رکیک بات میں سے ایسا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ بس یہ اُن ہی کا حصّہ ہے۔ اسی حب الوطن کے بارے میں مولانا بہاؤ الدین آملی فرماتے ہیں ؎

گنجِ علم ظاہر مع باطن	گفت از ایماں بود حبّ الوطن
ایں وطن مصر و عراق و شام نیست	ایں وطن شہریست کانرا نام نیست
زانکہ از دنیاست ایں اوطان تمام	مدح دنیا کے کند خیر الانام
حبّ دنیا ہست راس ہر خطا	از خطا کے میشود ایماں عطا
تو دریں اوطان غریبی اے پسر	رو بغربت کردۂ خاکت بسر

ان تینوں خیالوں میں بہ ترتیب لف و نشر حیوان و انسان و ملک کی سی نسبت ہی اور چونکہ حب الوطن من الایمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان ایک شئے متجزّی ہے اور حب الوطن اسکا ایک جزو ہے۔ ہر ایماندار کو ایمان کی تکمیل کے لیے اپنا احتساب کر لینا چاہیئے کہ وہ حب الوطن کی نسبت کیا خیال رکھتا ہے۔ اور کہاں تک اس فرض کو ادا کرتا ہے۔ بہرکیف یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ میں نے لکچر کو یوں شروع کیا تھا کہ میں پنجاب کا رہنے والا نہیں ہوں اور ہر شخص کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے۔ مگر پنجاب میں ایک فضیلت ایسی ہے وذٰلک

ؔ وطن کی محبت داخلِ ایمان ہے ۱۲ ؔ اور یہ فضلِ خدا کا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے ۱۲

فضل اللہ یؤتیہ من یشاء جسکی وجہ سے میں پنجاب کو عزیز رکھتا ہوں۔ اور جب میں اس فضیلت کو بیان کروں تو میں یقین کرتا ہوں کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان چاہے وہ پنجاب سے کتنی ہی دور کا رہنے والا کیوں نہ ہو ضرور پنجاب کو عزیز رکھیگا۔ وہ فضیلت یہ ہے کہ خدا کا سچا دین یعنی اسلام اسی پنجاب کی راہ سے ہوکر ہندوستان میں داخل ہوا اور اسی راہ سے داخل ہوا تو اہل پنجاب قبول اسلام میں بھی اَور ہندوستانیوں سے آگے ہوں گے وکفٰی بہ فخرًا[1] اس سے بھی بڑھکر ایک بات اَور ہے کہ ہم مسلمانوں کی شامت اعمال سے اسلام بہت ہی ضعیف ہوگیا ہے اب بعد مدت کچھ آثار ایسے دکھائی دینے لگے ہیں کہ یہ بیمار جس کی نفس شماری کی نوبت پہنچ چکی ہے عجب نہیں کہ بچ جائے تو اگر بچا اور انشاء اللہ بچیگا۔ اور اگر اسکو کچھ بھی توانائی ہوئی اور انشاء اللہ ہوگی تو اے اہل پنجاب لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ اسکا بچنا اور توانائی پانا تمہاری کوشش اور تدبیر سے ہوگا۔ ابھی تک علیگڈہ ایجوکیشنل کانگرس کے وہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں جب سرسید احمد خاں نے تم کو زندہ دل کہا۔ سرسید احمد خاں نے تمکو زندہ دلی کا خطاب کیا سمجھکر دیا اور لوگوں نے تمہارا کون سا ایسا کار نمایاں دیکھا کہ تم سے بڑی بڑی توقعات پیدا کرلیں اسکو تم ہی خوب سمجھ سکتے ہو مگر تمہاری کوششوں میں سے اگرچہ افسوس ہے کہ مجھ کو اُن کی تفصیل اچھی طرح سے معلوم نہیں ایک اس کوشش یعنی انجمن حمایت اسلام لاہور کو تو میں بھی بہت ہی پسند کرتا ہوں۔ جس چیز نے مجھ کو اس انجمن کا گرویدہ کیا یہ ہے کہ اس انجمن کے بانی اور کارپرداز ایسے لوگ ہیں جن کو سچی اسلامی ہمدردی کے سوا اَور کوئی داعیہ اور محرک ہو نہیں سکتا یہ لوگ سوشیل پوزیشن[2] کے اعتبار سے ایسے درجے میں ہیں کہ شہرت اور ناموری اور رشد اور تقرب حکام ان میں سے کسی چیز کی ہوس کو ان کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔

کوششیں ہی قابل قدر ہیں اور غالبًا مشکور بھی وہی ہوتی ہیں اور خدائے تعالے برکت اور ثبات بھی ان ہی کوششوں کو عطا فرماتا ہے جو بے شائبہ غرض دنیاوی ہوں۔ جیسے تمام انبیاء علیہم السلام کی کوشش تبلیغ رسالت میں کہ سب کے سب ہی ایک بات بولتے تھے مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) پر کچھ مزدوری کا خواہاں نہیں میری مزدوری تو پروردگار عالم پر ہے مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ترجمہ میں نے تم سے کچھ مزدوری مانگی ہو تو وہ تم کو مبارک رہے میری مزدوری تو صرف اللہ پر ہے اَمْ تَسْئَلُھُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ

[1] فخر کرنے کو یہ کافی ہے ۱۲ [2] تمدنی حالت۔ یعنے سوسائیٹی میں جس آدمی کی وقعت ہو ۱۲

ترجمہ کیا تم ان سے کچھ چندہ مانگتے ہو تو وہ چندہ جو تم کو خدا سے ملنے والا ہے سب چندوں سے بہتر ہے
اور خدا سارے روزی پہونچانے والوں سے بہتر ہے اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُوْنَ ترجمہ کیا تم
ان سے کچھ مزدوری مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں ۔ھ

دوسری بڑی بہت بڑی نہایت بڑی عمدہ بات تمہاری انجمن حمایت اسلام میں یہ ہے کہ
اُس نے مسلمانوں کی ضرورت وقتی کو ٹھیک سمجھا اور اسکو پیش نظر رکھا ہے۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں
اور دونوں چیزیں نگرانی اور مدد کی محتاج - یہ زمانہ رفارم کا ہے اور میں خیال کرتا ہوں لفظ رفارم اس کثرت سے
زبان زد خلایق ہو رہا ہے کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہے۔ مدرسوں کے مبتدی لڑکے مڈل پاس نہیں کر چکتے کہ
رفارم میں راے زنی کرنے لگتے ہیں۔ یعنے راے کے فارمیشن سے پہلے ان کو رفارمیشن سوجھتا ہے غرض
ملک کے اطراف و جوانب میں بہت سے رفارمر پیدا ہو گئے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن اکثر رفارمر
تو دین و مذہب سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ ہاتھ دھو کر صرف اصلاح دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور
جن معدودے چند نے مذہب کو اپنے پروگرام میں داخل کیا بھی ہے تو کچھ کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ
صرف مونہہ سے کہہ دینے کے لیے ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۔ مگر ہاں انجمن حمایت اسلام لاہور - میں دیکھتا
ہوں کہ کسی حال میں پاس مذہب کو فوت نہیں ہونے دیتی ان کی کارروائی پکارے کہتی ہے کہ جیسا اس انجمن
کا نام ہے ویسا ہی اسکا کام ہے ؛

میں اس بات کو نہایت افسوس کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں کی رفارم کا
ڈھنگ ٹھیک نہیں بیٹھا۔ پہلی غلطی تو یہ ہے کہ صرف تعلیم کو تمام مسلمانوں کے تمام فائدوں کا کفیل سمجھا
گیا ہے یعنے جو شخص رفارم کا خواب دیکھتا ہے اور ایسے بہت ہیں۔ اسکی تعبیر یہی ہوتی ہے کہ وہ کچھ لونڈے
گھیر گھار کر ان کو ایک طرز پر پڑھا چلتا ہے یا پڑھوا چلتا ہے۔ بے شک تعلیم مفید ہے۔ مگر ان دو قسموں پر
ذرا غیال کرنا تمام مسلمان اور ان کے تمام فائدے۔ محال عقل ہے کہ سب مسلمان پڑھ لکھ جائیں۔ گورنمنٹ
اور مشنری اور رفارمر جتنے تعلیم کے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے ہیں۔ ان کی تو کیا اصل ہے۔ میں کہتا ہوں
کہ خود سب مسلمان بھی ملکر چاہیں تو سب لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ یوروپ جس کی گرد کو بھی عموم تعلیم میں ہم آج سے
سو برس بعد تک بھی نہیں پا سکیں گے۔ وہاں بھی جہاں کہیں پڑھنے لکھنے کا بہت چرچا ہے پڑھے لکھوں کا

ھ یہ اُن کے مُونہ کے کہنے کی باتیں ہیں ۱۱

شمار ۳۵ فی صدی سے متجاوز نہیں ہوا۔ اور اس میں پینتیس فی صدی سے بی اے۔ ایل ایل ڈی مت
خیال کرلینا۔ حرف شناس بھی اس میں داخل ہیں۔ بلکہ اکثر ایسے ہی پانی میں ہیں۔ اچھا فار دی سیک آف آرگیومنٹ
فرض کرلو کہ مسلمانوں میں بھی شمار کے اعتبار سے یوروپ کی طرح تعلیم عام ہوگئی تو ہمارے یہاں اسکے یہ
معنے ہونگے کہ اتنے لوگ نوکری کی طلبگاری کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ جسکا ضروری نتیجہ ہے ناکامی ناامیدی
نارضامندی۔ چونکہ میں پارسال یہیں کے ایجوکیشنل کانگرس میں تعلیم پر اپنے خیالات شرح وبسط کے ساتھ
ظاہر کرچکا ہوں میں اس خصوص میں زیادہ نہیں کہنا چاہتا۔ غرض میری قطعی رائے ہے کہ تعلیم اگر مفید ہوگی
تو تعمیم کے ساتھ۔ نہیں بلکہ خاص خاص چیدہ لوگوں کی جو تکمیل تعلیم کی زحمت کا تحمل فراغ تحصیل تک سٹینڈ
اور آخر کار کامپیٹیشن ریس میں جولان کرسکیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سارے مسلمان نوکری پیشہ نہیں ہیں
اور نہ ہوسکتے ہیں۔ تو جو شخص عام مسلمانوں کی رفارم کا مدعی ہو کیوں بالخصوص ایک ہی پیشے کے لوگوں کی
اصلاح کے درپے ہو۔ کیا وہ اُن لوگوں کو مسلمان نہیں سمجھتا جو نوکری کے سوا دوسرے پیشوں سے معاش
پیدا کرتے ہیں؁

دوسری مکروہ اور نہ صرف مکروہ بلکہ سخت مضر غلط فہمی یہ ہے کہ تعلیم مروجہ حال سے دنیا
اور دین میں جدائی پیدا کی جاتی ہے۔ گورنمنٹ کو تو ایک خاص مجبوری ہے کہ اسکو چار و ناچار نیوٹرلیٹی اختیار
کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اسکو اپنی تمام رعایا کے ساتھ ایک سطح پر مدارات کرنی ہے۔ نہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سب
مذاہب کی حمایت کرے اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی خاص مذہب کی طرفدار بن کر دوسرے مذہب والوں کے
دل دکھائے۔ پس اس نے اصول (اذا ابتلی المرء ببلیتین فیختار اھونھما۔ ترجمہ جب آدمی دو مصیبتوں
میں گرفتار ہو تو ان میں بہت آسان کو اختیار کرے) کے مطابق کل مذاہب سے قطع نظر کرلیا اور اسکو کرنا چاہیے
تھا۔ لیکن غلطی باضطرار ہو یا باختیار اپنا نتیجہ تو پیدا کرکے رہے گی۔ باوجودیکہ تعلیم ہنوز محض ابتدائی حالت
میں ہے اُس کے بُرے نتائج ابھی سے مترتب ہونے لگے۔ نیوٹرل تعلیم نے سروں میں بھردی آزادی
خیالات میں مطلق العنانی۔ دلوں میں حوصلے سے بڑھکر توقع۔ تحریر میں شوخی۔ تقریر میں بے باکی۔
ان مجموعی حالات نے حقیقۃً عجیب طرح کا طوفان بے تمیزی برپا کردیا۔ گورنمنٹ کو اس سے جو خطر ہوسکتا
ہے اسکو وہی لوگ خوب سمجھتے ہوں گے جو گورنمنٹ کے ٹرین کے ڈرائیور رہے ہیں؁

۱ یہ فرض والتقدیر ۱۲ ۲ یعنی وہ کسی خاص مذہب کی طرفدار نہیں ۱۲ ۳ قیام اثبات ۱۲ ۴ امتحان مقابلہ کی گھڑدوڑ ۱۲ ۵ بے لگام
۶ گاڑیوں کا قطار ۱۲ ۷ چلانے والے ۱۲

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ہمکو تو اپنی سوسائٹی کی خیر منانی ہے۔ سو تعلیم مروجہ کی برکت سے سوسائٹی کی عمارت کی کوئی اینٹ اپنی جگہ پر نہیں باقی رہی۔ سوسائٹی پر گورن کرتی ہیں تین چیزیں۔ مذہب۔ گورنمنٹ۔ رسم و رواج۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ ان تین گورنروں کی حکومت کا کیا حال ہے۔ مذہب جسکو سب میں شدید الحکومت ہونا چاہیئے سو نوجوانان تعلیم یافتہ کو اسی کے ساتھ تمسخر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ مُونہ سے کہنے والے تو کم ہیں مگر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور دل میں سمجھنے والے اب بھی زیادہ ہیں کہ مذہب بیش برین نیست کہ انسان کے ابتدائی جاہلانہ خیالات کی یادگار ہے اور بس۔ چونکہ انکار مذہب پر کوئی ضرر عاجل مترتب نہیں ہوتا کہ تڑ سے جان نکل جائے یا اوپر سے آسمان ٹوٹ پڑے۔ یا زمین نگل لے۔ ہر ایک ناعاقبت اندیش آدمی جیسا کفر چاہے بک دے سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ مبتلائے تکلیف و مصیبت نہیں۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے اور آکر رہے گا۔ اور اُسکے آنے کا کچھ ٹھکانا نہیں اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۝ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ ترجمہ جس وقت جان پہونچے ہانس تک اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا اور یقین ہو گیا کہ اب آیا وقت جدائی کا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی تیرے رب کی طرف ہے اُس دن کھینچے جانا تب ساری حقیقت کھل جائے گی لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاۗءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ترجمہ تو بیخبر رہا اُس دن سے اب کھول دیئے ہم نے تجھ پر سے تیرے اندھیرے اب تیری نگاہ آج تیز ہے۔۰

خیر میں اس موقع پر مذہب کے متعلق اتنا ہی کہنا چاہتا تھا کہ مذہب کا جو دباؤ سوسائٹی پر تھا کم بخت ہوٹرل تعلیم کے اثر بد کی وجہ سے اُٹھ گیا اور اُٹھتا چلا جا رہا ہے۔ رہ گئی گورنمنٹ اگرچہ اسکی تحقیر کا اثر فوری ہونا چاہیئے کیونکہ وہ حکومت کیا جس میں سیاست نہیں۔ مگر گورنمنٹ ہی اس طرح کی بردبار واقع ہوئی ہے کہ مجامع اور محافل میں اسکی تفضیح کی جاتی ہے۔ اور ہماری نیک دل گورنمنٹ باوجودیکہ جانتی اور سنتی ہے سب کچھ مطلقاً پروا نہیں کرتی۔ علاوہ بریں گورنمنٹ کو خصوصاً برٹش گورنمنٹ کو نظم سوسائٹی میں دخل تو ہے مگر محدود اور جو رہ گورنمنٹ کو تعلیم میں نیوٹرل رہنے کی ہے وہی ٹیٹو سوسائٹی سے اسکی اس قدر بے تعلقی کی ہے۔ ابھی حال کا مذکور ہے کہ ہندؤں نے بہتیرا ہی زور مارا کہ کم عمر لڑکیوں کے بیاہوں کو سرکار منع کرے اور بیوہ عورتوں

کے دوسرے بیاہ کو جائز ٹھہرائے۔ سرکار نے حامی ہی نہ بھری۔ سوسائٹی کا تیسرا ضابطہ رسم و رواج ہے لیکن جو آزاد خیال نئے تعلیم یافتہ مذہب کے قابو اور گورنمنٹ کے بس کے نہ ہوں رسم و رواج کے بیچارے کیوں ڈرنے لگے تھے۔ غرض نیوٹرل تعلیم نے سارے وباؤ اٹھا کر سوسائٹی کو بے سر اکر دیا۔ اب نہ اگلے سے ادب قاعدے ہیں۔ نہ پاس و لحاظ ہیں۔ نہ غیرتیں ہیں۔ نہ حمیتیں ہیں۔ نہ مروتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا باوا آدم کچھ بدل سا گیا ہے ؀

اس سے زیادہ اور کوئی لغو خیال ہو نہیں سکتا کہ بے انضمام مذہب لوگوں کے اخلاق درست رکھے جا سکتے ہیں۔ یعنے سوسائٹی کی شائستگی کے لیے مذہب کی ضرورت نہیں۔ میرا معتقد تو یہ ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کا تفرقہ مذہب سے پیدا ہوا لیکن فرض کرو کہ ایسا نہیں بھی ہو تاہم کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بدون مذہب کے نیکی ایسی ساقط الاعتبار ہے۔ جیسے بے رجسٹری کی دستاویز۔ مذہب نہیں تو نیکی میں قوت نہیں استحکام نہیں ثبات نہیں۔ خلوص نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر سچ پوچھو تو نیکی نیکی نہیں۔ ایک ظاہر بین آدمی شاید ایسا خیال کر سکتا ہے کہ دنیا میں جو امن قائم ہے۔ حاکموں کے قوانین کی وجہ سے ہے۔ مگر یہ بات فی نفسہ غلط ہے بہت سے جرائم ہیں جو قانون کی گرفت میں آ نہیں سکتے اور ان کا انسداد صرف مذہب کے خوف سے ہوتا ہے۔ ہے کوئی قانون جس نے ارادہ جرم کو بدون صدور کسی فعل کے جرم قرار دیا ہو۔ قوانین کا سارا انڈکس چھان مارو کہیں ایسے قانون کا پتہ نہ پاؤ گے۔ اور عقل گواہی دیتی ہے کہ اول تو ایسا قانون ہو نہیں سکتا اور ہو تو اس کی تعمیل امکان سے خارج۔ یہیں سے قوانین دنیا کا نقص ظاہر ہوتا ہے وہ کبھی مذہبی قانون کے بغیر درجہ تکمیل کو پہونچ نہیں سکتے۔ جو فرماتا ہے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ترجمہ اور اگر تم ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لیگا تم سے اللہ

اب میں یہ بات کہتا ہوں کہ مذہب انسان کی کانسٹیٹیوشن یعنے اسکی بناوٹ میں داخل ہے۔ انسان ایک وجود ہے جسم و روح سے مرکب۔ جسم کثیف ہے اور روح لطیف۔ اور چونکہ روح کی حقیقت معلوم نہیں جیسا کہ فرمایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ترجمہ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ جسم و روح میں تعلق کس قسم کا ہے۔ بہرکیف انسان کی ساخت جسمانی سب کو معلوم ہے خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؀ ترجمہ تجھ کو بنایا۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔ لیکن کبھی آدمی ناقص الخلقت بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے تمہاری گجرات کے شاہ دولہ کے

ہے۔ اور کبھی عوارض کی وجہ سے ساخت جسمانی میں انواع و اقسام کے فتور واقع ہو جاتے ہیں اسی طرح
روح انسانی کی بھی ایک خاص ساخت ہی کہ اس میں کتنی قدرتیں ودیعت رکھی گئی ہیں۔ روحانی ساخت کی نقصانات
میں ایک نقصان لامذہبی بھی ہے۔ مگر خلقی نہیں کیونکہ مذہب داخل فطرت ہی فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ط ترجمہ تراشش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو۔ بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو۔ بات یہی
کہ انسان کو ایک خاص طرح کی عقل دی گئی ہے۔ فوق سائر الحیوانات جس کو بصیرت کہتے ہیں بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی
نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ترجمہ بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے اور پڑا ڈالے اپنے بہانے۔
اس بصیرت کا نمونہ ہے۔ مگر اوسنے درجے کا۔ بصارت یعنی بینائی چشم سر۔ اگر انسان آنکھ کو کام میں لائے یعنی دیکھے
تو دیکھنا اسکو مثلاً رنگ کی شناخت پر مجبور کرے گا۔ اسی طرح اگر آدمی عقل کو کام میں لائے اور سوچے تو اعمال
فکر اسکو مجبور کرے گا اسبات کے یقین کرنے پر کہ اس عظیم الشان کارخانۂ دنیا کا ضرور کوئی بنانے والا ہی
اور جو چیزیں مرئی اور محسوس ہیں ان میں کوئی نشان اس طرح کی قدرت کا پایا نہیں جاتا۔ قدرت اگر کسیقدر
یوں ہی سی برائے نام ہے بھی تو پھر انسان کو ہے کہ یہ مخلوقات عالم میں تصرفات کرتا ہے باایں ہمہ انسان
اپنی درماندگی کا خود معترف ہی اور بدون اعتراف کے اسکو چارہ نہیں۔ دوسرے مخلوقات بڑی سے بڑی
اور عمدہ سے عمدہ میں قدرت تو درکنار ارادے تک کا فقدان ہے۔ اور یہی ماحصل ہے ابراہیم علیہ السلام کے
استدلال کا فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا ۚ قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ترجمہ پھر جب
اندھیرا کیا اُس پر رات نے۔ دیکھا ایک تارا۔ بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا۔ بولا مجھ کو خوش نہیں
آتے چھپنے والے۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَکُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہوا۔ بولا اگر راہ نہ دے
مجھ کو رب میرا تو بے شک میں ہوں بہکتے لوگوں میں فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ فَلَمَّآ
اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ترجمہ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا بولا یہ ہے رب میرا یہ رب سب سے
بڑا۔ پھر جب وہ غائب ہوا بولا اے قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ
لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ترجمہ میں نے اپنا مونہ کیا اُسی کی طرف جس نے
بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا ۔

۱؎ معذوریت ۱۲

ایک غریب خداپرست کاشتکار کا کھیت موقع پاکر رات کے وقت کچھ بیل چر گئے۔ کاشتکار کھیت کے کنارے شاید یہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر کروں کہ پھر بیل کھیت میں نہ گھسیں۔ ادھر سے ہوکر گزرا اس کا کوئی جان پہچان لامذہب۔ اسکو کھڑا دیکھ کر وہ بھی کھڑا ہوگیا۔ اور لگا باتیں کرنے۔ باتوں باتوں میں اُس لامذہب نے کہا۔ خدا ہوتا تو تمہارا کھیت ہرگز نہ کھایا جاتا۔ کاشتکار بولا کھیت کا کھایا جانا ہی تو خدا کے ہونے کی دلیل ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی چیز دنیا میں باختیار خود متصرف نہیں اور قوت تصرف اس نے اپنے آپ نہیں پیدا کرلی٭

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ترجمہ جسنے اپنے کو پہچانا تو جانو کہ اپنے پروردگار کو پہچانا بھی۔ پھر بات ہی گو طرز ادا سے مطلب دوسرا ہے۔ دوسروں سے استشہاد کی کیا ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے وَفِی الْاَرْضِ اٰیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ترجمہ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کو اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں٭

دوسری جگہ فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ترجمہ اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ۔ اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے منظوم کیا ہے

دوست نزدیک تر از من بمن ست — وین عجب تر کہ من از وے دورم
چکنم باکہ تواں گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

ایک ریختہ گو کہتا ہے

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار — جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

الغرض انسان جب تک انسان ہے خدا کے ہونے سے انکار کر نہیں سکتا۔ یہ مذہب کا پہلا سٹپ[۱] ہوا اب اور آگے بڑھو تو جس عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا ہے۔ اُسی عقل کے زور سے ہم نے جانا کہ خدا تمام صفات کمالیہ کا جامع۔ تمام عیوب اور نقصانات سے پاک اور منزہ۔ اور اسی لیے ایک اکیلا ہے وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ نہ اُسکو اعوان و انصار کی حاجت نہ یار و مددگار کی ضرورت۔ سب کچھ جانتا ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ترجمہ بھلا وہ نہ جانے جسنے بنایا۔ اور جو چاہے کرسکتا ہے اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ترجمہ وہ تو سب چیز کرسکتا ہے۔ دنیا کا کارخانہ جس انتظام سے چل رہا ہے یہ انتظام دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک صرف ایک ارادی کا

[۱] قدم ۱۲

محکوم ہے۔ یہ عبارت کہہ رہی ہے کہ ڈیزائن[1] سے لیکر ایک انجنیر کے سوائے دوسرے کا اُس میں دخل نہیں۔
یہ ہیں معنے لَوْ کَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کے ترجمہ (اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے
تو دونوں خراب ہوتے) پھر انسان کی جبلت یہ بھی ہے کہ اگر وہ طبیعت کا شریف ہو تو محسن کا احسان مانتا اور اُس کا
شکرگزار ہوتا۔ یہ ہے ماخذ عبادت کا ✣

عبادت سے ہم خدا کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور نہ اُسکو ہماری خدمت کی کچھ پرواہ ہے۔ بلکہ عبادت
سے صرف ہماری شرافت طبیعت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے وہ ہمارا فرض انسانیت ہے۔ دنیا میں انسان
پر اس کے ابنائے جنس کے بھی احسانات ہوتے ہیں۔ لیکن اگر خیال کرو تو خدا کے احسانات کا کچھ شمار نہیں۔
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۚ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ترجمہ اللہ وہ ہے جسنے بنائے
آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی
کہ چلے دریا میں اسکے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک
دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو احسان اللہ
کے نہ پورے کر سکو ✣

اور یہی سبب ہے کہ خدائے تعالےٰ ہماری سب سے بڑی شکرگزاری کا مستحق ہے جسکا دوسرا نام عبادت
ہے تو جس طرح عقل گواہی دیتی ہے کہ ذات اور صفات میں خدا کا کوئی شریک نہیں اسی طرح عقل یہ بھی گواہی
دیتی ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک فی العبادت کرنا پرلے درجے کی احسان ناشناسی ہے۔ جس کو اصطلاح
شرع میں کفر کہتے ہیں۔ یعنے کفرانِ نعمت۔ ذرا اس بات کو خیال کرتے جانا کہ ابھی تک میں عقل کی رہنمائی سے دین
کے رستے کو چلا جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بصیرت اور بصارت دونوں میں ایک طرح کی مماثلت کا ہونا
بیان کیا تھا۔ بصارت سے ہم چیزوں کے رنگ۔ اُن کی شکلیں اور اُن کے مواقع معلوم کرتے ہیں اور یہی سبب ہے
بینائی ایک بڑی بکار آمد قوت ہے۔ مگر اس میں نقص بھی ہے کثیف چیزوں میں نفوذ نہیں کرتی یعنے مثلاً دیوار کے
پیچھے نگاہ کام نہیں دیتی اور یعیں بھی اس کی رسائی کی ایک حد ہے علم مناظر میں قوت باصرہ کے اور بھی نقصانات

[1] ابتدائی نقشہ جو بطور منصوبے کے بنایا جاتا ہے ۱۲

کی صراحت ہی جیسے دور کی چیزوں کا چھوٹا دکھائی دینا۔ اگر دیکھنے والا خود متحرک ہے تو اس کا ساکن چیزوں کو متحرک دیکھنا اسکو ریل کے بیٹھنے والوں سے پوچھ دیکھو یا اُس سے جسکو کبھی تیز رو کشتی میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ شفاف پانی کی تہ میں کسی چیز کا اُبھرا ہوا نظر آنا۔ قوس قزح کی رنگ آمیزی اور انکے سوا سے اور بہت سی باتیں ہیں جنکا بیان کرنا بے محل سا ہے۔ غرض بینائی نقصان و فتور سے بری نہیں بعینہ یہی حال ہے عقل کا۔ بہت باتیں عقل کی گرفت سے باہر ہیں ؎

نہ ہر جا مرکب تواں تاختن کہ جا ہا سپر باید انداختن

معلوم ہے کہ مقناطیسی سوئی کا ایک سرا شمال کی طرف رہتا ہے۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ اور یہی حال ہی کل اسباب و علل کا۔ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بلکہ تمام مادیات میں کشش ثقل و اتصال کا ہونا معلوم ہو۔ مگر نہیں معلوم کیوں۔ روح و جسم کا مذکور میں شروع میں کر چکا ہوں معلوم ہے کہ روح نہ عین جسم ہے نہ جزو جسم ہے نہ اُس میں اس طور حلول کیے ہے جیسے ظرف میں مظروف نہ روح و جسم میں عرض و جوہر کا سا تعلق ہی۔ پھر روح کیا ہے اور اس کو جسم کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے کسی کو خبر نہیں۔ میں اس دنیا کے سینکڑوں عقدے گنوا سکتا ہوں جن کو ناخن عقل نہیں حل کر سکتا۔ سچ پوچھو تو ساری دنیا ہی طلسم حیرت ہی۔ مٹی ایک جماد چیز ہے۔ اسکا نباتیت پھر حیوانیت پھر انسانیت کے مدارج پر ترقی کرنا نہ انسان کے فہم میں آیا ہے اور نہ کبھی آ سکتا ہے۔ تو کیا دین میں کسی بات کا خلاف عقل نہیں بلکہ عقل سے خارج یعنی اس کی رسائی[1] سے بالاتر فرو تر ہونا کچھ تعجب ہی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ دین میں بدرجہ اولے ایسی باتیں ہونی چاہئیں جن میں مساغ عقل نہ ہو۔ کیونکہ دین کا مدار ہی اس پر کہ انسان موت سے معدوم نہیں ہوتا موت سوا اسکے اور کچھ نہیں کہ روح و جسم کا تعلق چھوٹ جاتا ہی۔ اجزائے جسمانی متلاشی و متفرق ہو کر اپنے اپنے ٹھکانے لگ جاتے ہیں وَمِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ ترجمہ اسی زمین سے ہمنے تمکو بنایا اور اسی میں تمکو پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تمکو دوسری بار۔ انگریزی سننے کا شوق ہو تو اَیشز ٹو ایشز اینڈ ڈسٹ ٹو ڈسٹ[2]۔ رہی روح وہ جب جسم میں تھی اور اُسکے تصرفات ظاہر ہوتے تھے تب بھی اس کی حقیقت ہمکو معلوم نہ تھی بعد مرگ تو رہی سہی اور بھی روپوش ہو گئی۔ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے۔ بایں ہمہ چند در چند قرائن ہیں جنسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ روح کو فنا نہیں ❖

اوّل جب ہم سرے سے روح کی حقیقت سے بے خبر ٹھہرے تو ہمکو اُس پر فنا کا حکم لگانے کا کوئی حق نہیں

[1] رسائی ۱۲ [2] راکھ میں راکھ اور مٹی میں مٹی ۱۲

ثانیاً اگرچہ روح جسمانی رنجوں اور تکلیفوں سے بحالتِ حیات متاذی تو ہوتی تھی۔ موت بڑی سے بڑی جسمانی تکلیف سہی اور روح کا اس سے متاذی ہونا قرین قیاس ہی مگر موت کا اوّلی اثر جسم پر تھا اسکا تو منتشر کردینے کے سوا اَور کچھ نہ کرسکی۔ روح جسپر موت کا اثر ثانوی ہے کیوں معدوم ہوجانے لگی تھی عجب نہیں موت نے روح پر اتنا ہی اثر کیا ہو اور بس کہ اسکو جسم سے بےتعلق اور بے دخل کردیا ✦

ثالثاً دانشمند سے دانشمند اور احمق سے احمق۔ عالم سے عالم اور جاہل سے جاہل۔ مہذب نامہذب۔ سولائزڈ اور وحشی ہر ملک اور ہر زمانے کے لوگ یعنی دنیا کے آدمی قریب کل کے بقاے روح کو تسلیم کرتے چلے آتے ہیں۔ ہمکو اس سے بحث نہیں کہ یہ خیال دنیا میں کہاں سے آیا۔ اور کیونکر اتنے لوگوں نے اس کو قبول کرلیا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عموماً لوگ اسکے قائل ہیں اور جن کو انکار ہے اگر سچے دل سے ہی بھی تو اس عقیدے کے لوگ اس قدر کم ہیں کہ اُس جم غفیر عالم کے مقابلے میں گویا کہ نہیں۔ دین تو خیر ہے ہی میں کہتا ہوں کہ انتظام دنیا بھی اسی خیال پر مبنی ہے۔ میں نے شروع میں کہا تھا کہ بہت سے جرائم کا انسداد صرف مذہب سے ہوتا ہی۔ سو مذہب سے اُس محل پر میری مراد تھی یہی عقیدۂ بقاے روح یعنے لوگ اس وجہ سے مرتکب جرائم نہیں ہوتے کہ جانتے ہیں مرے پیچھے کیئے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ایک انگریزی کتاب میں بہت سے نامی مجرموں کے حالات لکھے ہیں جنہوں نے مرتے وقت خوف عاقبت سے اپنے جرموں کا اقرار کیا اور ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں پس یا تو ساری دنیا کو سر بسر غلط مانو۔ یا دوسروں کی طرح بقاے روح کے قائل ہو۔ ہو نہ ہو یہ عقیدہ داخل فطرت انسانی ہی کہ ملہم غیب نے ہر ایک کے دل میں ڈال دیا ہے۔ کون ہے جسکو اولاد سے خیر جاری سے یا کسی دوسرے پیرایے سے دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ جانے کی خواہش نہیں۔ اس خواہش میں بھی مضمر ہے وہی بقاے روح کا خیال کیونکہ اگر آدمی مرنے سے معدوم محض ہوجاتا تو دنیا میں یادگار رہنے سے اسکو کیا مفاد تھا ✦

رابعاً انتظام دنیا اگرچہ فی نفسہ نہایت مکمل ہے۔ اور کیوں نہ ہو ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ترجمہ یہ اندازہ ہے اُس زبردست باخبر کا۔ مگر پھر بھی ناتمام سا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جملۂ اسمیہ کہ مبتدا ہے تو خبر نہیں۔ یا جملۂ شرطیہ کہ شرط ہے تو جزا نہیں۔ یا جیسے دامانِ کوہ میں ایک سڑک جو ایک گھاٹی تک منتہی ہوتی ہے اور اسکو دیکھ کر خود بخود خیال ہوتا ہے کہ ضرور یہ سڑک پہاڑ کی دوسری طرف جانے کے لیئے بنائی گئی ہے۔ اسی طرح انسان کو اتنی ساری عقل کا دیا جانا جو اس چند روزہ دنیاوی زندگی کی ضرورت سے

۵۱ تربیت یافتہ۔ شائستہ۔ مہذب ۱۲ ۵۲ غیب کی بات کا الہام کرنے والا لیکچر ہذا ۱۲

یقیناً بہت زیادہ ہے ضرور کوئی اور بڑا مطلب رکھتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ترجمہ سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہمنے تمکو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آوٴگے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ ترجمہ اور ہمنے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو انکے بیچ ہے کھیلتے لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ترجمہ اگر ہم چاہتے کہ بنالیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہمکو کرنا ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فعل ایک لازمی نتیجہ رکھتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ ترجمہ سو تو نہ پاوے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔ جیسے شرابخوری کا ضروری نتیجہ ہے خواری۔ بدکرداری۔ افلاس جسمانی امراض اور آخر کار ہلاکت قبل الموت۔ نااتفاقی کا ضروری نتیجہ ہے ضعف۔ جھوٹ کا ضروری نتیجہ ہے بے اعتباری۔ وقس علی ہذا۔ تو جب کبھی ہم کسی فعل پر اسکے نتیجے کو دنیا میں مترتب ہوتا نہ پائیں اسی سے ہم سمجھ لیں گے کہ حیات دنیا پہ ہماری ہستی کا خاتمہ نہیں ہوگیا۔ یہ ہیں چند باتیں یا اُسی طرح کی اور چند باتیں جو بعد مرگ کی حالت کی نسبت ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر منظر پھر بھی دھندلا ہی رہتا ہی خوب تسلی نہیں ہوتی کہ کیا ہوگا اور کیونکر ؎

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا　　کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

یہاں سے ثابت ہوئی ضرورت رسالت کی۔ بڑے تعجب کی بات ہوگی کہ چند سال کی زندگانی کے لیئے تو خدا ہماری چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیئے سامان کرے۔ سر کھجانے کے لیئے ہمکو ناخن دے۔ غذا چبانے کے لیئے دانت۔ اور اُن میں بھی یہ تفریق کہ پیسنے کے لیئے ڈاڑھیں اور کاٹنے کے لیئے دانت۔ نوچنے کو کچلیاں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور حیات ابدی جیسی بڑی ضرورت میں جو ابد الآباد کے لیئے ہمارے سر پڑی جائے گی ہمکو اتنا بھی سہارا نہ لگائے کہ ایک ذرا جھلکی تو دیکھ لینے دے۔ جہاں تک خدا کے کارخانے سے ہمنے خدا کو جانا اور جان سکتے ہیں ایسی بے رحمی انسان کو ایسے دُبدے کی حالت میں چھوڑ دینا اسکو ترسانا۔ پریشان رکھنا۔ خدا کی شان[1] رحیمی سے بالکل بعید ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ؞

یوں خدا ئے کریم و رحیم نے انسان کو اسی کی عقل نارسا اور فہم قاصر کے بھروسے پر نہ چھوڑا کہ پیغمبروں کے ذریعے سے (صلوات اللہ علیہم اجمعین) جہاں تک ٥ اِس ہستی میں سمجھ سکتا تھا بتایا اور سمجھایا کہ اسکو مر

---

[1] خدا کی شان اس سے بہت بڑی ہے ۱۲

پیچھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے کس حالت میں رہنا ہی اور اس ابدی زندگی کے لیئے اُسکو دنیا میں کیا تیاری کرنی چاہیئے ہمنے پیغمبروں ہی کے کہنے سے جانا کہ ہماری اس ہستی موجودہ کو آگے آنے والی ہستی میں بہت بڑا دخل ہے۔ یہ خواب ہے اور وہ اسکی تعبیر۔ یہ جوتنے بونے کا وقت ہی اور وہ کاٹنے اور گاہنے کا اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ترجمہ دنیا آخرت کی کھیتی ہی۔ میرے اس بیان سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ مذہب میں عقل کی رسائی کہاں تک ہی اور کہاں پہونچکر عقل جبرئیل کی ہم زبان ہوجاتی ہے ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

افراط و تفریط کے دونوں پہلو ہر بات میں مذموم ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ کہنا غلط ہی کہ مذہب نقل یعنے خدا و رسول کا فرمودہ ہے اور نقل کو عقل سے کچھ سروکار نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہی کہ ہمکو نقل کی حاجت نہیں اور بزور عقل ہم سب کچھ دریافت کرسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ حالات بعد مرگ بھی۔ جتنی قوتیں انسان کو عطا ہوئی ہیں جسمانی اور دماغی سب بمنزلہ آلات ہیں۔ جیسے مثلاً تیشہ نجار۔ ممکن ہے کہ نجار کبھی اس تیشے سے ہاتھ پاؤں زخمی کرے۔ لیکن اسی کا قصور ہوگا نہ تیشے کا۔ انسان بھی اپنی قوتوں کو بُری اور بھلی دونوں طرح استعمال میں لاسکتا۔ اِن کو معطل رکھ سکتا۔ اِن سے فوق الطاقت کام لے سکتا۔ لیکن اگر وہ کسی قوت کو بُری طرح استعمال کرے تو خود وہی ملزم ہے نہ قوت اور جس نے قوت دی وہ۔ پس ہر ایک قوت کے استعمال میں انسان کو اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ خاصکر معاملات مذہبی میں عقل کو کام میں لاتے وقت۔ مذہب کے اعتبار سے بھی اسکو عقل کا دیا جانا تو ضرور تھا۔ وہ عقل ہی کی وجہ سے مکلّف ہوا۔ دنیا اور دین دونوں میں جتنی خوبیاں ہیں متفرع ہیں عقل پر۔ اور جتنی خرابیاں ہیں وہ بھی متفرع ہیں اسی عقل پر۔ یوں سمجھو کہ انسان فی حد ذاتہ ایک کمانڈر ہے اور قوائے مختلفہ افواج ہیں اسکے ماتحت زیر فرمان۔ یہ فوجیں ایک طرح کی نہیں۔ جیسے انگریزی فوج میں پوربئے۔ مدراسی یا تلنگے مرہٹے۔ گورکھیئے۔ سکھ۔ بلوچ۔ اطراف کابل کے پٹھان۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب قسم کے سپاہی ایک ہی لکڑی سے ہانکے جاتے ہیں۔ نہیں نہیں شاید ایک پوربیہ یا مدراسی بید کی چھڑی سے تو بلوچ اور افغان آئرن راڈ[1] سے غرض جو قوی تر وہی عسیر الانقیاد تر تمام قوائے انسانی میں عقل ہی سب سے زیادہ زبردست ہی اور اسپر گورنمنٹ کرنا بہت ہی احتیاط کا کام ہی۔ یہ جو اختلاف مذاہب دیکھتے ہو یہ آگ بھی اِن ہی حضرت عقل کی لگائی ہوئی۔ بعض میں چنگاری ڈال جہاں دور کھڑی۔ میں دیکھتا ہوں تو ہمارے وقت کے نوجوان تعلیم یافتہ استعمال عقل کے بارے

[1] لوہے کی سلاخ ۱۲ مشکل سے فرمانبردار ہونے والا ۱۲

ہیں صلاح اور اصلاح دونوں کے سخت محتاج ہیں۔ اِن کو امور مذہبی میں غور و خوض کرنے کی نہ فرصت ہے نہ مہلت نہ لیاقت نہ معلومات اور طرہ یہ ہے کہ طلب بھی نہیں اور طلب ہو تو کہاں سے ہو۔ گھر میں چرچا نہیں بزرگوں کی تاکید نہیں۔ یار دوستوں میں ترغیب نہیں۔ رہا اپنے دل کا تقاضا۔ ایسی عمر نہیں۔ گیند بلا کرکٹ وغیرہ جہاں آور کھیل ہیں وہاں بارِیش بابا ہم بازی ایک مذہب بھی سہی۔ اپنی قوم کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو خستہ خراب غافل کاہل جاہل مفلس محتاج گویا ذلت و خواری لوازم اسلام سے ہے۔ کیا عرب کیا عجم کیا روم کیا مصر کیا افریقہ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے جدھر دیکھو تنزل و انحطاط۔ جہاں سنو نکبت و ادبار ان میں سے فرادی فرادی ایک ایک کیفیت نو عمر آدمی کے عقیدے کے متزلزل کر دینے کو کافی ہے۔ نہ کہ مجموعہ۔ دنیا اور دین میں نقد و نسیہ کی نسبت ہے۔ ہم لوگ ایسے کما ؤ نقد کو تو کھو بیٹھے نسیہ کی جو ہم سے امید رکھے وہ سو احمقوں کا ایک احمق۔ لیکن کیا کیا جائے دل نہیں مانتا چار و ناچار کہنا ہی پڑتا ہے۔ افسوس تو دنیا کا بھی کیوں نہیں۔ لیکن دنیا فانی چند روزہ آنی جانی چیز ہے۔ بُری طرح بھی گزر جاتی ہے اور بھلی طرح بھی گزر جاتی ہے۔ اور آخر گزر ہی جاتی ہے۔ بڑا خیال تو دین کا ہے ؎

غمِ دیں خور کہ غمِ غمِ دین است　　　ہمہ غم ہا فرو تر ازین است

خدانخواستہ یہ نعمت جاتی رہے تو پھر کہیں کے نہ رہے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ ترجمہ گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح۔ اور اسکے جانے کو کون سے جھگڑے چاہئیں۔ دین کا تو ایسا نازک معاملہ ہے کہ ایک خیال سے اور ایک مقال سے آدمی راندہ جاتا ہے۔ وہ تو بڑے شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ اگرچہ مذہباً عیسائی ہے۔ مگر عملاً اُس کا کوئی مذہب نہیں یا یوں کہو کہ اسکا مذہب صلح کل ہے۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ پس اسلام کو جو کچھ خطر ہے نزدیکان بے بصر سے ہے۔ جو مسلمان کہلاتے اور اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مخالفین کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں ورنہ اسلام کے اصول ایسے سیدھے اور صاف اور سچے اور سلیس اور عام فہم ہیں کہ اُن پر کامیابی کے ساتھ کوئی حملہ ہو نہیں سکتا۔ مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اباً عن جدٍّ موروثی مسلمان ہوں۔ اور اپنے نسب نامے میں انقراض سلطنت دہلی تک بلافصل مشائخ اور مفتی اور علما کے نام پاتا ہوں۔ میں نے بزرگوں میں سے اوائل عمر میں حضرت اپنے والد کو دیکھا اور جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ نہ صرف نام کے مولوی تھے۔ بلکہ بڑے پکے دین دار۔ یہ روئداد

چاہتی ہی کہ میرا اسلام تقلیدی ہو۔ مگر خدا کے فضل سے ایسا نہیں ہی۔ مجھ کو اتفاق سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مدتوں مجھ کو مذہبی چھان بین میں غلطاں پیچاں رکھا۔ یہاں تک کہ آخر کار اسلام کی حقانیت کامل طور پر میرے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی جیسے پتھر کی لکیر۔ والحمد للہ علی ذلک۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ترجمہ اے رب ہمارے دل نہ پھیر ہمارے جب ہمکو ہدایت دے چکا اور دے ہمکو اپنے ہاں سے مہربانی بیشک تو ہی ہے بہت دینے والا +

مجھ کو ٹھیک سنہ یاد نہیں مگر سنہ ۱۸۵۰ع کے لگ بھگ کا مذکور ہی کہ ہمارے دہلی کالج اورینٹل کلاسز کی ریاضی کے اُستاد ماسٹر رام چندر صاحب اصطباغ[۵] لینے کے لیے آمادہ ہوئے۔ ماسٹر صاحب اوپر آکر کیا ٹیچر کیا سٹوڈنٹ سب کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ مذہبی مناظرے کی وہ پہلی بھنک تھی جو میرے کان میں پڑی گرچہ میں عربی کی جماعت اوّل میں تھا۔ اور فقہ کی مشہور کتاب فتاوے درمختار ہمارے کورس میں تھی۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ ماسٹر ہم لوگوں کو بند کر دیتے تھے۔ مجھ کو ماسٹر صاحب کے ساتھ ایک خصوصیت بھی تھی۔ اور اکثر انکے مکان پر بھی جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ماسٹر نے تو مجھ کو گمراہ کر دیا ہوتا جیسا کہ قرآن میں ہی إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۰ ترجمہ تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالدے اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا اُن میں جو پکڑے آئے۔ مگر مجھ کو ادب عربی کا تھا شوق بہت۔ میں قرآن کی عبارت پر لٹو تھا۔ اس تریاق نے مجھ کو اُس زہر سے بچایا۔ یہاں تک کہ کالج سے میں اپنا ایمان سلامت لے کے نکل گیا۔ مگر ایسا ایمان متزلزل مشکک ضعیف مضمحل۔ پھر میں نے علم کلام کی کتابیں دیکھنی شروع کیں موافق و مخالف دونوں ماسٹر نے مجھ کو عیسائی بنانا چاہا۔ اور علم کلام نے سرے سے لامذہب۔ مناظرے کا ایک اکثری اور مشہور قاعدہ ہے معارضہ بالمثل جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص دوسرے سے کہے تمہاری آنکھ میں ناخنہ ہی اور دوسرا کہے تمہاری میں ٹینٹ۔ اس طریقے سے ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں معترض بند ہو جائے۔ لیکن غیر آدمی جو تحقیق حق چاہتا ہے دونوں سے بدظن ہو جاتا ہے کہ دونوں میں کوئی بھی نقصان سے خالی نہیں۔ اس سے کہ معترض کی آنکھ میں ٹینٹ ہی ہماری آنکھ کے ناخنے کا عیب زائل نہیں ہو سکتا غایۃ ما فی الباب ناخنہ اخف[۶] و اہون ہے مقابلہ ٹینٹ کے۔ لیکن جس کی آنکھ صحیح و سالم ہے وہ دونوں کو عیب دار سمجھے گا۔ ناخنے والے کو کم ٹینٹ والے

---

۵ پادری جب کسی کو عیسائی کرتے ہیں تو اسپر پانی چھڑک دیتے ہیں یا حوض میں غوطہ دلواتے ہیں اسی کو اصطباغ کہتے ہیں ۱۲

لے سب سے خفیف تر اور سب سے آسان تر ہے ۱۲ +

کو زیادہ۔ اس طرح پر برسوں میرے شکوک کا یہ حال رہا ؏ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔
با ایں ہمہ جب سے میں قرآن کے سمجھنے پر قادر ہوا۔ اُس کے استحسان میں کبھی ایک لمحے کے لیے بھی کمی نہیں ہوئی اور اُس نے
مجھے وہ کام دیا جو عصا کام دیتی ہے ایک بڈھے مرتعش[1] کو۔ میں نے ہر طرف سے مایوس ہوکر خیال کیا کہ میں بڑے
بڑے نامی گرامی آدمیوں کی نظم و نثر دونوں طرح کے کلام پڑھتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے مخضرمین[2] کے۔ اسلام
بعد کے اور خود اُس شخص کے جس کے مُنہ سے الفاظ قرآنی نکلے اور اسکے دوسرے مقالات مجلدات احادیث
میں منضبط ہیں۔ مواعظ ہیں۔ خطبات ہیں۔ قصص و حکایات ہیں۔ مراسلات ہیں یہ بات کیا ہے کہ قرآن کی عبارت کو
کوئی نہیں پاتا۔ دوسرے آدمی[3] اس طرز پر قادر نہ ہوں تو خیر۔ مگر ایک ہی قائل کیونکر دو مختلف طرزوں میں ا
مختلف بھی اس درجے کے کہ زمین و آسمان کا تفاوت۔ کلام کرنے کی قدرت پا سکتا ہے۔ یہ تو عادتاً محال ہے یہاں
سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ مثلاً ہندی شعراء میں سے زیادہ نہیں میر تقی۔ انشاء اللہ خاں۔ سودا تین شاعروں
کو لو ہر ایک کا طرز جداگانہ ہے۔ اور جو سخن فہم ہیں مضمون اور بندش سے پہچان لیتے ہیں کہ ان تین میں سے کس کا
شعر ہے۔ میں شاعر نہیں ہوں۔ مگر اتنی اٹکل مجھ کو بھی ہے کہ اگر کوئی شعر میرے روبرو پڑھا جاسے تو غالب ہے کہ
اُسکے قائل کی تعیین میں غلطی نہ کروں۔ میں جانتا ہوں کہ میر صاحب کے مضامین حسرت آلود ہوتے ہیں اور زبان
نہایت درجہ شستہ اور سلیس۔ یہ بات خاص میر صاحب ہی میں دیکھی گئی کہ ضرورت شعری کی وجہ سے لفظ
کا دب کر نکلنا بھی جائز نہیں رکھتے۔ انشاء اللہ خاں پھکڑ ہیں۔ بیان میں شوخی۔ سودا ہر قسم کے مضامین پر
قادر ہیں۔ بندش بھی اسکی مضبوط ہوتی ہے۔ متاخرین میں مثلاً غالب اور ذوق میں تمیز کرنا کیا مشکل ہے
بَیْنَہُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ ترجمہ ان میں ہے ایک پردہ زیادتی نہیں کرتے۔ غرض ہر ایک کی اپنی اپنی طرز ہے۔ جب
دوسرے کی طرز اختیار کرتا ہے گر تا ہے۔ مجھ کو خود ایسا اتفاق ہوا ہے کہ بضرورت کسی اخبار میں کوئی مضمون
دیا اپنے نام سے نہیں۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے تو مجھ کو بڑی حیرت یہی پیش آئی کہ پیغمبر صاحب نے دو طرح کے کلام
پر کیونکر قدرت پائی۔ آخر یہ عقدہ میں نے اسطرح پر حل کیا کہ پیغمبر صاحب کا اپنا طرز تو وہی تھا جو احادیث سے ظاہر
ہوتا ہے۔ رہا قرآن۔ ان کا کلام ضرور تھا کیونکہ انکے مُنہ سے ادا ہوتا تھا۔ مگر نزول وحی کے اوقات خاص میں
جبکہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتے تھے وحی بھی ایک اسرار الٰہی میں سے ہے لیکن اس قدر معلوم ہے کہ کبھی
جبریلؑ حامل وحی انسان کی شکل میں متشکل ہوکر پیام خدا پہنچا جاتے تھے۔ کبھی خواب کے پیرائے میں وحی آتی تھی

[1] جس کے بدن میں رعشہ ہو ۱۲　[2] وہ لوگ جن کی کچھ زندگی جاہلیت اور کچھ اسلام میں ہوئی ہو ۱۲　[3] مصنف ۱۲

اگر اکثر گھنٹے کی سی جھنکار سُن پڑتی تھی اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس طرح کی وحی مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے،
آپکا رنگ فق اور جسم ایسا بوجھل ہوجاتا تھا کہ ایک بار آپ اپنی اونٹنی عضبا پر سوار تھے کہ وحی آئی۔ اونٹنی مارے بوجھ کے
بیٹھ گئی۔ کڑکڑاتے جاڑے میں نزول وحی کے وقت آپ پسینے پسینے ہوجاتے۔ اِس سے شاید کسی عیسائی مصنف
نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کو صرع کی بیماری تھی۔ اِس تشخیص سے غرض یہ ہو کہ اُن کا دماغ صحیح نہ تھا اور اسی
وجہ سے دعوے نبوت کر بیٹھے۔ مگر یہ کوئی نیا اعتراض نہیں۔ کافروں کے ترکش میں کوئی تیر نہ تھا جو پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ چلا ہو۔ جھوٹا مفتری کہہ بنا تو خیر معمولی بات تھی۔ کہتے تھے اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ترجمہ اس کو
تو سکھاتا ہے آدمی۔ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ترجمہ نقلیں ہیں اگلوں کی
جن کو اُسنے لکھ لیا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اُس پاس صبح و شام اَئِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ترجمہ کیا
ہم چھوڑ دینگے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ترجمہ کیا
بنالایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اسکو سودا ہے۔

اِن اعتراضوں میں سے کوئی اعتراض پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چسپاں ہی نہ تھا اور چونکہ نری
بے تُک بونگی بے جوڑ ہانکتے تھے پیغمبر صاحب صلعم کو ایسے بودے پھسپھسے اعتراضات سے اُور تقویت پہنچتی
تھی پیغمبر صاحب صلعم کا حال یہ تھا کہ دعوے نبوت سے پہلے یہاں تک اُن کی صداقت مسلم تھی کہ امین آپکا لقب تھا
ایک بار آپنے نفیر پکار کر سب کو جمع کیا اور کہا کہ بھلا سنو تو اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن اس پہاڑ کی آڑ میں گھات
لگائے پڑے ہیں کہ موقع پاکر تم پر حملہ کریں تو تم میرے کہے کو سچ مانو یا نہ مانو سب بولے ضرور بھلا تم اور جھوٹ
بولوگے۔ تب آپنے فرمایا اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ترجمہ میں تو ایک ڈرانے والا ہوں تم کو
ایک بڑی آفت کے آگے آنے سے۔ اس پر ابولہب بولا تَبًّا لَّكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا ترجمہ تجھ کو خدا کی مار کیا اسی
لیے تونے ہمکو بلایا۔ اِسی کے جواب میں سورہ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی۔ اس بات کے لیئے تاریخی شہادت
موجود ہے۔ کہ سفر اور حضر رنج اور خوشی۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے ہر حالت میں آپ کو خدا کی یادگاری تھی اور
ہمہ وقت عظمت الٰہی نصب العین۔ موٹی سے موٹی اور بھدی سے بھدی سمجھ بھی تجویز کر نہیں سکتی کہ ایسا شخص جسنے
راستگوئی کا سکہ بٹھا کر امین کا خطاب حاصل کیا ہو سب باتوں میں تو سچ بولے اور ایک بات میں جھوٹ بولے
اور جھوٹ بھی بولے تو خدا پر اور اُسکے ساتھ یہ بھی کہتا جائے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ

ھ منادی ۱۲

اُوحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ
الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ
وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ
مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ترجمہ اور اُس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھہ کو وحی آئی اور اُسکو وحی کچھ
نہ آئے اور جو کہے میں اتارتا ہوں برابر اُسکے جو اللہ نے اتارا اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی
میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تمکو جزا ملے گی ذلت کی مار اسپر کہ کہتے تھے اللہ پر جھوٹ
باتیں اور اُسکی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس آئے ایک ایک جیسے ہمنے بنائے تھے پہلی بار
اور چھوڑ دیا جو ہمنے اسباب دیا تھا پیٹھ کے پیچھے اور ہم دیکھتے نہیں تمہارے ساتھ سفارش کرنے والے جن کو تم
بتاتے تھے کہ اُن کا تم میں ساجھا ہے ٹوٹ گئے تم آپس میں اور جاتے رہے جو دعوے تم کرتے تھے۔

یہ اِس غضب کی باتیں ہیں کہ ہمارے زمانے میں کوئی نالائق سے نالائق لچے سے لچا آدمی جس کو
دو آنے پر جھوٹی گواہی دینے میں مطلق باک نہ ہو اگر قسم دیتے وقت اُس کو یہ باتیں یاد دلائی جائیں تو غالب ہے
کہ تھرا اُٹھے۔ پس ایک نیک نہاد راست گو رہت باز خدا ترس شخص کی نسبت ایسا بیہودہ خیال کرنا پرلے درجے
کی بے انصافی نہیں تو کیا ہے۔ پھر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو کسی غرض کسی مطلب سے۔ سنّی شیعوں کو کہنے دو
جو اُن کا جی چاہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لیے کسی کو نامزد نہیں
کیا۔ اور کیا ہوتا تو خلافت کے بارے میں اختلاف ہی کیوں واقع ہوتے۔ جو شخص عرب جیسے سخت دلوں کو
یہانتک مسخر کرلے کہ بتوں کی پرستش۔ بھائی سے بھائی۔ جورو سے خصم۔ باپ سے بیٹے۔ لوگوں سے آرام اور عیش
اور وطن اور کینے اور غصے سب کچھ چھڑوا دیئے کیا اُس کو اتنی قدرت نہ تھی کہ اپنی جانشینی کو تسلیم کرا دیتا۔ اگر یوں
کہو کہ پیغمبر صاحبؐ کو اس سے کچھ مطلب ہی نہ تھا۔ بعض اوقات خاص خاص لوگوں کے ساتھ کسی وجہ سے خصوصیت
کی سی باتیں کیں اب ان کی تاویل جانشینی سے کرلو تو تمہاری خوشی پیغمبر صاحب صلعم بلکہ تمام خاندان نبوت نے
جس زہد کے ساتھ زندگی بسر کی سب کو معلوم ہے۔ پس بالفرض محال پیغمبر صاحبؐ نے نبوت کا غلط دعوے کیا ہوتا
تو دنیاوی جاہ و ثروت کی طمع سے۔ سو اِس کا یہ حال کہ نہ خود متمتع ہوئے اور نہ اپنے عزیزوں میں سے کسی کو
متمتع ہونے دیا اور نہ کسی جانشین کو نامزد کیا۔ حبِّ جاہ کا کیا اچھا ثبوت ہے۔ یہ ہے حقیقت تہمت دروغ گوئی کی

جو نہ دھری جائے اور نہ اُٹھائی جائے ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ کا تیر تُکا یا وہ بھی تُکا اور تکا بھی اٹکل پچو۔ عرب میں جو فصیح و بلیغ تھے تمام ملک میں مشہور تھے اُن کے قصائد میلوں اور موسم حج اور بازاروں میں پڑھے اور دروازہ خانہ کعبہ پر لٹکائے جاتے تھے۔ اور اسی غرض سے وہ لوگ قصیدے کہتے ہی تھے اور اُن کی کیا تخصیص ہو کسی زمانے میں کبھی فصیح بلیغ ایسا نہیں گزرا جس نے شہرت کی نہ صرف تمنا بلکہ اسکے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی ہو تو غرض یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کی سی عبارت کے کہنے پر قادر تھے ضرور ہے کہ مشاہیر میں سے ہوں اور معلوم ہے کہ جتنے مشاہیر تھے کھلم کھلا مخالف اسلام تھے۔ پیغمبر صاحبؐ کی ہجویں کہتے اور لوگوں میں مشتہر اور منتشر کرتے۔ اِن میں سے کسی کو کیا پڑی تھی کہ در پردہ پیغمبر صاحبؐ کی مدد کرتا۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب مشاہیر میں کسی کی نسبت ایسا شُبہ ہو نہیں سکتا تھا تو معترضین غیر ملک والوں پر گمان کرتے تھے اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ترجمہ ساتھ دیا ہے اُسکا اس میں اور لوگوں نے۔ اس کا کیا معقول جواب خدا تعالیٰ نے دیا لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ترجمہ جس پر تعریض کرتے ہیں اُن کی زبان ہے اوپری اور یہ زبان عربی ہے صاف۔ جس کا یہ مطلب ہی کہ غیر ملک والوں کی طرف ایسا شبہ کرنا لغو صریح ہے کیونکہ غیر ملک والا کیسا ہی عربی زبان کا ماہر کیوں نہو ممکن نہیں کہ قرآن کی سی عبارت لکھ سکے۔ علاوہ بریں تھوڑی دیر کے لیئے فرض کرو کہ پیغمبر صاحبؐ کو قرآن کوئی دوسرا ہی شخص سکھاتا سہی تو معترض کا کام ہی اُس شخص کو نامزد کرے اور ہمکو سمجھائے کہ ایسے کلام فصیح و بلیغ کا کریڈٹ خود اسی شخص نے کیوں نہ لیا یعنی آپ پیغمبری کا دعوے کیوں نہ کیا۔ اِس سے بڑھکر تعجب کی بات اور کیا ہو گی کہ ایسے زمانے میں جب لونڈیاں باندیاں تک شعر کہتی تھیں اور فصاحت بلاغت کو بڑا کمال سمجھا جاتا تھا اور اہل عرب اپنی زبان کی عمدگی پر یہاں تک نازاں تھے کہ ماسولے عرب کو عجمی کہتے تھے جسکے معنی یہ ہیں کہ ادائے مطلب اور گویائی پر قادر نہیں۔ لوگ قوت بیان سے اس قدر متاثر ہوتے ہوں کہ شعرا جب چاہیں قبیلوں کو قبیلوں سے لڑا ماریں غرض فصاحت بجائے خود ایک پاور (قوت) ہو ایسے وقت میں ایک شخص اُمّی جس نے ساری عمر شعر کہنا کیسا شعر کو موزون پڑھنا بھی نہ جانا ہو وہ پکار پکار کر تحدّی[1] کرے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ترجمہ تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کر لیتے ہو اللہ کے سوائے اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو

[1] یعنی لوگوں سے کہے کہ میرے کلام کے مقابلے میں کلام لاؤ ۱۲

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ترجمہ تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھکر اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ترجمہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاویں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک ❊

فصحائے عرب اپنا اور اپنے عزیزوں کا قید ہونا جلا وطن کیا جانا مارا جانا گوارا کریں اور کسی سے اتنا نہ ہو سکے کہ ٹکا بھر سی زبان ہلاکر متحدّی سے بمقابلہ پیش آئے ع اینک بہ شہادت طلبم لوح و قلم را۔

بخدا میں سچے دل سے کہتا ہوں کہ جس کسی کو اتنی عربی بھی آتی ہو جتنی کہ مجھکو اگرچہ جتنی آنی چاہئے اُس کا عشر عشیر بھی مجھکو نہیں آتا۔ بہرکیف مجھ جیسا کم استعداد آدمی بھی اتنا جان لے سکتا ہے کہ قرآن کی عبارت سے کسی آدمی کا کلام اور آدمیوں میں خود پیغمبر صاحب بھی داخل ہیں لگّا نہیں کھاتا۔ فصاحت بلاغت کے اکثر مسائل بھی منضبط ہیں مگر زیادہ تر میں اسکو وجدانی خیال کرتا ہوں یعنی اگر کوئی خاص آیت لیکر مجھ سے پوچھو کہ اس میں کیا فصاحت ہے تو میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ اور آیت تو آیت میں تو نہیں سمجھتا کہ کوئی اردو کے ایک شعر یا ایک مصرعہ کی نسبت بھی ایسا دعوے کر سکے۔ لیکن میں نے سینکڑوں دفعہ قرآن کو اوّل سے آخر تک پڑھا ہے اور دوسروں کے کلام پر میری نظر بہت تو نہیں تو خیر ایسی بہت کم بھی نہیں۔ پس میرا اتکا استدلالی عقیدہ ہے کہ قرآن کلام بشر تو نہیں اور دوسرے بشر تو کس گنتی میں ہیں اُن کا بھی کلام نہیں جن کی زبان سے نکلا یعنی پیغمبر صاحب۔ اور ہمکو مخبر صادق نے جس کی صداقت اور راستی اور دیانت کے سیکڑوں نہیں ہزاروں شواہد موجود ہیں ہم سے کہا کہ میں قرآن اپنے دل سے بنا کر نہیں کہتا بلکہ مجھ سے خدا کہلواتا ہے۔ پس ہمنے یقین کر لیا اور میں نہیں جانتا کہ یقین کرنے میں اب کون سی حالت منتظرہ باقی رہ گئی کہ قرآن ضرور خدا کا کلام ہے۔ جتنے قسم کے معجزات پیغمبروں سے سرزد ہوئے بعد الوقوع واقعاتِ تاریخی ہوتے گئے۔ یعنی مثلاً حضرت عیسی علیہ السلام نے ابرائے اکمہ[1] و ابرص[2] اور احیائے موتٰے کیا تو اب یہ واقعہ تاریخی ہے۔ ہم نے تو اُنکو بیماروں کو چنگا کرتے مُردوں کو جلاتے دیکھا نہیں۔ ہمکو تحقیق کرنا پڑے گا کس نے دیکھا اور کس نے روایت کی اور روایت کہاں تک قابل تسلیم ہے۔ شہادت کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی شہادت کی زمان اور مکان دونوں کے اعتبار سے ایک حد ہوتی ہے کیا تم خیال کرتے ہو کہ چین کی عملداری میں سچ بولنے والے نہیں تھے یا اب نہیں۔ تھے اور ہیں۔ لیکن چونکہ ہم

[1] کوڑھا درزاد ۱۲ [2] کوڑھی ۱۲

اُن سے واقف نہیں۔ ان کے نام تک ہم سے صحیح طور پر بولے نہیں جاتے ہم اُن کی شہادت کو جھٹلا تو نہیں سکتے مگر ہمارے دل کو پورا اطمینان کبھی نہیں ہوتا یہی حال ہے واقعات کا باعتبار زمانے کے۔ ہمارے ہندوستان ہی کی تاریخ میں بہت سے واقعات ایسے مرقوم ہیں جنکے مقابلے میں ۱۸۵۷ء کے غدر کی کچھ بھی وقعت اور حقیقت نہیں لیکن از بسکہ غدر جدید العہد ہے ایک واقعہ معلوم ہوتا ہے اور پرانے واقعات اسکے سامنے قصے کہانی۔ تو اس سے کیا نتیجہ نکلا کہ انبیائے سابقین کے کل معجزات واقع تو ضرور ہوئے۔ مگر ہماری نظر میں مرور زمانے کی وجہ سے افسانہ ہو گئے۔ یہ پیغمبر صاحب آخر الزمان کی خصوصیت تھی منجملہ دوسری خصوصیات کے کہ ان کو قرآن کا ایسا معجزہ ملا جو ابدالآباد تک ہر وقت اور ہر جگہ تازہ اور موثر ہے۔ مجھ کو حقیقت میں بڑی ہی ہنسی آتی ہے جب میں ان کی فصاحت میں بحث کرتے سنتا ہوں ایسے لوگوں کو جو عبارت عربی کے اعراب بھی درست نہیں پڑھ سکتے اور رونا آتا ہے اُن پر جو مسلمان ہو کر کوئی تو کہتا ہے کہ قرآن کی ترتیب ٹھیک نہیں اور کوئی نشانے سے الفاظ قرآن کے خارج کیے جانے کی کوشش کر رہا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ جن چیزوں پر اسلام کو فخر ہے اُن کی لمبی فہرست کے سرے پر قرآن ہے۔ بالفاظہ وعبارتہ وترتیبہ۔ خدا نہ کرے کہ مسلمان اس فخر سے محروم ہوں اور وہ زمانہ آئے کہ جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ لوگ الحمدُ اور الحمدُ میں خلاف کرینگے۔ پس مسٹر[1] گائڈ ڈزیل کے فارمر قرآن کے پیچھے کیا پڑے ہیں گویا اسی وقت کے لیے مستعجل ہیں۔

اب ہم کفار کے اس اعتراض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کہا کرتے تھے اَئِنَّا لَتَارِكُوا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ترجمہ کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے سے۔ اس میں دو باتیں ہیں۔ شاعر اور مجنون۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ حضرتؐ نے تمام عمر کبھی شعر نہیں کہا۔ بلکہ شعر اور شاعری دونوں کی باعلان تمام مذمت کی۔ اَلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ترجمہ شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ جو شخص کسی کام کی برائی بیان کرے خود اس کا مرتکب ہو اور خود يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ کا مصداق بنے پیغمبر صاحب صلعم کو میرے اور اپنے اوپر قیاس مت کرو کہ دن بھر بکواس کرتے رہتے ہیں اور سوائے کراماً کاتبین کے بلکہ کراماً کاتبین میں سے بھی سوائے کاتب دست چپ کے اور کسی کو ہمارے بکواس کی پروا نہیں ہوتی پیغمبر صاحب صلعم کا تو حال یہ تھا کہ

[1] جوش سبیلہ راہ ۱۲

ایک لفظ مونہ سے نکلا اور سینکڑوں ہزاروں دلوں میں لکھا گیا۔ اگر شعر ہوتا تو لوگ اسکو یاد کر لیتے حضرتؐ کے رجز احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً انا ابن عبد المطلب۔ انا النبی لا کذب۔ لیکن شعر کہا ہی نہ ہو تو کیونکر کوئی آپ شعر کہہ کر پیغمبر صاحبؐ کی طرف منسوب کر دے اور وعید (من کذب علی متعمدًا فلیتبؤ مقعدہ من النار ترجمہ جو شخص جان بوجھکر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم ٹھہرا لے) کا مورد بن جائے +

اب دیکھنا چاہیئے کہ پیغمبر صاحب صلعم شعر کہہ نہیں سکتے تھے یا کہہ تو سکتے تھے مگر برا سمجھ کر کہا نہیں ان دونوں میں شق صحیح یہی ہے کہ شعر کہنے سے عاجز تھے اور یہی عجز ان کی رسالت کی دلیل قوی ہی۔ اصحابؓ تو استفادۃً اور محبت کی وجہ سے بھی ہر وقت پیغمبرؐ کو گھیرے رہتے تھے۔ وا مجالس نبوی کے لحاظ سے ہر طرح کے مذکور رہا کرتے کبھی کسی کے مُنہ سے بے ساختہ کوئی شعر بھی نکل جاتا کیونکہ شعر تو اُن لوگوں کا گویا بجبۂ کلام تھا۔ تو جناب پیغمبر صاحب اس طرح کے اشعار پسند فرماتے ؎

الا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ[1] وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ

اس کو مکرر پڑھنے کی فرمایش کرتے اور آپ خود بھی دُہرا لیتے لیکن از بسکہ طبیعت واقع ہوئی تھی ناموزوں پڑھنے میں وزن فوت ہو جاتا مثلاً الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل[2] کی جگہ الا کل شیٔ سوی اللہ باطلٌ نکل جاتا تو حضرت ابو بکرؓ پر اس کا عجیب اثر ہوتا تھا عرض کرتے بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ[3] اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ +

اور سچ بھی تو ہے کہ جو شخص ایک مصرعہ تک تو موزوں نہ پڑھ سکے شاعری کیا جانے۔ اور بڑی حیرت کی بات ہی کہ نہ شعر کہہ سکے نہ شعر موزوں پڑھ سکے اور قرآن جیسے کلام فصیح و بلیغ سے متکلم ہو۔ اس حیرت کو اس کے سوا اور کوئی تاویل دفع کر ہی نہیں سکتی کہ قرآن کو کلام خدا مانا جائے۔ اب ایک بات یہ ہی کہ جو شخص عربی نہ جانتا ہو اُس کو کس طرح تسکین ہو کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ اُسکو چاہیئے خود استعداد عربی پیدا کرے یا عربی دانوں کے کہنے پر یقین لائے۔ جیسے ہم سُنیں کہ فلاں حکیم کوری چشم کا حکمی علاج کرتا ہے اور کوئی شخص اسکو باور نہ کرتا ہو تو اُس سے کہا جائے گا کہ بھائی اندھا بن کر آ اور امتحان کر یا دوسرے اندھے جنکو حکیم نے بینا کیا ہے اُن کا کہا مان اور نہیں مانتا تو جا اپنا سر کھا +

اعتراضات کفار میں سے اب ایک اعتراض اور رہ گیا۔ مجنون۔ اور جنہوں نے صرع کا مرض تجویز کیا۔ وہ بھی ایک قسم کا جنون ہے۔ اگرچہ مطلق نہیں خدا اور خدا کے رسول سے بہتر کس کا مقدور ہی کہ جواب دے سکے

[1] اللہ کے سوائے کل چیزیں باطل ہیں ۱۲ [2] اور ہر ایک نعمت البتہ زائل ہونے والی ہی ۱۲ [3] آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں آپکی گواہی دیتا ہوں کہ

خدا نے پیغمبر صاحب صلعم کو یہ جواب تعلیم کیا قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ ط ترجمہ تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تمکو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو ایک ایک پھر دھیان کرو اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔

واقع میں عجیب طرح کی ازخود رفتگی تھی کہ اس حالتِ ازخود رفتگی میں ایسا کلام سرزد ہوتا تھا متین مہذب۔ معقول۔ مدلل۔ جامع فصیح و بلیغ۔ موثر۔ جس نے ایک عالم کے ہوش درست کر دیئے۔

ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک مرزا نے کسی جاٹ سے ہنسی کی کہ جاٹ بے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ۔ جاٹ یہ کلام مقفّٰی سُن کر بہت بھنّایا۔ اور آپ کو جواب سوجھا تو یہ کہ مغل بے مغل تیرے سر پر کولہو۔ مرزا نے کہا کہ بھئی تُک سے تُک نہ ملی۔ تو جاٹ کیا کہتا ہے بلا سے بوجھ سے تو مرو گے۔ بجنسہٖ یہی حال تھا کفار کے اعتراضات کا جناب پیغمبر صاحب کی نسبت ایذادہی کے لیئے جو جی میں آیا آئیں بائیں شائیں بکتے یا اُس وقت کے لوگ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جزو کل حالات سے آگاہ تھے۔ بیہودہ اعتراضات سُن کر اُن کی عقیدتیں زیادہ تر راسخ ہوتی جاتی تھیں۔

اب ہمارے زمانے میں وہی پُرانے وقیانوسی اعتراضات ہیں یا شاید کسی کا پیرایہ بدلا ہوا ہو مگر لوگوں کو پیغمبر صاحب صلعم کے حالات اسلام کی حقیقت اور ہسٹری سے پوری پوری آگہی نہیں بودے سے بودا اعتراض سنا اور لڑکھڑا گئے مشکل یہ آکر پڑی ہے کہ نہ تو لوگوں کے مونہہ بند کیئے جا سکتے ہیں کہ اعتراض نکریں اور نہ اعتراضات کے سننے سے تحرز ممکن ہی۔ ہمکو دنیاوی ضرورتیں دوسرے مذہب والوں کے ساتھ اختلاط رکھنے پر مجبور کرتی ہیں لوگ واقف نہیں کہ صحبت ناموافق دین پر کیسا بُرا اثر کرتی ہے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ انسان میں جو ایک صفت تسلیم کی ہی اور جسکا ہونا خصوصًا دین کے لیئے ناگزیر ہے اگر زائل نہیں ہو جاتی تو ضعیف ہو جانے میں شک بھی نہیں۔ دل ہر بات کے لیئے دلیل مانگنے لگتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی ایک حکایت منقول ہی کہ جب پیغمبر صاحب نے اپنا معراج پر جانا بیان کیا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے تصدیق کی کسی نے پوچھا کہ تم نے ایسے عجیب معاملے کو جلدی سے کیونکر باور کر لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا اس واسطے کہ پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانے کا ایسا یقین تھا کہ ان کو دوسری دلیل کا انتظار نہیں ہوتا تھا حضرت علیؓ فرماتے ہیں لَوْ کَانَ الدِّیْنُ بِالرَّاْیِ لَکَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰی بِالْمَسْحِ وَلٰکِنْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ اَعْلَاہُ فَاَمْسَحُ کَذٰلِکَ ترجمہ اگر

دین رائے سے ہوتا تو موزے کے نیچے کی طرف مسح کرنا اولیٰ تھا۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اوپر کی طرف مسح کرتے تھے پس اسی طرح میں کرتا ہوں*

عبداللہ بن عمر صحابی کا ایک بیٹا تھا بلال۔ عبداللہ نے اُس کی روبرو ذکر کیا کہ پیغمبر صاحب صلعم فرماتے تھے لَا تَمْنَعُوا اِمَآءَ اللّٰہِ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ ترجمہ اپنی عورتوں کے حصوں کو مسجدوں سے نہ روکو یعنی اُن کو مسجدوں میں آنے کے ثواب سے نہ روکو۔ اس پر بلال بول اُٹھا وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُهُنَّ ترجمہ خدا کی قسم اُن کو روکیں گے ابھی بلال پوری بات بھی نہ کہنے پایا تھا کہ عبداللہ نے اُس کو بڑی موٹی سی گالی دے کر کہا کہ میں قول رسولؐ نقل کرتا ہوں اور تو اُسکے خلاف کہتا ہے۔ جا میں نے تجھ کو فرزندی سے عاق کیا پھر ساری عمر اُس سے بات تک نہ کی*

ایک حدیث ایسی بھی نظر سے گزری کہ کوئی صحابی اگلے وقتوں کی سُنی سُنائی ایک حکایت پیغمبر صاحب صلعم کے روبرو بیان کر رہے تھے اس میں کہیں مذکور آگیا کہ بیل بولا حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ بھلا کہیں بیل بھی بولے ہیں۔ یہ سُن کر پیغمبر صاحب صلعم نے فرمایا کہ تجھ کو بیل کا بولنا عجیب معلوم ہوتا ہے مگر میں خدا اور اُس کی قدرت پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکرؓ بھی۔ خیر سکون نفس کے یہ تو بڑے اعلیٰ مدارج ہیں ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتے۔ مگر آدمی کو ایسا شکی بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ عقل کے بدون ٹکڑا ہی نہ توڑے دنیا اور دین دونوں میں عجیب طور کا نازک تعلق ہے ؎

دنیا خواہی و دیں ہمے طلبی ۔۔۔ ایں ناز بخانۂ پدر باید کرد

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ۔۔۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے مقولات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا اور دین ضد یکدگر ہیں وَالضِّدَّانِ لَا يَجْتَمِعَانِ ترجمہ ضدّین جمع نہیں ہوتیں)۔ لیکن اگر دنیا اور دین ضد یکدگر ہوں تو ہمکو دنیا میں پیدا کرنا اور پھر کہنا کہ دین دار بن کر رہو طلب محال ہوا یا بعبارت دیگر ظلم اور خدا ظلم سے پاک ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ترجمہ اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا پر لوگ اپنا آپ بُرا کرتے ہیں ؎

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ۔۔۔ بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

لیکن جن مقولات سے دنیا اور دین کا ضد یکدگر ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ بھی بڑے دینداروں کے مقولے ہیں پس کوئی وجہ تفریق پیدا کرنی ہوگی وہ یہ ہے کہ حقیقت میں دنیا کو خادم دین بنا کر رکھنا ہے یعنی چاہیے کہ مقصود اصلی دین ہو اور دنیا اُس کی تابع جیسے سوٹے کے ساتھ روکن مثلاً جنس کہ اگر کوئی شخص مال چاہتا ہے

تن آسانی کے لیئے غرور و حشمت کے لیئے تو ایسا مال جی کا جنجال ہی اور عاقبت کا وبال۔ اور اگر کوئی مال کا خواہشگار ہی اس غرض سے کہ بوجہ شروع خود بھی اس سے متمتع ہو اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہونچاوے تو ایسے ہی مال کے حق میں مولانا سے روم فرماتے ہیں ؎

مال را کز بہر دیں باشی حمول — نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول

غرض مدار کار نیت پر ہی اور نیت کا فاعل مختار ہے بندہ۔ مگر دنیا کے موجباتِ ترغیب اسکو دین کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے ورنہ دنیا اور مافیہا سب دین ہی۔ اگر نیت درست ہو۔ تو جن لوگوں نے انسان کے ضعف پر نظر کی اُنھوں نے مشکل کو محال سمجھکر حکم لگا دیا کہ دنیا اور دین ضد یکدیگر ہیں۔ دنیا کو چاہو جھوٹا دشمن دین ٹھہرالو مگر دنیا اگر دین کی دشمن ہی بھی تو ایسی دشمن کہ بدون دنیا کی مدد کے نہ دین کی رونق ہو سکتی ہی نہ ترقی نہ وقعت ؎

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو — اعلاے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل و جود و محقق کہاں سے ہو — مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً برا کہا — میں اُسکے منہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ہندوستان میں اسلام کے سوا جتنے دین ہیں سب میں اگر کچھ لحاظ کے قابل ہی تو عیسائیت ہی کچھ آج سے نہیں بلکہ شروع سے اسلام نے عیسائیوں کا اہل کتاب ہونا تسلیم کیا اور جو باتیں اُن میں قابل مدح تھیں اُن کی داد دی ۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ترجمہ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں مسلمانوں سے یہود کو اور شریک کرنے والوں کو۔ اور تو پاوے گا سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کی وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصارے ہیں یہ اس واسطے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں۔ اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے اور جب سنیں جو اُترا رسول پر تو دیکھے اُن کی آنکھیں اُبلتی ہیں آنسوؤں سے اس سبب جو پہچانے بات حق

کہتے ہیں اے رب ہمنے یقین کیا سو تو لکھ ہمکو ماننے والوں کے ساتھ۔ اور ہمکو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ
پر اور جو پہونچا ہم پاس حق۔ اور ہمکو توقع ہی کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ پھر اُن کو بدلا
دیا اُنکے رب نے اُس کہنے پر باغ۔ نیچے اُن کے بہتی نہریں۔ رہا کریں اُن میں اور یہی بدلا نیکی کرنے والوں کا ۔
اسلام نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جناب مسیح علیہ السلام کو یہود کے نالائق حملوں سے بچایا۔ اب انہی
حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت ہی احسان فراموش کہ ہاتھ دھوکر اسلام کے پیچھے پڑی ہے۔ انہی کی سنی سنائی
دوسرے لوگ بھی دھرا دیتے ہیں۔ جن کے پاس گھر کی جمع پونجی خاک پتھر نہیں۔ ہمکو عیسائیوں کے مقابلے میں
چند در چند مشکلیں واقع ہیں سب سے بڑی مشکل تو یہ ہی کہ عیسائی ہمارے پیغمبر صاحب صلعم کو جو اُن کا جی چاہے کہیں
ہم جناب مسیح علیہ السلام یا اُن کی والدہ یا انجیل کی مذمت کا کوئی کلمہ مُنہ سے نکالیں سیدھے جہنم میں چلے جائیں
ہاں نکٹوں کے ڈر سے اپنی ناک کٹائے اور تھوڑی دیر کے لیئے یہودی بن جائے تب کہیں جاکر عیسائیوں
سے برسر آئے۔ دوسری مشکل جو ہمکو عیسائیوں کے مقابلے میں اس وقت درپیش ہی یہ ہے کہ زمانہ اس وقت
عیسائیوں کا مساعد ہے۔ لیاقت دولت۔ حکومت یعنی دنیا بِحَذَافِيرِهَا خدا نے ان لوگوں کو دے رکھی ہے ع

ہر کہ را پنج روز نوبت اوست

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ترجمہ ان دنوں کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں ۔
یہ ایک بڑی دلیل اُن کے فیوض[1] ہی ہر شخص جان نہیں سکتا کہ دنیا سے دین کو کہاں تک تائید
پہونچتی ہے اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ ترجمہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر ہوتے ہیں۔ لوگ مُنہ سے نہیں
کہتے اور کہہ نہیں سکتے۔ مگر انسان کا دل ہی خدا نے ایسا بنایا ہے کہ جس کو اپنے سے برتر اور بہتر حالت میں
دیکھتا ہے اس کی ساری اداؤں کو پسند کرنے لگتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انگریز مذہب میں حکومت سے کسی طرح
کا فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ لیکن بے چاہے جو ایک مطلب حاصل ہو تو چاہنے کی کیا ضرورت ہی۔ جیسے
ایک کاشتکار کا کھیت نہر کے کنارے نشیب میں واقع ہے وہ اگر نہر سے پانی نہ بھی لے تاہم نہر اُسکو فائدہ
پہونچا رہی ہی یا بد شاید اسی اصول کے مطابق ایک فاصلہ خاص تک اُن لوگوں کو پانی کا محصول دینا پڑتا ہے
جن کی زمین اطراف نہر میں واقع ہی پانی لیں یا نہ لیں۔ لیکن یہ ساری خارجی قوتیں ایک طرف اور نفس مذہب
کا ضعف داخلی ایک طرف مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا

---

[1] تمام پہلوؤں سے ۱۲ اسلام حق ہیں ۱۲

وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ۔ ترجمہ کہاوت اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کو چھوڑکر اوروں کو حمایتی بنایا مکڑی کی کہاوت جیسی ہی کہ بنا لیا اُس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر۔ کسی مذہب کا پابند ہوکر اسلام پر اعتراض کر بیٹھنا بچوں کا کھیل نہیں ہی جو شخص شیشی کا گھر رکھتا ہوا وسکو دوسرے گھروں پر ڈھیلے پھینکنے کیا مناسب ہیں ۔ ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

اگر کسی نے پتھر کھینچ مارا تو سارا ڈھوڈا چکنا چور ہوکر رہ جاسے گا۔ مگر یوں کہو کہ جن پر ڈھیلے پھینکے جاتی ہیں انکو معلوم نہیں کہ ڈھیلے پھینکنے والوں کا گھر کانچ کا ہی۔ یا جب گھر پر ڈھیلا آتا ہے تو جواب دینے کے لیے پتھر ہاتھ نہیں آتا۔ احمقوں کو تدبیر بھی سوجھتی ہی تو یہ کہ چلو بھائی گھر چھوڑ چھاڑ کر کلوخ اندازوں کے محلے میں چل بسیں۔ میں نہیں کھڑا ہوا فی مقامی ہذا اس غرض سے کہ اسلام پر جو جو اعتراض لوگ کرتے آتے اور کرتے ہیں ان کے سب جواب دوں یہ کام نہ ایک دن کا ہے نہ ایک ہفتے کا نہ ایک مہینے کا نہ ایک برس کا۔ بلکہ برسوں کا۔ اور اسکے لیئے ایک علم جدا گانہ مدون ہی علم کلام۔ اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں اس علم سے کسی قدر بدعقیدہ ہوں کسی ایک مذہب کا نشان دو۔ جس کو مباحثے اور مناظرے نے معدوم کر دیا ہو۔ اگر ساری عمر ڈھونڈا کرو ایسا مذہب نہیں پاؤگے۔ جب بت پرستی جیسی چیز کسی کے کیئے معدوم نہ ہوسکی تو کسی مذہب کے درپے ہونا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ لوگوں کو تبدیل مذہب کرتے ہوئے سُن کر میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا کہ جیسے سنوں کسی شخص نے فرض کرو چند لوٹے پانی مثلاً دریائے راوی سے لیکر چناب میں ڈال دیا اس سے نہ راوی پایاب ہوگیا اور نہ چناب میں کچھ غیر معمولی طغیانی آگئی۔ بات یہ ہی کہ مذہب فی نفسہ چیز ہی ایسی ہے جس میں سن سمجھوتی کو بہت بڑا دخل ہی اور اختلاف رائے کا حال یہ ہی کہ ایک چیز کو ایک شخص نہایت سچے دل سے اچھا سمجھتا ہے۔ اور دوسرا اُسی چیز کو اسی طرح نہایت سچے دل سے بُرا۔ سعدی نے اس مطلب کو کیسی اچھی طرح ادا کیا ہے ؎

یکے جہود و مسلماں مناظرہ کردند — چناں کہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
یہود گفت بتوریت می خورم سوگند — و گر دروغ بود ہمچو تو مسلمانم
بطیرہ گفت مسلماں گر مقالت من — صحیح نیست خدایا جہود میرانم
گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد — بخود گمان نبرد ہیچکس کہ نادانم

میں اس اختلاف رای کو بھی آیات اللہ میں سے خیال کرتا ہوں جیسے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ
ترجمہ تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا بھی اللہ کے آیات میں سے ہے۔ اور جب اختلاف رائے
آیت اللہ ٹھہرا تو اسکے مٹنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا۔ چنانچہ خدا ے تعالی خود فرماتا ہے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ترجمہ اگر چاہتا اللہ لوگوں کو ایک
طریق (دین) پر بناتا (لیکن ایسا نہیں بنایا) وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے مگر
جن پر تیرا رب رحم کرے لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ صاف بتا رہا ہے کہ اختلاف مذاہب خلق انسان کی علت غائی ہے
اور منظور یہ ہے کہ لوگ اختلاف کریں اور خدا کو اُن لوگوں پر رحمت نازل کرنے کا موقع ملے جو صراط مستقیم
سے متزلزل نہوں۔ اگر عقل کو اسکی حد سے متجاوز نہو نے دو اور اسکو وہیں تک مذہب میں دخل دو جہاں تک
اس کی رسائی ہے تو تم خدا کے بندے ہو۔ یقین کرکے ماننا کہ جملہ مذاہب میں اسلام سب سے زیادہ محفوظ ہے بیشک
اسلام میں لوگوں کی غلط فہمی یا افراط تفریط یا تعصب کی وجہ سے بعض اوپری باتیں بھی داخل ہوگئی ہیں اور
کوئی مذہب ایسے تصرفات سے بچا ہوا نہیں۔ اور بہت سی باتیں ظاہر میں تو خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر فی
الحقیقت ان میں مساغ عقل نہیں۔ لیکن تاہم اسلام کے اصول ایسے عمدہ اور معقول اور سلیس ہیں کہ کوئی دوسرا
مذہب اُن سے لگّا نہیں کھاتا۔ دین کی ساری عمارت اس ایک ستون پر کھڑی ہے کہ خدا ایک ہے۔ جہاں کہیں اس
ستون کو ڈگمگایا ہوا پاؤ بس سمجھ لو کہ تمام عمارت بے بنیاد ہے عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
ترجمہ ڈھینے والی کھائی کے کنارے پر پھر اسی کو لیکر گر پڑا دوزخ کی آگ میں۔ یہی ستون لڑکھڑا اٹھا تھا
مشرک تو مشرک جن کو موحد ہونے کا دعوے تھا۔ جیسے یہود و نصارے۔ انہوں نے بھی توحید کی مٹی پلید
کر رکھی تھی۔ اسی ستون کو محکم اور مضبوط اور استوار اور پائدار کرنے کے لیئے پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوتے خدا
اور بندے میں باپ بیٹی کا رشتہ یہاں مثنیٰ کا تماشا ایک تین اور تین ایک جو از روے اصول ہندسہ بداہۃً
باطل وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ
قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ترجمہ اور یہود نے
کہا عزیر بیٹا اللہ کا اور نصارے نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے منکروں
کی بات کی مار ڈالے ان کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں ٹھہرا لیتے ہیں اپنے عالم اور درویشوں کو خدا

درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو اور حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں اُسکے سوا وہ پاک ہے اِن کے شریک بنلانے سے ❊

چونکہ خدا ازلی ابدی ہے اُس کا دین مقبول بھی ازلی ابدی ہونا چاہیئے۔ اسلام نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ نئی چیز لے کر آیا۔ اور اگر ایسا دعوی کرتا تو وہ دعوی ہی اُسکی تکذیب کرتا۔ ہم مسلمان جن ادیان کا منزّل من اللہ ہونا مانتے ہیں اُن میں فرق اگر ہے تو جزئیات اور فروع کا نہ کلیات اور اصول کا۔ میں نے کلیات اور اصول ہی کے اعتبار سے کہا کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں لایا اور کلیات اور اصول ہی کے اعتبار سے جا بجا قرآن میں پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ترجمہ سچا کرنے والا جو اُسکے آگے ہے۔ لیکن اگر اہل کتاب ہم سے اصول میں اختلاف کریں جیسا کہ کر رہے ہیں تو اسلام ہرگز اُن کا مصدّق نہیں۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جتنے پیغمبر خدا نے بھیجے سب بلا خلاف و بلا استثناء توحید کو تسلیم کرتے آئے یہ پیغمبروں کا نہیں بلکہ اُن کی اُمتوں کا قصور ہے کہ توحید کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دین میں جو عقلی باتیں ہیں اُن میں سب سے پہلے اور سب کا مدار علیہ توحید ہے جب تثلیث کہ وہ بھی شرک ہی خلاف عقل زبردستی ہمارے دل میں اُتاری جاتی تو اسکے صاف یہ معنی ہونگے کہ عقل کو دین میں دخل نہیں پھر آدمی مکلف کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ حقیقت میں ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے کہ معتقد تثلیث ہو کر عیسائیوں کو دوسرے مذاہب پر اگرچہ شرک و بت پرستی ہی کیوں نہ ہو اعتراض کرنے کی کیونکر جرأت ہوتی ہے۔ میں دیر سے چاہتا ہوں کہ لکچر کو تمام کروں۔ مگر لوگوں کی کوئی نہ کوئی جلی کٹی بات یاد آجاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یاد آئے پیچھے چپ رہنا مشکل۔ کہتے ہیں پیغمبر کی آنے کی ضرورت دکھاؤ کیونکہ جھوٹ بولنا بُرا ہے اور سچ بولنا اچھا ہے یہ اور اس طرح کی اَور اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اَبًا عَنْ جَدٍّ ترجمہ پہلوں کی کہانیاں۔ بزرگوں سے سنتے چلے آتے ہیں۔ پھر یہ دکھاؤ کہ ایسی ضرورتیں آگے کے لیئے بند ہو گئیں کیونکہ مسلمان اپنے پیغمبر صاحب کو نہ صرف پیغمبر مانتے ہیں۔ بلکہ ختم المرسلین بھی۔ حالانکہ بجنسہ ویسی یا ویسے اعتراض خود قرآن میں منقول ہیں مثلاً اُس وقت کے لوگ اعتراض کرتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ترجمہ کیوں نہیں اُتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر اِن دو بستیوں کے ہم نہ مانیں گے جب تک ہمکو نہ ملے جیسا کچھ پاتے ہیں اللہ کے رسول اِسکے جواب میں خدا تعالی فرماتا ہے أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ترجمہ کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی مہر اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام ❊

اس طرح کے خدشات کا پیدا کرنا گویا خدا کو خدائی سکھانا ہے - اور اگر ایسے خدشات کا دروازہ کھول دیا جاوے تو بیچارے دین کے پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت ہے - دنیاوی امور میں خدا کو بہت سی صلاحیں بتائی جا سکتی ہیں مثلاً ہم تو معتقد ہیں کہ انسان کی خلقت احسن تقویم کے طور پر واقع ہوئی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ترجمہ ہمنے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز سے پر - بلکہ انسان پر کیا موقوف ہے اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ترجمہ جو چیز بنائی اچھی بنائی - اگر کوئی بد دین کہنا چاہے تو کون اُس کا مونہہ بند کرے گا کہ اگر مکھی کی طرح ایک لاکھ آنکھیں انسان کی ہوتیں تو کیا قباحت تھی یا لاکھ نہ سہی کم سے کم گدھی میں دو آنکھیں تو لگا دی ہوتیں کہ گردن پھیر کر دیکھنے کی زحمت سے بچتا - اس قسم کی باتیں ہیں جنکے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیئے میں کھڑا ہوا ہوں - ایسی باتوں سے دین کا استخفاف (خفیف کرنا ۱۲) اور اس کے ساتھ استہزا لازم آتا ہے اور ایسے خیالات کے منجر بکفر ہونے کا خوف ہے - پورا پورا علم تو خدا کو ہے - لیکن جہاں تک ہماری عقل ناقص کام کرتی ہے اسلام سے دین و مذہب کو بہت ہی بڑے فائدے پہنچے ہیں - خداشناسی خداپرستی کس نے سکھائی - اسلام نے - توحید کو کس نے پاک صاف کیا اسلام نے - انسان کو شرک اور بت پرستی کی ذلت سے کس نے نکالا اسلام نے - انسان کو اشرف المخلوقات تو خدا نے بنایا مگر کس نے اسکو ایسا برتاؤ سکھایا جو اشرف المخلوقات کے لیئے شایاں تھا اسلام نے تمکو یہود اور عیسائیوں کی دینی مشکلات معلوم نہیں - مثلاً انکے احکام عشرہ پڑھو تو سمجھو کہ وہ احکام ناممکن التعمیل ہونے کی وجہ سے احکام کتابی ہیں - ان سختیوں سے انسان کو کس نے نجات دی - اسلام نے - یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ترجمہ بتاتا ہے اُن کو نیک کام اور منع کرتا ہے انکو بُرے سے اور حلال کرتا ہے ان کے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر ناپاک اور اُتارتا ہے اُن سے بوجھ ان کے اور پھانسیاں جو اُن پر تھیں - انسان کو یہ آسان تدبیر کس نے بتائی کہ وہ آپ اپنا گناہ معاف کر لے سکتا ہے - اسلام نے ٭

یہاں تو مسلمان بھی کان کھڑے کرینگے کہ اپنا گناہ آپ معاف کر لینا کیا معنی - سو بھائیو لفظوں کا ایرپھیر ہے خدا فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ترجمہ اے بندو میرے جنھوں نے زیادتی کی اپنی جان پر نہ آس توڑو اللہ کی مہر سے بیشک بخشتا ہے اللہ سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا - یہاں ذرا تعمیم پر نظر کرو جملہ مصدرہ بہ اِنَّ الذُّنُوْبَ میں الف لام استغراق کا اسپر جَمِيْعًا کی تاکید اس پر دوسری تاکید اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

دوسری جگہ فرمایا وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ ترجمہ وہ وہی ہی جو توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ترجمہ مجھ کو پکارو میں تم کو جواب دونگا اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک پہونچتا ہوں پکارنیوالے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے تو چاہیئے کہ حکم مانیں میرا اور یقین لاویں مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ترجمہ اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ان سب آیتوں کے ملانے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ توبہ کرو خدا قبول کرتا ہے اور توبہ فعل ہے بندے کا اختیاری۔ اب پھر مطلب کا وہی سلسلہ اختیار کرو۔ بہشت و دوزخ کے حالات کس [illegible] ایسے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے کہ گویا دونوں کو بچشم سر دکھا دیا اسلام نے۔ ورنہ عیسائیوں میں تو بہشت کے واسطے صرف ایک ہی لفظ تھا۔ خدا کی بادشاہت۔ اس لفظ کے معنی اب بھی اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آتے۔ دنیا میں بھی خدا کی بادشاہت ہی۔ یہاں بھی اعتراض کرنے والے نہیں چوکتے۔ بُرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بہشت سے خدا کی تقدس کو بٹا لگتا ہے۔ کتنے مسلمان اس اعتراض کو سُن کر بدعقیدت ہوگئے لیکن میں کہتا ہوں کہ بیش برین نیست بہشت میں دنیا کے سے مزے ہوں گے۔ سو دنیا ہی کے پیدا کرنے سے خدا کی تقدس میں کون سا بٹا لگ گیا کہ بہشت کی وجہ سے لگ جائے گا۔ یہ پھر وہی خدا کو خدائی تعلیم کرنے کی بات آئی۔ یعنے خدا نے توالد وتناسل کا جو قاعدہ ٹھہرا رکھا ہے اور جس سے ہر شخص تنگ کرتا ہے اگرچہ علی وجہ الحلال ہی کیوں نہ ہو قابل تبدیل ہے۔ قرآن جیسی کتاب فصیح و بلیغ مواعظ و حکم سے بھری ہوئی دنیا کی اصلاح کی ضامن دین کی فلاح کی متکفل مؤثر دلوں کو مسخر طبیعتوں کو گداز کرنے والی تسکین بخشنے والی۔ امراض روحانی سے شفا دینے والی۔ اہل دنیا کو کس نے عنایت کی۔ اسلام نے۔ معاشرت اور تمدن کے عمدہ ضابطے کس نے ٹھہرائے اسلام نے۔ مسلمانوں کے مسئلہ طلاق پر تو اعتراض کیا جاتا ہے اور بدون اسکے کار برآری ہو نہیں سکتی تو سول سپریشن[۱] کے نام سے اسکے لیئے مقدمے لڑائے جاتے ہیں۔ حق شفعہ اسلام سے پیدا ہوا۔ اب کوئی قوم نہیں۔ جس نے اس کو اختیار نہ کر لیا ہو۔ بات یہ ہی کہ حضرت موسیٰ کی

۱؎ ایک حکمی طلاق ہے جو عدالت سے حاصل کی جاتی ہے۔ جب مذہب نے عیسائیوں کی مدد نہ کی تو انھوں نے یہ طریقہ حاصل کیا ہے

شرع میں احکام ظاہر پر بڑا زور تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ظاہر سے قطع نظر کی باطن پر توجہ کی یہ خاصہ شرع
محمدیؐ ہی کا ہے کہ اس نے ظاہر و باطن دونوں کی درستی کا بیڑا اٹھایا اور موسوی اور عیسوی شریعتوں
کے نقصان کو پورا کیا۔ اور جب کہ ظاہر و باطن کے مجموعے پر انسان کی ہستی کا خاتمہ
ہے پس شرع محمدیؐ آپ سے آپ آخری شریعت اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم خاتم المرسلین ہوئے یہ ہیں معنے ختم رسالت کے
تو اے بھائیو! میں تمکو وصیت کرتا ہوں جو کہ حضرت ابراہیمؑ
اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اپنی بیٹوں کو
کی تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا
تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

ترجمہ اللہ نے چن لیا تمہارے واسطے دین کو۔ پس تم نہ مرو۔ مگر مسلمان ہو کر

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضمون

جو مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خان صاحب نے مدرسہ طبیہ دہلی کے پہلے سالانہ جلسے میں پڑھا

تمہید

یہ پہلی سالگرہ مدرسہ طبیہ دہلی کی تھی اور ہندوستانیوں کے ابتدائی جوش شہور ہیں اُسکی مناسبت سے ہجوم بھی تھا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے اس مدرسے کی طرف شروع سے التفات فرمایا ہے اور حسب دستور میر مجلس تھے

میں بھی عجیب آدمی ہوں۔ جب مدرسہ طبیہ کی تجویز درپیش تھی تو بڑے زور سے اُس کا مؤید تھا۔ مدرسہ کھلا تو آیندہ کی کامیابی سے مایوس۔ اور آج جو مدرسے کی پہلی سالگرہ ہے حکیم محمد عبد المجید خان صاحب کو مبارکباد دینے کے لیئے موجود۔ بلا سے لوگ مجھ کو زود فربہ و زود لاغر اور میری رائے کو متزلزل سمجھیں مگر مدرسے کو ایسے ایسے اوداس سے کہیں بڑھ چڑھ کر دھوم دھڑکے کے سینکڑوں ہزاروں سال گرہیں نصیب ع این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد یہ تو نمازکی آمین نہیں کہ مقلدوں کو عذر ہو سب کے سب پکار کے آمین کہو۔ اگرچہ یہ مدرسہ بجالتہا الموجودہ ہمارے درد کی دوا نہیں اور ابھی برسوں ہمارے درد کی دوا نہیں ہوسکتا۔ خدا کرے یہ پیشین گوئی بھی ایسی ہی غلط ثابت ہو جیسی سالگرہ کی، مگر حکیم عبد المجید خان صاحب نے جو رپورٹ پڑھکر سُنائی میں اُسکو مدرسے کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست۔ الاپ یہ ہی تو راگ آپ سے آپ اچھا ہوگا۔ ایک برس اور ایک بھی پہلا کیا بٹّا رکھتا ہی۔ کوئی مجھ جیسا بیچارہ ہمت ہارا ایسے اہم کام کا بیڑا اُٹھاتا تو ابھی تک منصوبے ہی سوچا کرتا۔ حکیم عبد المجید خان

صاحب نے تو گویا ہتیلی پر سرسوں جما کر دکھا دی۔ ایک ہی برس میں مدرسہ جاری بھی ہوا۔ ۷۵ طالب علم بھی اطراف و جوانب سے سمیٹ لیئے۔ جماعت بندی بھی کر دی۔ پڑھایا اور امتحان بھی دلوایا اور خاصی کامیابی کے ساتھ دلوایا کہ ۴۴ طلبہ نے امتحان دیا۔ ۴۱ کامیاب جنھوں نے تمغے پائے انعام لیئے میں ان طالب العلموں کی حالت پر حسد تو نہیں مگر رشک ضرور کرتا ہوں۔ غرض ملا اور شرح تہذیب پڑھتا ہوا دلی کالج میں داخل ہوا تھا۔ یہ حال کا سٹرل سکول نہیں بلکہ ۱۸۵۷ع کے غدر سے پہلے کا کالج جس کا لوہا تمام ہندوستان کی تعلیم گاہیں مانتی تھیں (خدا اُسکو جنت نصیب کرے) نو برس محنت کرتے کرتے ہلاک ہو گیا مگر سارے عمر کی تحصیل میں ایک تمغہ نصیب ہوا وہ بھی کورس کی کتاب پر نہیں بلکہ جواب مضمون پر۔ تمغہ غدر میں لٹ گیا۔ اُس کا ملنا یاد ہے مضمون فراموش۔ شاید شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ کو یاد ہوگا۔ اول تو اُن کا حافظہ ماشاء اللہ قوی ہے۔ دوسرے ہم جماعت ہونے سے طالب العلموں میں ایک طرح کا محاسدہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ محاسدہ محمود ہے جو شوق کو مشتعل اور مشقت کو ہلکا کرتا رہتا ہے۔ تمغہ ملتے ہوئے دیکھ کر انھوں نے مجھ کو ضرور بُری طرح گھورا ہوگا اور اب بھی باوجودیکہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر موجود ہیں بُری طرح گھور رہے ہیں۔ اُن دنوں اگر یہ مدرسہ کھلا ہوتا تو میں بھول کر بھی کالج کی طرف رخ نکرتا کوہ کندن وکاہ برآوردن۔ مفرے سے تمہارے اسی مدرسے میں طب پڑھتا۔ پہلے ہی برس وظیفہ اور انعام اور تمغہ لیتا۔ چار برس میں فارغ۔ سند لیکر نکلتا تو لوگوں کی تندرستی اور زندگی پر حکمرانی کرتا۔ جو مرتا اُس کا الزام خدا پر اور جو بچتا میری تشخیص صائب کا معتقد میری توجہ کا ممنون۔ مجھ کو کالج کی تعلیم سے بہت بڑا فیض پہنچا اِسی تعلیم کے طفیل میں میں نے بڑی سے بڑی نوکریاں کیں۔ تاہم میں کبھی افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے طبابت کیوں نہ اختیار کی۔ اگر جم گئی ہوتی تو تین چار نسلوں کے دلدر پار تھے۔ اگلے وقتوں میں اور اگلے وقتوں سے جالینوس کا زمانہ مراد نہیں بلکہ غدر سے پہلے تک اطبا سے یونانی احتساباً علاج کرتے تھے اب ڈاکٹروں کی دیکھا دیکھی لینے لگے ہیں اِلّا ماشاء اللہ مگر ویسی ہکڑی سے نہیں جو لیتے ہیں وہ بھی عجیب مضایقے کے ساتھ باہزار جان خواستگار اور اوپر دل سے انکار۔ من چاہے منڈیا ہلاتے۔ وہ ادا بھی دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں محتاج تعلیم ہے بے مشق و تمرین آ نہیں سکتی۔ خدا جانے مدرسۂ طبیہ کے کورس میں ہے یا نہیں مگر معفی چاہیے۔ بہرکیف اے طلبۃ الطب تم نے بڑا شریف فن اختیار کیا ہے ہم خرما و ہم ثواب۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ مدرسے کی سند حاصل کرنے سے تم طبیب بن بیٹھوگے۔ بڑی سند ہے مقبولیت عند الناس اور وہ ٹیڑھی کھیر ہے جسکو چاہیے۔ استعداد و غایت فہم مطالب تفتیش تحقیق حسن اخلاق تسخیر قلوب۔ یہ زمانہ کامپٹیشن یعنی منافست کا ہے۔ ظاہر میں یہ خیال کرتے ہیں کہ

مہارت ۱۲

بجھنا بجھی۔ مقابلہ ۱۲

انگریزوں نے ہمکو بزور سیف زیر کیا۔ زوال سلطنت کی وجہ سے ہم لوگ مفلس و محتاج ہوگئے۔ لیکن یہ خیال محض غلط ہے انگریز
ہم سے بزور شمشیر خراج لیتے نہ ہمکو مجبور کرتے ہیں کہ اُن کی بنائی ہوئی چیزیں خواہی نخواہی استعمال کریں مگر یوں کہو
کہ انگریز بزور ہنرمندی ہماری روزی چھینتے چلے جاتے ہیں اس کامپٹیشن نے ہندوستانی سبھی چیزوں کو نقصان پہنچایا اور
شاید سب سے زیادہ طب کو۔ اگر اس مدرسے کی اغراض کامل طور پر پوری نہیں کی جائیں گی تو آیندہ عیسوی صدی کا پہلا
ثلث یا غایت درجے نصف نہ گزرنے پائے گا کہ طب یونانی کی وہی گت ہوگی۔ جو اسکی آپا وید کی ہوئی۔ نام معلوم مسمّٰے
معدوم۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جن مصیبتوں سے ہم بچے اور اسی شہر کے سر سید احمد خاں نے علی گڈھ کالج کھڑا کیا اور
کھڑا کیا۔ بڑے میاں کے خیالات کے مطابق تو ابھی بالاخانے کا زینہ تک بھی درست نہیں بہرکیف ان مصیبتوں کو سر سید
ہی کا جی جانتا ہوگا ہم اُن مصیبتوں میں شریک نہیں ہوئے تو دیکھتے تو رہے ہیں۔ ان مصیبتوں کی وجہ سے میرا دل دُھکڑ پکڑ کرتا
تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ آج ساری ہندوستان میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کی طبابت کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ضرورت
بھی اُنھوں نے ایسی حیثیت پیدا کی ہے کہ دنیا کی دوسری تمام ضرورتیں اسی پر متفرع ہیں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے اشارہ کرنے
کی دیر ہے۔ روپے کے انبار لگ جاتے ہیں تو تعجب نہیں لیکن میں دیکھتا ہوں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو وہی سر سید کا سا رونا
روتے ہوئے ہل من مزید ہائے چندہ ہائے روپیہ۔ لیکن بُرا ماننے کی بات نہیں فراہمی چندہ میں حکیم صاحب نے سرگرمی تو کی
ع مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی ٭ اس سے کہ سالانہ رپورٹ میں دکھڑا رو دیا۔ اخبار میں کبھی کبھار چند سطریں لکھ
ماریں یا کسی تقریب سے کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور ضمناً مدرسے کا مذکور کر دیا۔ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ ان بے
بہ پیام تدبیروں سے تو نہ چندہ ملا ہے نہ ملے گا۔ صاحب۔ سر سید احمد خاں کی طرح گلے میں فقیروں کی سی جھولی لٹکاؤ کوڑی
کوڑی کو کان مانگو امیروں کی ڈیوڑھیوں پر دھرنا دو۔ تھیئٹر میں کھڑے ہو کر ناچو گاؤ۔ سوانگ بھرو لوگوں سے بہت سے ناکار طماع اور
سی بے نقط سنو اور خبر نہ ہو۔ اپنی ساری طاقت ساری فرصت ساری عافیت ساری دولت ساری عزت غرض ساری دنیا کو وقف
مدرسہ کر دو تب بانی مدرسہ ہونے کا نام لو۔ پھر حکیم عبدالمجید خاں صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں
تو ان کے شریک ہوئے اور نہ ہوں۔ یہ ایک فیصل شدہ بات ہے۔ لیکن تمام کوشش محدود ہوگی مسلمانوں میں جو من حیث القوم
خود فاقہ مست ہے چاہیئے ہی نقد وافر طب کے فن کے واسطے ٭ ہم قلندریاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے ٭ ذری شعر کے
قافیے کو ملاحظہ فرمائیگا۔ اصل میں تو شیخ ابراہیم ذوق کا مطلع ہے ہے چاہیئے زر ان بتان سیم تن کے واسطے ٭ ہم قلندر یہاں نہیں
کوڑی کفن کے واسطے ٭ بندے نے شعر کیا ہے اقراری مجرم ہوں مگر کوئی سزا نہیں دے سکتا۔ غرض مسلمان مفلسوں سے روپیہ
لینا ہے پھول والوں کی سیر کے لیئے نہیں۔ سلطان جی[1] کی سترھویں کے لیئے نہیں میلہ باغ بہاری کے لیئے نہیں

[1] یعنی سلطان نظام الدین اولیا جنکا مزار شہر دہلی میں ہے ان کے مزار پر ہر سال سترھویں رجب کو عرس ہوتا ہے اس وجہ سے سترھویں مشہور ہے ۱۲

کُشتیوں کے اکھاڑے کے لیئے نہیں کہ ایسی صورتوں کے لیئے ہماری قوم کے بے فکرے مسرف ناعاقبت اندیش قرض وام کرکے کچھ کچھ دے بھی گزرتے ۔ بلکہ عامۂ خلائق کی جان اور تندرستی کی حفاظت کے لیئے مسلمانوں میں سرکف تو بہتیرے نکلینگے خاص کر گروہ غیر مقلدین میں مگر زر بکف کوئی ایسا ہی اللہ کا ولی ہو تو ہو ؎ گر جان طلبی مضایقہ نیست ٭ زر میطلبی سخن درین ست مدرسے کے پراسپکٹس کو دیکھو کہ کیسے مدرسے کی ضرورت ہی اور کس قسم کا مدرسہ اس زمانے میں چل سکتا ہی طبیبوں کو دوا شناس دوا ساز بنانا ہی تشریح سکھانی ہی وید کی ڈاکٹری طب یونانی کو ملا جلا کر نئی طب بنا کر اسکو رواج دینا ہی ۔ یہ باتیں مُنہ سے کہدینی آسان ہیں کر دکھانا تو خیر میں کہتا ہوں ایسا حوصلہ کرنا بھی حکیم عبد المجید خان صاحب ہی کا کام ہی ابھی تک تمہارا مدرسہ بیش نیست کہ وہی پرانے ڈھرّے پر چلنے والا طب یونانی کا سکول ہی ایجز آف سکول ہی ۔ وہ تو حُسن اتفاق سے چند باتیں جمع ہو گئیں حکیم عبد المجید خان صاحب پہلے درس طب دیتے تھی ۔ شاگردوں کی حیثیت بدل دی تینوں بھائی بے تنخواہ کے نوکر مدرس نئے نواب صاحب دوجانہ تاہم رسی سامان کافی متکفل مصارف ہوے بعض بزرگان قوم نے خدا اُنکو جزای خیر دے ماہوار وظیفے مقرر کردیئے اتنی باتیں جمع ہوجانے سے تو آج یہ چند صورتیں جلسۂ سالانہ کی تقریب سے فراہم ہوگئیں ورنہ جو ہم کرنا چاہتے ہیں اور جو ہمکو کرنا چاہیئے اس کا تو ابھی شمہ بھی نہیں خیر یہ تو ناامیدی کی سی باتیں ہیں مگر ؎ بلبلا مژدۂ بہار بیار ٭ خبر بد بیوم باز گزار ٭ ہمت بڑھانے والی جرأت دلانے والی روداد یہ ہی کہ ریاست رامپور نے جسکی فیاضی خیرات مبرات میں معروف مشہور ہی پچھتر روپے ماہ مقرر کردیا ہے ۔ اسی طرح خان بہادر حافظ عبد الکریم صاحب سی ۔ آئی ۔ ای ۔ رئیس میرٹھ نے تین سو روپیہ سالانہ اور ڈونیشن یعنی یکمشت چندہ ایک ہزار وصول ہوچکا ہی ۔ یہ تو موجود ہی اور اسی کے قریب وہ ہی جو موعود ہی ۔ مدرسے کی بڑی بہت بڑی خوش قسمتی یہ ہی کہ اسکی ولادت امپرس کوئین وکٹوریا کی ولادت باسعادت کے روز ہمایوں سے اتنی تھوڑی فصل کے بعد واقع ہوئی ہی کہ اثر یمن و برکت کا اس تک پہنچنا یقینی ہی ۔ ہمارے ضلع کے حاکم اکبر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس مدرسے کی طرف اس قدر ملتفت ہیں کہ دوسرا جلسہ اس مدرسے کا ہوا اور دونوں جلسوں کو انہوں نے تشریف آوری سے مشرف فرمایا ہی غالباً صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اس مدرسے کو کار خیر اور مفید عامۂ خلائق سمجھ کر شریک ہوتے ہوں گے مگر میں ان پر ظاہر کیے دیتا ہوں کہ ایسا کرنے سے نہ صرف مدرسے کو بے انتہا فائدہ پہنچا اور پہنچنے کی امید ہی بلکہ مسلمانوں کے دل ان کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے ہیں اور یہی وہ بڑا صلہ ہی جو ان جیسا نیک دل حاکم حاصل کرسکتا ہی ۔ اب میں اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں ۔ بات یہ ہی کہ جبتک مدرسے کی حالت میری خیال کے مطابق اور نہ صرف میرے خیال کے بلکہ اُس توقع کے مطابق جو پراسپکٹس میں دکھلائی گئی درست نہ ہو مجھ سے خوب جی کھول کر بات نہیں کی جاتی مدرسے کو حد موضوع لہ تک پہنچانے کی آپ کوشش کرو اور اوروں کو توجہ دلاؤ پھر لکچر تو گھر کی کھیتی ہی کتنے لکچر سنو گے یار باقی صحبت باقی ٭

لغت

لہ چھوٹی پیمانے کا سکول یعنی اسکولچہ ۱۲

؎ جس کے لیئے بنایا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سپیچ جناب مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب

جو جناب ممدوح نے مدرسۂ طبیہ دہلی کے دوسرے سالانہ جلسے میں دی

سپیچ

ایک سال ارادہ تھا کہ کوئی شگفتہ سا لکچر دوں گا لیکن ع خوئے بد را بہانہ ہا بسیار۔ جوں ہی لکچر کا قصد کیا کہ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں صاحب کی افسوسناک خوفناک اور بے ہنگام موت۔ میں نے رسم دنیا کے مطابق جنرل اعظم الدین خاں کی موت کو بے ہنگام موت کہا۔ ورنہ کوئی موت بے ہنگام یعنے قبل الوقت یا بعد الوقت ہو ہی نہیں سکتی اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ وقت سے دم زیادہ نہ کم۔ اور اگر کسی موت کو بے ہنگام کہا جا سکتا ہے۔ تو بڑی کثرت سے قبل الوقت کی موتیں وہ ہیں جو شاید طب یونانی نہیں بلکہ یونانی طبیبوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہیں اور جن کی تعداد کے گھٹانے بلکہ ہو سکے تو بالکل روک دینے کے لئے حکیم عبد المجید خاں صاحب نے اس مدرسے کا ڈول ڈالا ہے۔ بے شقی بھی کیا بری چیز ہے۔ دو منٹ بات کرتے نہیں گزرے کہ میں لین سے باہر ہو گیا۔ اور تسلسل سخن کے لئے پھر اعادہ کرنا پڑا کہ میں نے امسال کوئی شگفتہ سا لکچر دینے کا ارادہ کیا۔ یاد آگئی جنرل اعظم الدین خاں کی موت۔ نہیں ہو سکتا کہ مدرسۂ طبیہ کے جلسۂ سالانہ میں لکچر

دوں اور اُسکے بڑے حامی اور مددگار اور سرپرست اور کیا اور کیا کے اندر دِن سال مرنے اور مارے جانے کا ذکر
سنکر دوں اور مذکور کروں تو نہیں ہو سکتا کہ بیان میں شوخی اور شگفتگی کو نباہوں۔ میرے اور جنرل اعظم الدین خاں کے
درمیان کبھی کوئی غرض مشترک نہیں رہی۔ میں نے اُن کو اسی جگہ دیکھا اور وہ دیکھنا ہو الاول و الآخر تھا یعنے
فی عمری[۱] و عمرہ ایک بار۔ تاہم میں اُن کی وفات پر اظہار افسوس کرتا ہوں۔ اولاً بلحاظ ہمدردی انسانی ثانیاً بدعہم
اخوۃ اسلامی ثالثاً بتقاضاے سرپرستی مدرسہ۔ ہم لوگوں نے جنرل صاحب کو اپنی کمیٹی کا پیٹرن[۲] بنانا چاہا جس کو
اُنھوں نے غالباً ہضماً للنفس[۳] منظور نکیا۔ ورنہ آج ہمکو دوسرے پیٹرن کی تلاش ہوتی۔ اور وہ کون ہوتا؟ یہی فقیر
کیونکہ جب کچھ کرنا نہیں اور کرنے کا سلیقہ نہیں اور حوصلہ بھی نہیں تو جیسا پیٹرن ویسا ممبر ویسا سکرٹری ویسا
اوری تھنگ (سب کچھ) ویسا نتھنگ (کچھ نہیں)۔ جو کچھ ریاست رامپور سے ملتا ہے اور میں اپنے مونہ سے
کیوں کہوں کہ کیا ملتا ہے کیونکہ شعر فہمی عالم بالا معلوم ابھی مقدار بتا دوں تو کوئی چودھویں صدی کا سخی کچھ
دیتا بھی تو دیتے دیتے دست کش ہو جائے کہ او ہو ایک جگہ سے اسقدر ماہوار آمدنی ہے اور چاہیئے کیا۔ اس میں
تو نہ صرف مدرسہ چل سکتا ہے بلکہ عبد المجید خاں اور اُنکے خاندان کو مطب کی ضرورت نہیں اسلیئے کہ عبد المجید خاں
سکرٹری ہیں۔ سید ہادی حسین خاں صاحب کو پنشن کی حاجت نہیں کیونکہ سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ بہرکیف ریاست
رامپور سے جو کچھ ملتا ہے عطیہ ریاست ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مجھ کو ٹھیک یاد بھی نہیں کہ کس قدر ملتا ہے۔ یہ میری
معلومات ہے اور میں ممبر ہوں۔ میں نہ صرف مدرسۂ طبیہ کی طرف سے غافل ہوں بلکہ شامت اعمال سے علی گڈہ کالج
کا بھی ٹرسٹی[۴] ہوں اور وہاں بھی میری یہی بلکہ اس سے بدتر کیفیت ہے جس کی پاداش میں سید احمد خاں صاحب
میری جان کو کوستے تو بجا تھا اور اُنھوں نے کوسا ہوتا تو اب تک میں کبھی کا مر گیا ہوتا مگر مرا نہیں اسلیئے کہ اُنھوں
نے کوسا نہیں اسلیئے کہ کسی مسلمان کو کوسنا گو وہ نیچری نہ ہو اُن کی شان سے نہایت بعید ہے۔ غرض ریاست
رامپور سے جو کچھ ملتا ہے عطیہ ریاست ہے مگر من[۵] لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ہم اسکو احسان مندی کے ساتھ
مرحوم جنرل کی مہربانی کی طرف منسوب اور ان کی وفات کا ماتم کرتے ہیں۔ اگر خدا کو مدرسے کا چلانا منظور
ہے تو ہماری تقدیر کا کوئی دوسرا جنرل اعظم الدین خاں بلکہ شاید مارشل[۶] اعظم الدین خاں پیدا ہو جائے گا ؎
نخواہد ایں چمن از سرو و لالہ خالی ماند ✽ یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید ✽ لیکن ہمارے مدرسے کی امداد و اعانت

[۱] اپنی زندگی میں اور اُن کی زندگی میں ۱۲ [۲] سرپرست ۱۲ [۳] بوجہ کسر نفس ۱۲ [۴] امانت دار ۱۲ [۵] جو آدمیوں کا شکر گزار نہو تا وہ خدا کا کب شکر گزار ہوگا ۱۲ [۶] یہ وہ عہدہ ہے جو جنرل سے بھی بڑا ہوتا ہے ۱۲

کے اعتبار سے السابقون الاولون میں تھے **قطعہ** فلو قبل مبکاھا بکیت صبابۃ ✤ لسعدی شفیت النفس قبل التندم ✤ ولکن بکت قبلی فھیج لی البکا ✤ بکاھا فقلت الفضل للمتقدم ✤ غرض اُنکی فضیلت اُن ہی کے ساتھ خاص تھی اور وہ ہماری شکر گزاری کا لائنز شیر لے گئے جسکے وہ مستحق تھے۔ کیا مشکل ہے اُن لوگوں سے بات کرنا جو اتنی انگریزی بھی نہیں جانتے جتنی کہ میں۔ اب تمکو لائنز شیر کے معنے سمجھاتا پھروں۔ لائنز شیر کے معنی ہیں شیر کا شیر یعنے حصہ۔ مبتدی بچوّں کے پڑھنے کی انگریزی کتابیں ریڈر کہلاتی ہیں اُن میں یہ مشہور حکایت چلی آتی ہے کہ ایک بار چار جانوروں نے شکار میں ساجھا کیا۔ چار جانوروں میں دو تو مشہور شکاری ہیں۔ شیر اور بھیڑیا لومڑی اگرچہ شکاری نہیں ہے لیکن چونکہ شکار کی پس خوردہ خوار ہے عجب نہیں اسنے بھی ساجھا کیا ہو۔ چوتھا جانور۔ چوں بار ہے بردہ عزیز ہست ✤ ہرگز شکاری نہیں اور مجھہ کو صاف طور پر اُسکا نام لینے میں تامل ہے کیونکہ حسن ظن بزرگان معلوم۔ اُسکا نام لیتے وقت جس سے آنکھیں چار ہوں گی وُہی بُرا مانے گا کہ مجھہ پر آوازہ کسا لیکن حکایت کو تو پورا کرنا ہے۔ چوتھے شریک کا نام لئے بدون بن نہیں پڑتی۔ سو میں اپنی آنکھیں ڈھانک کر کہتا ہوں کہ وہ چوتھا شریک تھا "گدھا"۔ شرط شرکت یہ تھی کہ چاروں ملکر شکار کریں اور برابر بانٹ لیں۔ کسی جانور کو مارا اور بھیڑیے نے برابر کے چار حصے لگائے۔ سب شرکا نے شیر کو اختیار دیا کہ جو حصہ چاہے لے شیر نے کہا کہ ایک حصہ تو میں اس دعوی سے لیتا ہوں کہ جنگل کا بادشاہ ہوں اور زیادہ نہیں تو جنگل کے محاصل سے ایک ربع خراج مجھہ کو ملنا چاہیئے۔ دوسرا حصہ ازروے عہد و پیمان شرکت میرا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ تیسرا حصہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ اس میں دل اور جگر ہے جو خاص میری غذا ہے۔ رہا چوتھا حصہ تو حصہ ایک اور حقدار تین تو یہ بڑی مشکل تقسیم ہے۔ سب سے زیادہ آسان بات یہ ہے کہ وہ بھی میں ہی لوں۔ غرض شیر چاروں حصے چٹ کر گیا۔ اور تینوں ساجھی مونہہ تکتے کے تکتے رہ گئے۔ تو میں نے جو کہا تھا کہ جنرل اعظم الدین خاں ہماری شکرگزاری کا لائنز شیر لے گئے۔ اشارہ تھا اسی حکایت کی طرف۔ خدا نے دنیا ایسی جگہہ بنائی ہے کہ یہاں ملائم اور ناملائم بھی طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر یہ چرخہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ بازار میں لڑکے ایک غزل گاتے پھرتے ہیں اُسکا مطلع تو پھیپھسا ہے مگر اُسکا مطلب وہی ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں ۵ دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ

---

۵ شاعر فاختہ کو ایک عاشق قرار دیکر کہتا ہے کہ جس طرح وہ عشق سرو میں روتی ہے۔ اگر میں اپنے معشوقہ سعدی کے عشق میں روتا تو میرے دل کو تسلی ہوتی لیکن اب مجھہ کو ندامت ہے کہ وہ مجھہ سے پہلے سے روتی ہے اور اُسکے رونے سے مجھکو بھی تحریک رونے کی ہوتی ہے تو مجھکو اُس کی فضیلت ماننی پڑتی ہے کیونکہ وہ موجد ہے اور میں مقلد ۱۲

ہعلں گے ٭ جلسے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے ٭ اور اسی قبیل سے ہی یہ جلسہ۔ پس اس جلسے کے ہونے کی خوشی ہی تو اسیقدر کہ افتتاح مدرسے پر ایک برس اور گزر گیا۔ لوگوں کے تعلقات مدرسے کے ساتھ مختلف طور کے ہیں جیکا جیسا تعلق ویسے اسکی خوشی۔ ایک تعلق تو تماشائیوں کا ہی کہ حکیم عبد المجید خاں نے بلاوے کا رقعہ بھیجا بعض مفت کرم داشتن کے طور پر۔ بعض حکیم صاحب کی مروت سے اور بعض تفریح کی غرض سے آموجود ہوئے ہو۔ دیکھا کہ چند بھلے آدمی جمع ہیں۔ مکان کی آراستگی۔ مہمانوں کی آؤ بھگت۔ اور محفل کی ترتیب۔ سب باتیں ویسی ہی ہیں بلکہ اُس سے کہیں بہتر جیسے خوشی کے جلسوں میں ہوا کرتی ہیں۔ سوائے اسکے کہ ایک بوڑھا کھڑا لکچر دے رہا ہی۔ نہ ناچتا نہ اُسکو ناچنا آتا۔ نہ گاتا نہ اُسکو گانا آتا۔ نہ بتاتا نہ اُسکو بتانا آتا۔ مگر خدا نے اُسکو گویائی دی ہی جسکے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔ آپ یہ نہ خیال کیجیے گا کہ میں اپنی مدح کرتا ہوں۔ زبان حال کی شائستگی کی رو سے ناچنا۔ گانا۔ بتانا۔ داخل ہنر و آداب تمدن ہے۔ کہتے ہیں کہ رونا اور گانا کس کو نہیں آتا۔ یہاں گانے سے وہ گانا مراد ہے جو اصول کے ساتھ ہو۔ ورنہ یوں تنہائی میں کبھی مزے میں ہوتا ہوں تو میں بھی گنگنا لیا کرتا ہوں۔ غرض جلسے کی پوری خوشی تو اُن لوگوں کا حصہ ہی جو صرف تماشا دیکھنے کے لیئے تشریف لائے ہیں۔ اب رہی ادھوری خوشی اُس میں کئی حصے دار ہیں سب سے اول ہمارے سکرٹری صاحب حکیم عبد المجید خاں فن طب کی خیرخواہی اور ذاتی شوق کے جوش میں آکر مدرسے کا بیڑا تو اُٹھا بیٹھے اب لگیں دقتیں پیش آنے۔ کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ مدرسے کے خبط سے پہلے (حکیم صاحب مجھکو معاف کریں کیونکہ میں خبط کو بُرے معنوں میں استعمال نہیں کرتا بلکہ میری مراد ہی عشق والعشق نوع من الجنون و للجنون انحاء) عبد المجید خاں کیا من حیث الفن اور کیا من حیث التعزز مرجع خلائق تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ظاہر بین لوگوں کی نظر میں اُس میں ذرا سا وہن آگیا ہی کہ چندے کے لیئے کرنال۔ میرٹھ۔ علی گڈھ پٹنہ تک کے دھاوے مارتے ہیں اور ابھی کیا معلوم یہ مدرسہ اُن کو کہاں کہاں کا آب و دانہ کھلائے گا کس کس کی خوشامد کرائے گا۔ اور کس کس سے کیا کیا سنوائے گا۔ میں نے اپنے کانوں ایک شخص کو کہتے سُنا کہ طبابت کی کچھ عزت تو فلاں مرحوم نے آنریری مجسٹریٹی کر کے کھوئی تھی رہی سہی مدرسہ کھول کر عبد المجید خاں نے ڈبوئی۔ اللہ اللہ آدمی آدمی ایک اور خیالات کا اسقدر اختلاف شعر برخیالے صلح شان و جنگ شاں ٭ برخیالے نام شان و ننگ شاں ٭ ایک تو یہ ہیں کہ گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگا لے۔ ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سنبھالنی۔ قوم سے اس کا ڈیوٹی ادا کرلنے یعنے مدرسہ طبیہ کے قائم کرنے کو وہن طبابت خیال کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ سرجان سٹریچی لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی و مغربی نے علیگڈھ کالج

میں لکچر دیا تھا۔ اُس لکچر میں ایک بات یہ بھی تھی کہ دنیا میں فخر کے بہت سے ذریعے ہیں۔ ایک جنرل فتح نمایاں
کرتا ہے اور وہ فتح اُسکے لیئے ذریعۂ فخر ہے۔ کوئی شخص کسی طرح کی کوئی ایجاد مفید کرتا ہے اور وہ ایجاد اُسکے لیئے ذریعۂ
فخر ہے۔ لیکن کوئی فخر بانیٔ کالج کے فخر کو نہیں پاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ عبدالمجید خاں کو اپنی کوشش پر ناز کرنے کے لیئے
سر جان سٹریچی کے اس مقولے سے بڑھکر اَور کسی سند کی بھی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کی کِس کِس بات کو روؤ گے۔ اِنکے تنزل و افلاس کے جہاں اَور اسباب ہیں اُن میں سے ایک بڑا سبب
یہ بھی ہے کہ اصلی اور سچی اور حقیقی عزت کو نہیں جانتے۔ اِنکے نزدیک تمول ہی بڑی عزت ہے گو وہ تمول ہزار بے عزتیوں
سے کیوں نہ حاصل کیا گیا ہو۔ اور گو اُس تمول کی غرض و غایت تن آسانی اور نفس پروری کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اپنی
مالی حیثیت کو ابنا جنس کی نظر میں واقعی اور نفس الامری حیثیت سے بہت زیادہ کر کے دکھانا چاہتا ہے تاکہ
زائد از استحقاق اس کی عزت کی جائے۔ اسکے لیئے وہ قرض لیتا ہے جس سے بڑھکر دنیا میں بے عزتی کی کوئی
بات نہیں فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔ جن کو مفلسی یعنی بے عزتی کی تمہید کہنی چاہیئے
محنت کو جس میں شرعاً اور عقلاً کوئی قباحت نہیں عار سمجھتا۔ جب تک بلا ضرورت ایک خدمتگار اُسکے پیچھے نہو چل
نہیں سکتا۔ گویا وہ بھٹیارے کا ٹٹو ہے اور خدمتگار اُسکا ہانکنے والا۔ باوجودیکہ لنگڑا نہیں لولا نہیں۔ مگر خدا
جانے کیوں پاؤں سے کام لیتے ہوئے شرماتا ہے۔ شاید اسکے نزدیک چلنا اور ناچنا ایک ہی چیز ہے۔ جناب
پیغمبر خدا صلعم جو دنیا اور دین دونوں کی اعلےٰ ترین عزتوں کے جامع تھے اپنی خانہ داری کے سب کام بے تکلف
اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے ہم اُٹھ کر پانی پینے سے بھی جھینپتے ہیں اور اِسکی وجہ کسی طرح کی معذوری و مجبوری
نہیں بلکہ کبر و رعونت۔ جس کی نسبت حدیث شریف میں وعید موجود ہے کہ جس کے دل میں بقدر ایک ذرہ
رعونت ہوگی اُسکو جنت کی ہوا حرام ہے۔ مجھ کو اکثر اتفاق ہوتا ہے کہ کسی دوست کی دوکان پر بیٹھا ہوتا ہوں
اور آم وغیرہ کوئی چیز بکنے آئی۔ اور میں نے بھی خریدی۔ اب اُس پوٹلی کو ہاتھ میں لٹکا کر ترفع اور کبر نفس کی وجہ سے
گھر تک لانا مجھ پر بار ہوتا ہے اور نہیں لا سکتا۔ اور اگر آپ لوگ اپنے اپنے نفوس کا احتساب کیجئے گا تو میں یقین
جانتا ہوں کہ اتنے بڑے شہر میں مَیں اکیلا خر دماغ نہیں ہوں۔ میں جب شروع شروع میں ترک خدمت
کر کے خانہ نشین ہوا تو مدتوں میرا یہ حال رہا کہ بازار میں پیادہ پا نکلنے سے میری طبیعت مضائقہ کرتی تھی۔ اگر بازار
میں مجھ سے کھڑے ہو کر کوئی بات کرتا تو میں اسکو بڑی بدتہذیبی خیال کرتا تھا۔ خدمتگار مجکو اس طرح لازم تھا جیسے
ری کو کہار۔ لیکن میں نے سوچا کہ جس شہر میں مَیں نے مسافرانہ طالب العلمی کی اُس وقت کے جاننے اور دیکھنے

والے ہنوز موجود ہیں۔ صرف اتنی بات سے کہ میں نے اتفاق سے بڑی بڑی نوکریاں کیں یا چار پیسے پلے ہوگئے۔ میرا اسقدر اترانا دلیل کم ظرفی ہی۔ چنانچہ میں نے اُس عونت کو کم کیا بجا ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو سواری بھی دی ہے نوکر بھی دیتے ہیں اور میں اکیلا پیا وہ پا جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔ مگر نفس میں ابھی اتنی خباثت باقی ہی کہ کوئی چیز لے چلتے ہوئے شرماتا ہوں۔ عزت کی بحث تو پیغمبر خدا صلعم کے سامنے بھی پیش آچکی ہی۔ کعب بن اشرف اور اُبی بن سلول وغیرہ چند منافق بڑے مالدار تھے جو تمول کی وجہ سے مسلمانوں کے گروہ کو حقیر سمجھتے۔ شاید جنگ اُحد کا مذکور ہی (بھئی کوئی مولوی ہو اور میں غلطی کرتا ہوں تو اصلاح کر دینا) کہ مسلمانوں اور اُن منافقوں میں کچھ تکرار ہو پڑی اور مجھکو اس وقت ٹھیک یاد نہیں کس نے۔ مگر اُبی یا کعب ان ہی میں سے کسی نے کہا تھا۔ ولئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل ذرا مدینے لوٹنے دو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو مدینے سے نکال دے تو سہی۔ اس منافق نے اپنے تئیں اعز کہا اور اذل سے جناب رسول خدا صلعم کی طرف اشارہ کیا۔ تو خدا منافق کا جواب دیتا ہی وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لا یعلمون عزت تو خدا کی ہی اور اسکے رسول کی اور مومنین کی لیکن منافق اس بات کو کیا جانیں۔ وہ تو مال حرام کے جمع کر لینے ہی کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔

اگر مسلمان اصلی عزت کو سمجھیں اور سادہ و بے تکلف اور چست و چالاک و دیندارانہ زندگی بسر کریں تو وہ بہت سی فضولیوں سے بچ سکیں گے جو ایک یقینی طریقہ تمول کے بڑھانے کا ہی اور جب اُن کا تمول زیادہ ہوگا تو ممکن ہی کہ خدا اُن کو مصارف خیر کی بھی توفیق دے۔ جن میں ایک بہتر سے بہتر ایک عمدہ سے عمدہ ایک ضروری سے ضروری عبد المجید خاں کا مدرسہ بھی ہی۔ حکیم عبد المجید خاں نے جس کام کا ارادہ کیا ہی۔ وہ سلطنتوں کے بس کا بھی نہیں پھر کس کے بس کا ہی؟ قوم کے۔ اور ہماری قوم ہی کہ اُسکے کان ایسی باتوں سے آشنا نہیں۔ ہم کردنی اور ناکردنی میں فرق نہیں کرتے۔ جیسا خدا تعالیٰ نے فرمایا ہی فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور قوم کی مت کچھ ایسی ماری گئی ہی کہ آنکھوں کے آگے شواہد موجود ہیں اور نہیں دیکھتے۔ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پٹ رہا ہے اور نہیں سنتے غرض پورے مصداق ہیں اس آیت کے لھم[۲] قلوب لا یفقہون بہا لھم

---

[۱] یعنی کوشش و محنت سے ۱۲

[۲] اُن کے دل ہیں جو سمجھنے کا کام نہیں دیتے اور اُن کی آنکھیں ہیں جو دیکھنے کا کام نہیں دیتیں۔ اور اُن کے کان ہیں جو سننے کا کام نہیں دیتے یہ لوگ ایسے ہیں جیسے جانور بلکہ اُن سے بھی بدتر گمراہ۔ یہی لوگ غافل ہیں ۱۲

اعین لا یبصرون بہا و لھم اٰذان لا یسمعون بہا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغافلون - قوم کو اپنی
مجموعی قوت مجموعی طاقت مجموعی استطاعت تک کی خبر نہیں - اس واسطے کہ مجموعیت ہی باقی نہیں - قوم نہیں
جانتی کہ وہی سب کچھ اور اسی میں سب کچھ ہے - پنج ل خدا اور خدا ل پنج۔ **قطعہ** دوست نزدیک تر از من بمن است
وین عجب تر کہ من از وے دورم ٭ چکنم باکہ تواں گفت کہ او ٭ درکنار من و من مہجورم ٭ دلوں میں یہ بات
بیٹھتی ہی نہیں کہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں ہی مگر کرنے والوں کو - نہ ہم جیسے کاہلوں
اور خود غرضوں کو کہ جس کو دیکھو اپنی ہی ہنڈیا کی خیر منا رہا ہی - فکر ہر کس بقدر ہمت اوست - اُسکے نزدیک
دنیا عبارت ہی اُسی کی ذاتِ خاص اور اُس کے معدودے چند لواحق سے وہ اس تعلق ہی سے آگاہ نہیں
جو خدا تعالی نے افرادِ قوم میں رکھا ہی کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا عین اپنے تئیں فائدہ پہنچانا ہے - کتنے ہیں
جنہوں نے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت کو صمیم قلب سے تسلیم کیا - مونھ سے کہنے کو سب اور واقع میں میرے نزدیک
ہزار میں ایک نہیں آدھا نہیں - تہائی نہیں - چوتھائی نہیں - کسور عام نہیں - اعشاری نہیں - اگر کسور
عام اور اعشاری کا فرق معلوم ہی تو خیر ورنہ ایک شخص کا نشان دیتا ہوں - جن سے بہتر ہمارے شہر میں
اس مسئلہ کو کوئی نہیں جانتا - وہ میرے اُس زمانے کے دوست ہیں جیسا سعدی نے کہا ہے "در ایام
جوانی چناں کہ افتد و دانی" - وہ کون ہیں شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب - خیر تو مطلب
یہ ہی کہ سرے سے مدرسۂ طبیہ کی ضرورت ہی تسلیم نہیں - جلسوں میں شریک ہو جانے اور ممبروں کی فہرست
میں نام لکھوا لینے کا بندہ قائل نہیں - قومی خیالات کو ہم سے بہتر کوئی کیا سمجھے گا - مدرسے کے بارے میں عام
خیالات تو یہ ہیں کہ عبد المجید خاں نے اپنی ناموری کے لیئے سارا منصوبہ سوچا ہے - بعض بعض بدنفس یہ
بھی کہتے ہیں کہ اس حیلے سے لوگوں کو لوٹنا مقصود ہے کیا عبد المجید خاں نہیں جانتے کہ یہ اور اس سے بھی
بُری بُری بدگمانیاں اس شہر میں اُن کی نسبت ہو رہی ہیں اور بڑی شناخت ان خیالات کی یہ ہی کہ اسوقت
تک کوئی متنفس کمر باندھکر اُن کی امداد کے لیئے کھڑا نہیں ہوا - جس نے جو کچھ کیا وہ متفرع ہی عبد المجید خاں
کی وجاہت پر اور بس - عبد المجید خاں کے بھائیوں کے علاوہ [۱] کار برادر زبرادر نکوست ٭ بہ ز برادر
نتواں یافت دوست ٭ - شہر کا کوئی طبیب ان کے ساتھ ہی؟ نہیں - ایک پیسہ چندے کا ایسا آیا - الا ماشاء اللہ
جس میں عبد المجید خاں کی ذاتی انفلوئنس [۲] کو دخل نہو؟ نہیں - اس کام کی اہمیت [۳] کی نظر سے جو سرگرمی پیدا ہو

---

[۱] خلوص دل ۱۲ [۲] اقتدار ۱۲ [۳] ضرورۃ ۱۲

میں ہونی چاہیئے اُس کا عشر عشیر بھی وقوع میں آیا ؟ نہیں - تو ایسی روداد پر عبدالمجید خاں کو کیا خوشی ہو سکتی ہے
اور اسی وجہ سے میں نے اُن کو باوجودیکہ مدرسے کی ہمہ اوست اور ہمہ از دوست ہیں ادھوری خوشی کرنے والوں میں گنا

طالب العلموں میں جنہوں نے انعام پائے بلکہ جنہوں نے نری شاباش پائی وہ بھی اس جلسے کی خوشی
کرنے والوں میں سے ہیں - لیکن اے طالب العلمو ! تم کو سمجھنا چاہیئے کہ اگر تم مدرسے سے سند فراغ لیکر نکلے بھی
اور خدا کرے کہ کہیں جلد نکلو (کیا تم ڈرے کہ میں تمکو بددعا دیتا ہوں ؟ نہیں نہیں حاشا وکلا - نکلو اور کامیابی کے
ساتھ نکلو) تاہم اس سے زیادہ سخت مرحلہ تمکو اور پیش آنے والا ہے - وہ کیا اُن لوگوں کے دلوں میں اعتماد اور اعتبار
پیدا کرنا جن کو تم یہاں سے نکلکر اپنی معلومات طبیہ کا تختۂ مشق بناؤ گے - سو وہ اعتماد اور اعتبار اس سے تو
نہیں پیدا ہوگا کہ تم اپنے تئیں سمجھو کہ ہم منزل علم طے کر چکے ہیں اور ہمکو صرف عمل کرنا باقی ہے - میں کہتا ہوں او
میری اس نصیحت کو یاد رکھنا یہ نصیحت کسی طبیب کی نہیں ہے - مگر ایک زمانہ دیدہ تجربہ کار کی ہے اور تم نے سُنا
ہوگا پیش طبیب مرو پیش تجربہ کار برو - کہ تمہاری طالب العلمی اُس وقت سے شروع ہوگی جب تم مستقل مطب لیکر بیٹھوگے
اُس وقت تک تم میں اور واقعی طبیب میں ایسا فرق رہیگا - جیسا ایک شاطر اور جنرل میں - شاطر کے پاس بادشاہ اور
وزیر اور اسپ و فیل اور پیادے سب فرضی لشکر ہے - اور جنرل کے پاس سچ مچ کے سپاہی - تم خیال کر سکتے ہو کہ شاطر
کی ہار جیت کو جنرل کی ہار جیت سے کیا مناسبت ہے یوں سمجھو کہ اب تمہارے سامنے ایک کتابی بیمار ہے مفروض
جس کا تم علاج کر رہے ہو اور مطب میں تمکو ایک واقعی بیمار سے کام پڑے گا - جس کی تکلیف تم سے دیکھی نہیں جائیگی
بیمار اور بیماردار تم کو چین لینے نہیں دینگے - وہ وقت ہوگا اصلی غور کرنے اور طبیعت پر بوجھ دینے اور معلومات
مدرسہ سے مدد لینے کا - تم سمجھ سکتے ہو کہ جس زمانے میں یونانی طب کی تدوین ہوئی تھی تب سے اب تک کیسے کیسے
انقلاب واقع ہوئے ہیں آب و ہوا میں - لوگوں کی غذا میں طرز و عادات میں - دواؤں کی تاثیرات میں نباتات
میں حیوانات میں - ہر چیز کے مزاج میں - انقلابات کے علاوہ ہزاروں نئی دوائیں قرابادین میں بڑھ گئی ہیں تشریح
کی تحقیقات نے بے مبالغہ بال کی کھال نکالکر رکھ دی اور کیمیا نے اس قدر ترقی کی ہے کہ اُسکے فائدوں کے آگے کیمیائے
متعارف بے قدر محض ہوگئی ہے - وہ وہ آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اُنکے ذریعے سے جو تصرف چاہیں کر سکتے ہیں آراد
کے مطیع خیالات کے مطابق ۱۲ تابعدار ہے تم کو طبابت کرنی پڑے گی ان اختلافات اور انقلابات کے لحاظ سے اور وہ
کچھ آسان کام نہیں - اگر تم سلیقے سے طبابت کروگے اور تحقیقات اور تجربات کا سلسلہ جاری رکھوگے اور نتیجہ
تحقیقات کو اپنے ساتھ قبر میں نہیں لیجانا چاہوگے تو تم طب کو اس قابل کر دوگے کہ وہ کچھ دن سنبھلی رہے اور ترقی

ہیں یہی اصول ہی۔ اس مدرسے کے قائم کرنے کا اور اگر تم وہی پرانی لکیر پیٹتے رہے تو سمجھا جائیگا کہ نہ تو مدرسے
کی تعلیم سے مستفید ہوئے اور نہ تم نے مدرسے کا حق ادا کیا۔ از برائے خدا زمانے کا رنگ دیکھو کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا ہی
اور کیا ہوتا چلا جاتا ہی۔ تم نے وہ فن اختیار کیا ہی جو پہلے نہایت مشکل تھا اور اب تمہارے لیے اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے
طب حضیض ظنیت سے اوج یقینیت کی طرف ترقی کرتی چلی جا رہی ہی۔ اب اپنے مونھ میاں مٹھو کہنے سے کام نہیں چلیگا
والذی نفسی بیدہٖ نہیں چلیگا۔ ہمارے سارے دنیاوی علوم و فنون اور حرفت و صنعت انگریزی تفتیش و تلاش
کے مقابلے میں ع ہیچ بیش آفتاب تموز ہو گئے۔ کوئی کام باریک سے باریک اور موٹے سے موٹا اور نازک سے
نازک اور بھدے سے بھدا اور مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان اہل یورپ کا دیسی کام سے ملا کر دیکھو دونوں میں
فرق پاؤگے۔ رکاب دار اور بھٹیاری کا کلاونت اور عطائی کا حکیم عبد المجید خاں کے نسخے اور میرے نسخے کا ذکر خدا
نکرے کہ میں اُن کی طرح کسی بندۂ خدا کی جان پر ہاتھ ڈالوں) طب کا پڑھ لینا آسان ہی۔ لیکن طب انگریزی کے مقابلے
میں سنبھالنا اسکو رونق دینا لوگوں کے دلوں سے اسکے اعتبار کو گھٹنے نہ دینا جب کر کے دکھاؤگے تو حقیقت کھلیگی
میرا دل جو لونی کی دیوار کی طرح بیٹھا چلا جاتا ہی اُس کا سبب یہی ہی کہ صرف تمہارے کرنے کا کام نہیں۔ تم کرنے پر
آمادہ اور قوم مدد دینے پر طیار ہو تب کہیں جا کر کوئی صورت نکلے تو نکلے۔ تو صاحبان نہ نو من تیل ہوگا
نہ رادھا ناچے گی۔ میں نے اس جلسے کی پوری ادھوری خوشی کرنے والوں کو گنوایا تو میں اپنے تئیں کیوں
خارج رکھوں۔ میں اسکی ضرور قدر کرتا ہوں اور اسی قدر خوش بھی ہوں کہ یہی طب یونانی کی تعلیم جو محض بے
قاعدے اور بے سلسلے تھی اور اب بھی جا بجا ہی اس مدرسے کے جاری ہونے سے باقاعدہ اور منتظم طور پر ہونے
لگی ہے جس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص دعوئے طبابت نہ کر سکیگا صرف اس بنیاد پر کہ وہ طبیب زادہ ہی
اس نے اپنے طور پر کتابیں پڑھی ہیں وہ کسی کے مطب میں نسخہ نویسی کرتا رہا ہے یا اس نے عطاری کی ہی
یا اس کو فقیروں سے مجرب نسخے پہونچے ہیں یا کسی طبیب کی بیاض اسکے ہاتھ آ گئی ہی۔ درس کو باقاعدہ
اور منتظم کر دینا یہ بھی طب یونانی کی تاریخ میں پہلی بات اور حکیم عبد المجید خاں کی ایجاد ہی جسکے لیئے وہ ہمارے
اعلے درجے کی مدح اور شکر گزاری اور ملکی امداد کے مستحق ہیں حکیم صاحب نے جو پرانے فیشن کا سکول جاری
کر دیا ہے (اور پرانے فیشن کے سکول کے سوا میں اسکو کچھ اور کہہ بھی نہیں سکتا) اس سے یہ خیال کرنا
غلطی ہی کہ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے اگر کالج کے قدر چندہ جمع کرنے کا انتظار کرتے تو جس قدر چندہ اب فراہم ہوا
ہی اتنا بھی نہ ہوتا۔ پس یہ واقعی سکول خیالی کالج کے حق میں چڑیمار کے ملا کا کام دے رہا ہے لیکن میرے

کانوں میں گونج رہی ہیں وہ لفظ جو عبدالمجید خاں نے مدرسے کے جاری کرتے وقت علی رؤس الاشہاد
من جمہور العباد کہے تھے کہ یہاں دواسازی اور تشریح بھی سکھائی جائے گی اور یونانی اور انگریزی اور ویدک
طبابتوں سے بقاعدہ خذ ماصفا ع متاع نیک ہر دکاں کہ باشد اختیار کرلی جائے گی۔ سو ابھی تک ان چیزوں
کا کہیں پتا نہیں۔ مجھ کو ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہنوز دلّی دور خیالی کالج کو واقعی کر دکھانے کے لیئے عمریں
چاہئیں۔ ابھی تک دواسازی کی جگہ زمانہ سازی ہو رہی ہے کیا کریں زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ بساز۔ مردہ دل
تو دکھائی بھی دیتے ہیں۔ لیکن تشریح کے لیئے کوئی مردہ نظر نہیں آتا۔ خدا جانے کن وقتوں کی ہڈیوں کا ایک
ڈھانچ رکھا ہے اگر سامنے لایا جائے تو سب سے پہلا شخص جس کی مارے ڈر کے گھگی بندھ جائے میں ہوں۔ غدر کے
دنوں میں فصیل قلعہ پر توپیں چڑھائی گئیں تو شاہزادے سب جمع ہو کر حضور میں گئے اور عرض کیا اگر توپیں چھوڑی
جائیں گی تو خانہ زاد دہل کر مر جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے ممانعت کر دی۔ یہ اُن لوگوں کی بہادری تھی جنہوں نے انگریزوں کے
مقابلے میں علم بغاوت بلند کیا تھا تو اگر ڈھانچ دیکھکر میری گھگی بندھ جائے تو آپ نہیں تعجب کیا ہے۔ لیکن اس سے مجھ کو
ڈرپوک مت سمجھ لینا۔ میں اس زمانے کے بہادروں میں نہیں تو بزدلوں میں بھی نہیں۔ بہادری کا سٹینڈرڈ ہی
گھٹ گیا ہو تو اسمیں کیا کروں۔ بہادری ایک صفت اکتسابی ہے۔ آدمی خطرات میں ہی اُسکو حملہ اور مدافعت کی ضرورت
واقع ہو بہادر ہو سکتا ہے۔ ہم کیا خاک بہادر ہونگے۔ امن میں پیدا ہوئے۔ امن میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور انشاءاللہ
امن میں رہیں گے ساری عمر کبھی بندوق نہیں چھوڑی تلوار نہیں چلائی۔ حربہ کہو ہتھیار کہو۔ لے دے کر
ایک قلم۔ سو بھی نوکری تک کام دیتا تھا۔ اب تو ہفتوں اسکے ہاتھ میں لینے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ نبرد آزمائی کو
پوچھیئے تو یہی آپس کی تو تو میں میں۔ اس سے بڑھکر کسی کو دعوی ہو تو سامنے آئے اور اپنے کارنامے سنائے

تشریح تو جب ہوگی تب ہوگی۔ عبدالمجید خاں اتنا تو کریں کہ ڈھانچ کو نکلوا کر باہر تو رکھ دیں تا کہ بیچارے
مدرسوں اور طالب علموں کی وحشت دور ہو۔ عبدالمجید خاں صاحب! میں نے بہت سی باتیں ناامیدی کی
کہی ہیں جو شاید آپ کی دل شکنی کا باعث ہوئی ہوں گی اگرچہ امید نہیں کہ آپ دل کے ایسے بودے ہوں اور
دل کے ایسے بودے ہوتے تو مڈیکل کالج کے قائم کرنے کا خیال ہی نہیں آسکتا تھا۔ یہ خیال ہی آپکے قوی دل
ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن میں آپ کو اخیر میں ایک خوشخبری دینی چاہتا ہوں۔ چندے کی نہیں۔ بندے کے
پاس ایسی خوشخبری کہاں۔ مگر ایک خوشخبری اور ہے۔ کہ اب سے آٹھ نو برس پہلے کا مذکور ہے میں اُن دنوں
حیدرآباد میں تھا۔ اور آنریبل جسٹس سید محمود بھی وہیں تھے۔ میں نہیں جانتا کہ سید احمد خاں کیا بیمار پڑے

گر علالت ایسی تھی کہ ان کے فرزند حقیقی سید محمود اور اُنکے فرزندان معنوی جن کو لوگ نیچری کہتے ہیں سخت
پریشان ہوئے۔ سید محمود نے باپ پاس جانے کا قصد کیا۔ اصلی حال دریافت کرنے کے لیئے ڈاکٹر کو
جو اُن کا معالج تھا خط لکھا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا کہ گُردوں کا عمل ضعیف ہو گیا ہے۔ مگر میں تم کو پورا اطمینان
دلاتا ہوں کہ تمہارا باپ مرنے والا نہیں۔ کیونکہ اُسکی جان کالج میں لٹکی ہوئی ہے۔ جس میں ابھی بہت کچھ کرنے
کو باقی ہے۔ عبد المجید خاں صاحب! آپ کو بھی اپنے کالج کی دُھن ویسی ہی ہے۔ جیسی سید احمد خاں کو اپنے
کالج کی تھی اور ہے۔ اور جب ویسی دُھن کے کالج ہوتا ہوا تا نہیں تو آپ کو اپنی عمر کا بڑھا لینا مبارک
اور آپ کو اپنے مدرسہ طبیہ کی کونسی سالگرہ بھی مبارک۔ میں لیکچر دینے سے کچھ ملول نہیں ہوتا نہ لیکچر دینا
میرے لیئے کچھ ایسی بڑی زحمت کی بات ہے زحمت کی بات تو اُس صورت میں ہے کہ میں سوچوں بناؤں لکھوں
سناؤں اور میں آتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے کہہ گزرتا ہوں۔ اسکی پروا نہیں کرتا کہ لوگ میرے
لیکچر کی طرف کیا خیال رکھتے ہیں کیوں کہ لیکچر دینا میرا پیشہ نہیں۔ لیکچر سے مجھ کو کوئی کمائی مقصود نہیں۔ قوت
بیانیہ سے کمانا مقصود ہو تو وعظ کہوں۔ تفسیر لکھوں۔ رہی شہرت اسکی مجھ کو ضرورت نہیں اور خواہش
بھی نہیں۔ یہ میری رائے ضرور ہے کہ مدرسہ طبیہ کے لیئے کوئی پروفشنل[1] لیکچرار ہونا چاہیے جو مدرسے کی کارروائی
اور طریقہ درس اور امتحان میں نکتہ چینی کر سکے۔ میں صرف چکنی چپڑی باتیں بنانی جانتا ہوں وہ بھی عام
طور کی۔ میں نے بار بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ مجھ کو فنِ طب سے مَس نہیں اور مناسبت بھی نہیں اور
اسکی شاہد ہے اس عمر میں میری تندرستی۔ اگر میں طب کو کسی طرح چھو بھی گیا ہوتا تو روگی ہوتا۔ اگر خارج سے
کوئی پروفشنل لیکچرار بہم نہیں پہونچتا تو کیوں نہیں مدرسے کے معلمین یا متعلمین میں سے کسی کو لیکچر دینے
کے لیئے طیار کیا جاتا۔ مجھ میں خیالات کی کمی ہے۔ اور اُس میں شاید گویائی کی۔ سو بھی بالفعل۔ وہ اپنی کمی کو
تھوڑی مشق سے پورا کر سکے گا۔ میں بوڑھا طوطا کوئی نئی بات نہیں سیکھ سکتا۔ کبھی کبھی کچھ صلاحیں سوجھتی
ہیں تو میں پروفشنل میں نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو پیش کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ مثلاً امتحان کا جو طریقہ
تحریری و تقریری جاری ہے مجھ کو اُسپر معترض ہونے کا کوئی منصب نہیں۔ جب مولوی لطف اللہ
صاحب نے جنرل اعظم الدین خاں کی موجودگی میں امتحان لیا میں اُس جلسے میں حاضر تھا۔ لیکن میں نے دم نہ
مارا تاہم دل میں کہتا تھا۔ کہ ممتحن صاحب عالم سہی محقق سہی فرید العصر سہی وحید الدہر سہی۔ لیکن مولویت

[1] یعنے جو واقف فن ہو ۱۲

کو طبابت سے کیا مناسبت۔ سائیسی علم دریاؤ۔ میں سنے دیکھا کہ جس طالب العلم نے کتاب کی عبارت بمراعات قواعد صرف و نحو درست پڑھی معنی ٹھیک کیے مطلب سمجھا دیا ممتحن صاحب نے اُس کی تحسین کی یعنی وہ امتحان میں پاس ہوا۔ کیا چوک ہوتی کہ اُس وقت دو چار سطریں میں بھی پڑھ کر سنا دیتا۔ سند طبابت ملجاتی۔ مگر وہ سند کنکوا بنائے جانے کے سوا اور کس کام کی تھی۔ امتحان کی نسبت میں خیال کرتا ہوں کہ شاید یہ بہتر ہوگا کہ ہر ایک طالب العلم کو اُس کی معلومات اور لیاقت کے مطابق ایک بیمار علاج کو دیا جاتے اور اُسکے علاج کی نگرانی کی جائے۔ لیکن اگر اس طور پر امتحان لینے کی رلے قرار پائے اور خدا نخواستہ میں بیمار ہوں تو جب تک دوسرا لکچرار نہ تجویز کرلو مجھہ کو ان اناڑی نیم حکیموں کے حوالے نہ بیٹھنا۔ اور ہاں دوسرے لکچرار کے تجویز کرنے میں اتنا ضرور خیال رکھنا کہ مولوی حشمت اللہ کی سی بلا کی آمد نہ رکھتا ہو کہ سنتے سنتے کان بھی بہرے ہو جائیں ؛

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکچر جناب مولنا و بالفضل اولنا جناب مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب

متعلق اجلاس ششم

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

منعقدہ ۲۷-و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء بمقام علیگڈھ

لکچرار نے کھڑے ہوتے ہی عربی کا یہ شعر پڑھا۔

ایا اہل النہی لا تنکرونی متی اضع العمامۃ تعرفونی[1]

اور سردی کی وجہ سے جو گلوبند لپیٹ رکھا تھا کھول کر کہنا شروع کیا کہ۔

امسال کانفرنس کا کچھ اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ میں اسکو داہنی آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف محمڈنزم یعنی نمونۂ اسلام دکھائی دیتا ہے اور بائیں آنکھ سے دیکھتا ہوں تو منی ایچر آف ہندو آزم یعنی نمونۂ مذہب ہنود سوجھ پڑتا ہی۔ اور منی ایچر آف محمڈنزم ہی اسلیئے کہ ممبروں کی اکثر کرسیاں خالی ہیں۔ جیسے مسلمانوں کی مسجدیں۔ اور وہ منی ایچر آف ہندو آزم ہی اسواسطے کہ اتنے بندے نہیں جتنے خدا ہیں یعنی اتنے سننے والے نہیں جتنے اسپیکرز (گفتگو کرنے والے) ہیں۔

میں لکچر سے پہلے تبرکاً اپنی نظم پڑھ لیا کرتا ہوں اگرچہ وہ نظم بودی پھسپھسی اور نامربوط سی ہوتی ہے

[1] اصحاب خرد مجھ کو اجنبی مت سمجھو جب میں عمامہ اتار دوں گا تو مجھے پہچان لوگے ۱۲

اسواسطے کہ میں کچھ شاعر تو ہوں نہیں مگر نظم سے طبیعت میں جولانی اور گویائی میں روانی آجاتی ہی۔ علاوہ بریں جسطرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بیئے منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھ سے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے اسی طرح نظم پڑھنے سے میں منادی کرتا ہوں کہ میرے بعد مولوی **الطاف حسین حالی** اپنی نظم پڑہیں گے اور میں اپنی پندار میں انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہوں ع وبضدھا تتبین الاشیاء

وہ نظم یہ ہے *

مجمع تعلیم کا گو یہ چھٹا اجلاس ہے ٭ ہم مسلماں اور وہی نکبت وہی فلاس ہے

منزل مقصود تک اپنی رسائی ہو چکی ٭ یاں تو پہلے ہی قدم پر پانوں میں آماس ہے

لالہ بھائی کوئی ڈپٹی ہوں کوئی صدر الصدور ٭ اُن کو کیا جن کے مقدر میں لکھی چپراس ہے

امتحانوں میں ہیں انگریزی کے جتنے کامیاب ٭ یا کوئی پرشاد ہے یا چند ہی یا داس ہے

شاذ اگر کوئی مسلماں ہی تو اسکا کیا حساب ٭ جوں ہمالہ میں کہیں اک ریزۂ الماس ہے

کیا چمن کا حکم رکھے گا وہ میدان فراخ ٭ جس میں اک غنچہ ہے باقی گھاس کتا گھاس ہے

گر کسی کو ہو مسلمانوں سے امید فلاح ٭ ہم تپاک سے کہتے ہیں ہمکو تو کُلی یاس ہے

جب تلک مذہب ہی ہر اک بات میں انکے خیل ٭ جب تلک اسلام یہ ہی جو کہ عند الناس ہے

جب تلک ان پر مسلط ہی بلائے رسم و راہ ٭ جب تلک ان پر مسلّط وہم اور وسواس ہے

جب تلک ہی حاکمان وقت سے انکو گریز ٭ گویا یہ ہندو ہیں انگریزی گئو کا ماس ہے

جب تلک اسلاف پر ہی ان کو اپنے فخر و ناز ٭ جب تلک ان کے دماغوں میں بطر اور غلس ہے

جب تلک نفسی و نفسی ہی ہر اک کا شعار ٭ جب تلک ہر اک کو اپنی ہی غرض کا پاس ہے

زید کو پروا سے درد و محنت خالد نہیں ٭ اور نہ خالد کو کسی کے رنج کا احساس ہے

جب تلک یہ لوگ ہیں جف القلم[2] کے معتقد ٭ یعنی جو ہونا ہے سب مکتوب فی القرطاس ہے

جب تلک ہیں بزرگوں کی لکیروں کے فقیر ٭ اُن کا فرمانا علی العینین فوق الراس ہے

ختم ان پر ہو گئے جتنے تھے سب فضل و کمال ٭ اُن کے آگے بولنا ہذیان ہے بکواس ہے

اُن سے بڑھکر کیا کوئی سمجھے گا کس کو اتنی عقل ٭ وہ جو کہہ گزرے وہی اصل اور وہی مقیاس ہے

سلہ چیزوں کا حال مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲ سلہ اشارہ ہے جف القلم بما ہو کائن کی طرف یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اُسے قلم تقدیر لکھ چکا ہے ۱۲

جب تلک لوگوں کے ہیں اغراض ایسے مختلف　　یہ اگر پنجاب ہی تو دوسرا مدراس ہے
نام کو ایک قوم ہیں جس سے کہ یہ مفہوم ہو　　ایک گروہ صاحب قوت شدید الباس ہے
ایک معبود ایک پیغمبر ہی اور اک ہی قرآن　　سورۂ الحمد سے تا سورۂ الناس ہے
پر نگاہِ غور سے دیکھو تو کل افراد میں　　وحشت و نفرت بجائے حب و استیناس ہے
بھائیوں کا گوشت تھوڑا ہی کہ اسکو بھوک ہی　　خون کا لوگوں میں تھوڑا ہی کہ اسکو پیاس ہے
جب تلک القصہ یہ حالت مسلمانوں کی ہے　　بس خدا ہی سے ہی انکی آس گر کچھ آس ہے
کارسازی کو تری اسباب کی حاجت نہیں　　وہ جو ہم سے دور ہی قدرت سے تیرے پاس ہے
ہم ہی ہیں اور وہی حالت وہی لیل و نہار　　آش ویسی ہی وہی اگلا پڑا ناکاس ہے
وہ جو بیماری تھی اب بھی ہی ذرا خفت نہیں　　یہ مریضِ جاں بلب مہمان چند انفاس ہے
ہاں مگر بچ جائے تیرے فضل سے تو کیا عجب　　یہ دوا ایسے مریضوں کو سدا سے راس ہے

جو مسلمان قومی تعلیم میں انٹرسٹ[1] لیتے ہیں جیسا لینے کا حق ہی اگرچہ اتنے کم ہیں کہ انگلیوں پر نہیں تو انگلیوں
کے پوروں پر گنے جا سکتے ہیں۔ آج کل اُن میں اس بے مانند کامیابی کا بہت چرچا ہی۔ جو سر سید کو حیدرآباد
ٹرپ[2] میں حاصل ہوئی۔ قبل اسکے کہ آگے بڑھوں میں جتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ چند الفاظ جو میرے مونہ سے نکلے
ہیں نمونہ ہیں اس طرز گفتگو کا جسے میں نے اپنے آڈینس[3] کو خطاب کرنے کے لیئے جیسا میرے سامنے اور گرد اگرد موجود ہے
اختیار کیا ہی۔ کیا مجھکو اردو میں ادائے مطلب کر نہیں آتا۔ یا خدا نخواستہ میں انگریزوں کی ولایت جا کر ایسا
مبہوت ہو آیا ہوں کہ مجھکو اپنی ملکی زبان بھول گئی یا مجھکو انگریزیت نے چھر لیا ہی۔ حاشا ان میں سے کوئی بات
نہیں۔ بلکہ میں نے اس طرز کو عمداً و ارادةً اس وجہ سے اختیار کیا ہی کہ آڈینس میں انگریزی دان یا انگریزی وضع
کے لوگ بکثرت ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ انکے کانوں کو انگریزی الفاظ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ سمجھیں یا
نہ سمجھیں۔ کہیں یا نہ کہیں۔ یہ طرز میرے لیئے جدید نہیں بلکہ میں نے پہلے بھی اسی طرز میں لکچر دیئے ہیں اور
میں نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض لوگ اس طرز پر ہنستے ہیں ع برین عقل و دانش بباید گریست۔ جن جناب
کی روایت مجھ تک پہنچی ہی۔ اُن کا طرز زندگی تو اس طرح کا ہے کہ اگر وہ خود موجود نہ ہوں تو کسی طرح گھر اور گھر کے
فرنیچر[4] سے ظاہر نہ ہو کہ اُس میں کوئی نیٹو[5] بھلا آدمی رہتا ہے۔ میں نے جو اپنے لکچر پر ان کا اعتراض سنا تب نے خفا

[1] دلچسپی ظاہر کرتے ہیں ۱۲ [2] حیدرآباد کے سفر مختصر ۱۲ [3] حاضرین ۱۲ [4] اسباب خانہ داری ۱۲ [5] ہندوستانی ۱۲

مجھ کو کسی کا عربی شعر یاد آیا ؎

فانی[۱] اری فی عینک الجذع معرضا — وتعجب[۲] ان ابصرت فی عینی القذی

بات یہ ہی کہ میری زبان اردو ہے اور میں اردو ہی بولتا ہوں مگر اس میں یا تو عربی الفاظ ہوتے ہیں اس واسطے کہ میں مسلمان ہوں اور چاہتا ہوں کہ سب میری طرح کے مسلمان ہوں اور کم سے کم اتنی عربی جانیں جتنی مجھکو آتی ہے۔ اور یا میرے بولنے میں انگریزی الفاظ ہوتے ہیں اسلیئے کہ گو سرکار انگریزی کا نمکخوار نہیں کسی خصوصیت کا امیدوار نہیں تقرب حکام کا خواستگار نہیں ؎

نہ بر اشترے سوارم نہ چو اشتر زیر بارم — نے خواجۂ رعیت نہ غلام شہر یارم

مگر ہے کیا کہ امپرس وکٹوریہ کا رضامند۔ خوشدل اور شکر گزار رعیت ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ سب مسلمان میری طرح کی رعیت ہوں اور کم سے کم اتنی انگریزی جانیں جتنی مجھکو آتی ہی۔ یوں تو میری انگریزی لغت ہیچ پر ہیچ کچھ بھی نہیں اور کچھ ہوتی تو کہاں سے ہوتی۔ جن دنوں طالب علمی[۳] کا اتفاق ہوا۔ آج کل کا سا زمانہ نہ تھا کہ در و دیوار سے انگریزی کی تاکید ہے زمین و آسمان سے انگریزی کا تقاضا ہی دنیا نے جان کھا رکھی ہی کہ میری طلب ہے تو انگریزی پڑھو دین آنکھیں دکھا رہا ہے کہ مجھکو سنبھالنا چاہتے ہو تو انگریزی پڑھو۔ وہ تو ایسے وقت تھی کہ خود سید احمد خاں سے بھی پوچھا جاتا تو انگریزی پڑھنے کو کفر نہ بتلاتے تو اسکے گناہ کبیرہ ہونے کے فتوے پر ضرور مُہر کر دیتے۔ کالج میں تو یوں انگریزی پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ کالج کے ٹرمز[۴] پورے ہونے نہیں پائے تھے کہ نوکری کی سوجھی اور سوجھی کیا حاجت نے مجبور کیا۔ بارے اُس وقت تک نوکری میں انگریزی کی قید نہ تھی۔ ورنہ آج یہاں لکچر دینے کے عوض کالج کی مسجد میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی کسی اور مسجد میں مجھکو وعظ کہتے ہوئے دیکھتے اور دیکھتے نہیں تو سنتے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ایجوکیشنل لائن میں الہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر تھا کہ میں نے از خود انگریزی کا شوق کیا۔ دورہ کی نوکری آج یہاں کل وہاں۔ ہر روز نیا دانہ نیا پانی ؎

ای عیش عیشی اذا کنت منہ — بین[۵] حل و بین وشلت رحیل

ٹیچر[۶] انگیج کرنے کا مقدور نہیں۔ سرکاری کام کی وجہ سے وقت پر اپنا اختیار نہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی اس درد سر کو اپنے پیچھے نہ لگاتا۔ مگر میں کچھ نہ کچھ سیکھے ہی گیا۔ اور اب بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی کرتا ہوں زیادہ نہیں

---

[۱] مجھ کو تیری آنکھ میں شہتیر اڑا پڑا ہوا دکھائی دے رہا ہی ۱۲ [۲] اور تو میری آنکھ میں کنکر پڑا ہوا دیکھکر تعجب کرتا ہی ۱۲ [۳] مدت طالب علمی ۱۲

[۴] میری زندگی بھی کیا زندگی ہی جب میرا یہ حال ہی ۱۲ [۵] کہ مقام اور کوچ میں جھو تا رہتا ہوں ۱۲ [۶] اُستاد کے نوکر رکھنے کا ۱۲

ہوسکتا تو بالالتزام انگریزی اخبار پڑھتا ہوں۔ غرض میں نے انگریزی تو ٹوٹی پھوٹی کہلی مگر ازبس کہ انگریزی میں کارروائی کرنے کا موقع نہ ملا میں اُسکو امپرو؎ نہ کرسکا۔ انگریزی کے امپرو کرنے کا ایک طریقہ اور تھا۔ انگلش لائف؎ یا انگلش وائف سو اسکے لیے خدا نے مجھکو پیدا نہیں کیا نہ مزاج شیخی باز نہ صورت اچھی۔ میں نے اپنی انگریزی کو قضا؎ للنفس لعنت بر پیچ کہا ورنہ اس لعنت ہیچ پر ہیں بی اے والوں کے ساتھ پالا پڑنے کو موجود ہوں مگر بی اے بھی سلطان بی اے کیونکہ معلوم ہے کہ انہوں نے نیچر سپیکس؎ نہ لی ہوگی اور بندہ بھی نہ رہا ہو تو ہمیں ہارا ہی سا انگریزی پڑھنے سے ایک گُر تو معلوم ہوا کہ آدمی ایک زبان کو سلیقے سے حاصل کرلے تو دوسری زبان کے سیکھنے میں اُسکو بڑی سہولت ہوتی ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ لنگوسٹ؎ ہونا کچھ بات نہیں۔ مجھکو انگریزی گرامر؎ کی ٹکنکیلیٹیز (مصطلحات) تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی کسی زمانے میں اچھی طرح پڑھی تھی اب تو ایسا ذہول ہوگیا ہے کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔ مگر زمانہ طالب علمی میں ایک ایک لغت اور ایک ایک محاورے کے پیچھے کئی کئی سندیں زبان کی نوک پر تھیں ؎

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم　　ہوگئے خاک انتہا ہے یہ

تو گو مجھکو انگلش گرامر کی ٹکنکیلیٹیز تک معلوم نہیں مگر میں نے عربی پر قیاس کرکے اپنے ذہن میں انگریزی کی گرامر بنا رکھی ہے اور وہ مجھکو کام دیتی ہے۔ بہرکیف انگریزی جانتا ہوں تو چار و ناچار اُسکے الفاظ زبان پر آہی جاتے ہیں۔ دہلی کے متاخرین شاعروں میں اسد اللہ خاں غالب سب میں سر برآوردہ تھے اپنا اپنا مذاق ہی تو ہے میں ان ہی دو شاعروں کا معتقد ہوں۔ متقدمین میں مرزا رفیع السودا اور متاخرین میں اسد اللہ خاں غالب۔ غالب کے مضامین انوکھے اور خیالات بلند ہوتے تھے۔ بندش مضبوط مگر شوخی کے ساتھ ان میں اگر عیب تھا تو یہ کہ مشکل گو تھے میں نے عیب کو اُس معنی میں استعمال کیا جیسا کہ علم بیان کی کتابوں میں ہے شعر

ولا عیب؎ فیهم غیر ان سیوفهم　　بهن فلول من قراع الکتائب

چنانچہ غالب اپنی مشکل گوئی کے عذر میں خود فرماتے ہیں قطعہ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

؎ ترقی، درست، سکا ۱۲ ؎ انگریزی زندگی یا انگریزی بیوی ۱۲ ؎ بطور تواضع دکسرِ نفس ۱۲ ؎ ریاضی ۱۲ ؎ زبان دان ۱۲ ؎ صرف ونحو ۱۲ ؎ اُن میں سوائے اسکے کوئی عیب نہیں کہ لشکروں کے مارنے سے ان کی تلواریں جھڑ گئیں ۱۲

لیکن اس عیب پر بھی وہ فارسی اور اردو دونوں کے اُستاد مستند مانے جاتے ہیں۔ باستحقاق۔ میں اُن کی ایک غزل کے چند اشعار نمونے کے طور پر پڑھتا ہوں ؎

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ۔۔۔ کہ اندازِ بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل ۔۔۔ تماشائے بخون غلطیدنِ بسمل پسند آیا

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ ۔۔۔ مبارکباد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا

میں نے طبیعت پر زور دے کر ان اشعار کا مطلب ایک بار سمجھ لیا تھا اور اب بھی طبیعت پر زور دوں تو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت تو میں نے بے سمجھے ہی پڑھ دیئے ہیں۔ ان اشعار میں اگر آیا کی جگہ آمد ہو تو عبارت بتوالی اضافت پنج رقعے کی عبارت سے ملی جلی معلوم ہوگی۔ اگر یہ ایسے بڑے مستند اُستاد کی اردو ہی تو میرا کلام صرف چند انگریزی الفاظ کے آجانے سے کیوں اردو نہ ہو۔ اسد اسد خان غالبؔ کے دیوان ریختہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ان کو نظم میں ایک طرز جدید کا رواج دینا منظور تھا۔ مگر چونکہ کورس آف ٹائم[1] اسکے خلاف پڑا تھا رواج دینا تو درکنار آخر آخر میں خود غالبؔ کو اسے چھوڑ دینا پڑا۔ اب ایک طرز ہمارے حالیؔ صاحب نے اختیار کی ہی اور وہ مقبول ہوگئی اسواسطے کہ وہ زمانے کے رنگ کے مطابق تھی۔ اسکی مقبولیت اس درجے کی تو ہی نہیں کہ حالیؔ کے اشعار ظفرؔ کی غزلوں کی طرح ہر ایک گانے والے کے منہ میں ہوں مگر نیچری مسلمان تو شاید ہی کوئی ایسا ہوگا۔ جس کو مسدس حالی کے دو چار بند یاد نہ ہوں۔ میں مسلمان ہوں مگر الحمد للہ نیچری نہیں تاہم آزادی رائے کی کچھ یوں ہی سی ہوا لگ گئی ہی یتخبطه الشیطان من المس[2] مجھکو بھی بند نہیں تو شعر یاد ہیں۔ میں کسی طرز کی ایجاد کا دعوی نہیں کرتا۔ مگر آج کون دن ہی دو شنبہ اور دسمبر ۱۸۹۱ء کی ۲۸۔ تاریخ یہ کون مقام ہی؟ علی گڈھ کالج کا اسٹریچی ہال۔ یہ کیسا مجمع ہی؟ ایجوکیشنل کانفرنس۔ انگریزی الفاظ سن کر جسکے جی میں آئے کان کھڑے کرے۔ میری آج اور اس جگہ کی پیشین گوئی کو لکھ رکھنا کہ ایک دن آنے والا ہی کہ جس طرح پارسی ناآمیختہ بتازی بلکہ ریختہ ناآمیختہ بتازی کا لکھنا نہایت دشوار ہی۔ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ پیور[3] اُردو کا بے انگلش الیمنٹ[4] کے بولنا متعذر ہو جائے گا۔ اور اگرچہ انگریزی کا اتنا رواج دیر طلب ہی مگر جیسی اُردو سے میں نے لکچر دینا شروع کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہی کہ اگر ہم ایسی دھیمی ترقی بھی کرتے رہے جیسی اب تک کی ہی تو خدا نے چاہا پچاس برس کے اندر اندر ہم ہیں کے رودار لوگ ایسی اردو سمجھنے لگیں گے اُردو میں

[1] رفتار زمانہ ۱۲ [2] شیطان چھوکر اسکو مخبوط الحواس کردیتے ۱۲ [3] خالص ۱۲ [4] الفاظ انگریزی ۱۲

جو ہندوستان کی زبان ہی۔ انگریزی الفاظ کو اجنبی سمجھنے کا کیا موقع اور محل ہی جبکہ قسطنطنیہ کے الجوائب
اور طہران کے اختر کا یہ حال ہی کہ جو شخص انگلش یا فرنچ نہیں جانتا کہ یہ دونوں زبانیں ایک ہی تھیلی کے چٹے
بٹے ہیں وہ ان اخباروں کا ایک آرٹیکل نہیں سمجھ سکتا۔ یہ سلطنت کے ضروری اور قدرتی لوازم ہیں اور اگر سارا
جہان بھی متفق ہوکر ان کو روکنا چاہے تو رُک نہیں سکتے۔ ہو رہی ہیں اور ہوکر رہیں گے۔ خوش نصیب ہیں وہ
لوگ جو پہلے سے اس انجام کے لیئے طیار ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں جیسے پارسی ایرانی نیشن اور
اکثر ہندو۔ اور بدقسمت بدبخت بدعقل بدحال بدمآل ہیں ہم مسلمان جنہوں نے شروع میں مدتوں خدا
کی ڈگری کو جاری نہ ہونے دیا اور مجبور ہوئے تو اب بھی اُسکی تعلیم میں حیلے حوالے بلکہ اڑنگے لگانے سے باز
نہیں آتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی تعلیم کا رستہ پہلے سے ذرا صاف ہو چلا ہی وہ اگلی سی مزاحمتیں باقی
نہیں کہ آدمی انگریزی اسکول میں داخل ہوا اور علماء دین اور فقہاء شرع مبین نے مسلمانوں کی فہرست سے اُسکا نام
خارج کیا۔ لیکن جبکہ ہمکو ایک منزل دور دراز طے کرنی ہی۔ اور صبح کے ٹھنڈے وقت میں ہم پڑے اینڈا کیئے ہیں
اور سب کے بعد گھر سے نکلے ہیں تو کیا کیڑی کی چال چلنے سے ہم اُن مسافروں کو جا پکڑیں گے جو کچھ رات رہے
سے چل کھڑے ہوئے۔ یا سفر کے محدود وقت میں منزل مقصود پر جا پہنچیں گے۔ ایسی توقع کرنا اُس سے بھی
زیادہ مکروہ غلطی ہی جو ہم نے آغاز سفر میں کی تھی ؎

دببت للمجد والساعون قد بلغوا　　جهد النفوس والقوا دونه الازرا
فكابروا المجد حتى مل اكثرهم　　وعانق المجد من قاسى ومن صبرا
لا تحسب المجد تمرا انت آكله　　لن تبلغ المجد حتى تلعق الصبرا

اشعار عربی پڑھتا ہوں مگر مجھی کو لطف نہیں آتا۔ سلطنت کیا گئی ساری چیزیں بے مزہ ہو گئیں یہاں تک
کہ زبان عربی۔ میں نہیں سمجھتا کہ لوگوں کو انگریزی تعلیم کے فائدے کے بتانے اور سمجھانے کی ضرورت باقی
ہی جن کو خدا نے سمجھ دی ہی وہ اِسکو مان نکلے ہیں استیقنتها انفسهم لیکن اگر شواہد درکار ہیں تو وہی
سر سید کی حیدرآباد کے ٹرپ کی کامیابی جس سے میں نے لکچر شروع کیا اس سے بڑھکر کا نوننگ پروف

۱ قوم کی قوم ۱۲ ۲ فتوی ۱۲ ۳ تو تو بزرگی حاصل کرنے کے لیئے رینگتا ہی اور جو کوشش کرنے والے ہیں وہ جان توڑ کر محنت کر رہے
ہیں اور بزرگی حاصل کرنے کے لیئے کمر بستہ ہیں ۱۲ ۴ تو انہوں نے بزرگی کے لیئے گاؤزوری کی اور اکثر ملول ہو گئے اور جنے مصیبت اٹھائی اور صبر کیا اُس نے
بزرگی کو پالیا ۱۲ ۵ بزرگی کچھ نہیں ہی کہ توڑی اور کھالی ایلوے کی تلخی گوارا کرو تو بزرگی پاؤ ۱۲ ۶ اُنکے دل اسکا یقین کر چکے ہیں ۱۲ ۷ سفر

کیا ہو سکتا ہے۔ وہ کامیابی متفرع ہے اسپر کہ حضور پرنور نظام نے جی چاہتا ہے کہ دعا سے خلد اللہ ملکہ و دولتہ
زبان پر یہی دعا چڑھی ہوئی ہے۔ مگر خلود تو صرف خدا ہی کی ذات کو ہے۔ اور اس طرح کی دعا کی شرح میں مبالغت
بھی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ خدا اُنکی عمر کو بہت دراز اور اُنکے ملک کو آباد و منتظم اور اُنکی رعیت کو آسودہ اور اُنکے
خزانے کو معمور اور اُنکے ملک داری کے نتائج کو ایسے عمدہ اور نمایاں کرے کہ حیدرآباد کی ہسٹری میں سونے کے
حرفوں سے لکھے جائیں۔ غرض حضور پرنور نظام نے انگریزی تعلیم پائی اور حق قدر اُسکی قدر کی۔ اگرچہ شکر گزاری سے
کسی پیرائے میں ہو ایسے احسان شکر کا معاوضہ مشکل ہے لیکن ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ شکر گزاری کا ایک ہی
پیرایہ میری سمجھ میں آتا ہے کہ اگر سارے ہندوستان میں نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ کہ اس کالج میں مسجد ہے اور مسجد میں
تو نماز بھی ضرور ہوتی ہوگی اور مجھکو یقین ہے کہ مسلمانوں کی سی نماز ہوتی ہوگی اگر جمعہ بھی ہوتا ہو تو نماز جمعہ کے
ساتھ جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اُس میں حضور نظام کے لیے وہی دعا کی جائے جو میں نے ابھی کی۔ مجھکو جب پہلے پہل گورنمنٹ
حیدرآباد کے عطیہ شاہانہ کی خبر معلوم ہوئی۔ کیونکر کہوں کہ خوش نہیں ہوا۔ جس مسلمان نے جو اس کالج کی ضرورت
کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اتنی ہی بات سے ہمارے ملک کے کٹّے مسلمان اُسکو زبردستی سید احمد خاں کے چیلوں میں
شمار کر لیتے ہیں۔ غرض جس مسلمان نے گورنمنٹ حیدرآباد کے عطیے کی خبر سنی ہوگی ضرور خوش ہوا ہوگا اور مجھکو
تو اسکے علاوہ ایک خصوصیت بھی ہے کہ اس سرکار عالی کا وظیفہ خوار ہوں۔ لیکن میں اس خیال کو بھی مخفی نہیں کر سکتا
کہ جس وقت میں نے ڈیپوٹیشن کی روانگی کی خبر سُنی مجھکو افسوس ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ بیشک سرکار اپنی
سیر چشمی اور فیاضی سے ڈیپوٹیشن کو محروم تو نہیں آنے دیگی۔ مگر حیدرآباد کے لوگ ہماری نسبت کیا خیال
کرینگے۔ ہم اُنکے مقابلے میں بے مقدور ضرور ہیں۔ لیکن ایسے گئے گزرے بھی نہیں کہ سب کے سب مل کے آٹھ
ہوں تو ایک قومی کالج کو بھی نہ چلا سکیں۔ مگر ہونے والی باتوں کو کون روک سکتا ہے۔ ڈیپوٹیشن گیا اور جیسا کہ خیال
تھا لدا پھندا واپس آیا۔ گورنمنٹ نظام کی داد و دہش سے اور ہماری فضیحت اور رسوائی سے۔ لیکن یہ غنیمت ہے
کہ ڈیپوٹیشن نے بھیک بھی مانگی تو اپنی ہی قوم سے مانگی۔ میں جانتا ہوں اور اگرچہ کالج کا [illegible] ٹرسٹی
ہوں تو کیا اتنا بھی نہ جانونگا کہ کالج شروع سے دوسری قوموں کی امداد کا شرمندۂ احسان ہے اور کالج کیا شرمندۂ
احسان ہے ہم سب مسلمان شرمندۂ احسان ہیں کیونکہ اگرچہ کالج کے دروازے کسی قوم پر بند نہیں مگر کہلاتا تو ہے
مسلمانوں کا قومی کالج۔ ہم ہرگز نہ جھینپتے اگر ایسی مثالیں دکھا سکتے کہ ہم میں سے کسی نے ہندوؤں کے سنسکرت

سلہ تاریخ ۱۲ سلہ کسی چیز کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اُس سے بالکل دست بردار ہو جانا بھی مناسب نہیں ۱۲ سلہ جماعت کا ۱۲ سلہ [illegible]

کالج یا عیسائیوں کے مشن کالج میں مدد دی ہے۔ لیکن ہم کیا دوسری قوموں کی مدد کر سکیں گے جبکہ اپنے ہی چھپر پہ پھوس نہیں ڈال سکتے۔ خیر گذشتہ را صلوات۔ اے مسلمانوں جو موجود ہو اور سنتے ہو اور اے مسلمانوں جو ہمارے معنی و مسمع نہیں ہو اور بواسطہ یا بوسائط ان تک پہنچے اب بھی غیرت اور حمیت کو کام میں لاؤ۔ اور اس دن کو مت آنے دو کہ یہ گدا پیشہ اور بوڑھا سید ہمارے اور ہمارے بچوں کے لیئے غیروں کے آگے جا کر ہاتھ پھیلائے[۱] ؎ خطا کہ با عقوبت دوزخ برابر است ✤ رفتن بپایمردی ہمسایہ در بہشت ✤

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ از خود یا کسی کے کہنے سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں یہاں تو سید احمد خاں بھی وجود شیطان کے ضرور قائل ہونگے۔ غرض شیطان کے بہکانے کے ہزاروں رستے ہیں خاصکر ایسے موقع پر خیال ہوتا ہی کہ ایسا نہ ہو کہ مقلد کو کم سمجھکر لوگ دون ہمتی پر محمول کریں اس سے بہتر ہی کہ چپ سادھ جاؤ۔ اگر ایسا وسوسہ کسی کے دل میں آیا ہو اور میں خیال کرتا ہوں ضرور آیا ہوگا تو لاحول پڑھکر اسکو دفع کرو۔ جو چیز خدا کی راہ میں دیجاتی ہی وہ شاید کسی شیخی باز دنیادار کی نظر میں حقیر ہو بھی لیکن اگر خدا کے یہاں مقبول ہو جائے تو ایک دن بچشم سر دیکھ لوگے کہ وہی چیز دنیا و ما فیہا سے زیادہ قدر و قیمت کی ہی[۲] تحسبونہ هینا و هو عند الله عظیم ہاں اگر کالج میں دینا خدا کی راہ میں دینا نہیں ہی تو دوسری بات ہی۔ اور یہ سید احمد خاں کا منصب ہی کہ اس خیال کی تردید کریں یا کسی دوسرے باہمت آدمی کا جو کفر کی بیجا سے نہ ڈرتا ہو۔ میں تو ڈرتا ہوں کیونکہ جیتا تو اب کے دن کا ہی مرنا بھی ان ہی لوگوں میں ہی اگر میرے جنازے کی نماز نہ پڑھیں تو میں کدھر کا ہوا۔ رہا حشر وہ تو بھائی میں تم سے صاف کہوں کہ برے ہیں تو اور بھلے ہیں تو میری تمنا تو یہی ہے کہ ان ہی مولویوں کے زمرے میں ہو[۳] اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد ہی کیا تو انکی ابتدا اچھی کہ باپ تو دوہوں پولنے تھے مگر سوتیلے بھائی مارے حسد کے چین نہیں لینے دیتے تھے یہاں تک کے شکار کے بہانے سے لیجا کر اندھے کوئے میں دھکیل دیا۔ اور اپنی پندار میں اُن کا قصہ ہی چکا دیا لیکن[۴] واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون خدا کو جو منظور تھا سو ہوا۔ کیوں عین وقت پر کوئے کے نزدیک قافلہ آن کر ٹھہرے کیوں قافلے کا کوئی آدمی اُسی کوئے میں ڈول لٹکائے کیوں حضرت یوسفؑ ڈول میں بیٹھ اوپر آموجود ہوں

[۱] میرے دیکھنے اور سننے میں نہیں ۱۲ [۲] تم اسکو آسان سمجھتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی چیز ہے ۱۲ [۳] اے خدا مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مساکین میں میرا حشر کر ۱۲ [۴] اللہ اپنے حکم کے نافذ کرنے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہے ۱۲

کیوں بھائی جواُن کی تاک میں آس پاس لگے تھے اُنکو اپنا غلام ظاہر کرکے قافلے والوں کے ہاتھ بیچیں کیوں قافلے والوں سے عزیز مصر مول لے۔ یہ سب تمہید اسکی تھی کہ آخر کار یوسف عزیز مصر ہوں۔ دنیا وی لذتوں کا حال یہ ہی کہ اُن سے متمتع ہونے کا بھی ایک اندازہ ہی **شعر**

جتنے ہیں یاں مزے روش نشۂ شراب ۔۔۔ ہوجاتے بے مزہ ہیں جو بڑھجاتے حد سے ہیں

حد سے بڑھ جانا ایک تو افراط انہماک سے ہوتا ہی اور ایک حد سے بڑھ جانا یہ بھی ہے کہ اوڈ (اللہ) رانیڈ او ورا گین ہر روز وہی دن وہی رات وہی صبح وہی شام وہی جاگنا وہی سونا وہی کھانا وہی پینا وہی مرنا وہی جینا[ه]

زندگی ہی یا کوئی طوفان ہے ۔۔۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

چنانچہ بڑی عمر کو پہنچکر حضرت یوسف کی بھی یہی حالت ہوئی اور آپنے دعا کی ربّ قد اٰتیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلماً[ا] والحقنی بالصالحین غلامی سے عزیز مصر کے منصب تک ترقی کرنے کے بعد ایک یہ آرزو باقی رہ گئی تھی توفنی مسلما والحقنی بالصالحین یہ بات مجھکو لینے واحشرنی فی زمرۃ المساکین کہنے پر یاد آگئی یہ تذکرے دوسرے قسم کے ہیں۔ آؤ پھر تمہاری کانفرنس کی سی باتیں کریں۔

ہاں تو مجھکو گورنمنٹ نظام کے عطیے کی نسبت ایک ریمارک اور کرنا ہی۔ وہ یہ کہ عطیہ عطیہ سن کر خوش تو بہت ہورہی ہو وہ عطیہ فی حد ذاتہ بیشک بلا شبہہ بہت بڑی قدر کی چیز ہی لیکن کہیں ایسا نہو کہ جھلا دیکھکر تمہارے پاؤں پھول جائیں۔ قوم اور قوم بھی مسلمان اور پھر اُنکی تعلیم اور تعلیم بھی انگریزی جاننے اور سمجھنے والے کے نزدیک ایسی بے تُکی باتیں ہیں کہ سوائے سر سید کے اور تو کوئی ایسا خواب پریشان دیکھ نہیں سکتا ع

چہاست در سر این سید محال اندیش

اگر آج سر سید اپنا سارا منصوبہ ظاہر کردیں تو سنّو میں ننانوے بیل جوا چھوڑ بھاگیں اور ہر چند سر سید نے بہتیری ہری ہری گھاس دکھائی۔ اسی خیال سے میں نے شروع سے کندھا نہیں دیا۔ جانتا تھا کہ پٹّھے پر ہاتھ دھرنے دیا اور انھوں نے نغل جڑے۔ پس میں نے تو اپنا یہ شیوہ رکھا کہ سر سید کو آتے دیکھا اور چھٹک کے وہ ہو۔ بہرکیف جس کام کا بیڑا سر سید نے اُٹھایا ہی وہ اتنا بڑا عظیم الشان کام ہی کہ گنج قارون بھی اسکے سرانجام کو

[ه] بار بار ۱۲ [ا] اے پروردگار تو نے مجھے ملک دیا اور مجھکو باتوں کا مطلب سمجھانا سکھایا اے پیدا کنندہ آسمان و زمین تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہی میں مسلمان مروں اور مجھکو نیکوکاروں میں داخل کر ۱۲ [۳] یعنی ایک لے اور دینی ہے ۱۲

کافی نہیں ہوسکتا۔ سخت افسوس ہوگا اگر عطیۂ حیدرآباد لوگوں کو اُنکے فرض اسلام۔ فرض قومی بلکہ فرض
انسانیت سے فارغ اور بے فکر کردے۔ مسلمان برٹش گورنمنٹ سے اپنی کاہلی اور نادانی کے انعام کے خواستگار
ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ اُنکے ساتھ اسکالرشپ[۱] میں یا لیاقت کے سٹینڈرڈ[۲] میں یا گورنمنٹ سروس[۳] میں
کچھ رعایت کیجائے۔ کیوں۔ اسواسطے کہ اُنکی قوم دوسری اقوام معاصر کے مقابلے میں ہیٹی اور پسنڈی ہی
گورنمنٹ سے کیا جواب ملا۔ فیر پلے[۴] اینڈ نو فیور۔ بیشک یہ نہ صرف منصفانہ جواب تھا بلکہ نہایت مناسب
اور دانشمندانہ۔ اگر کہیں گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی رعایت کرگزرتی تو یقین جانو کہ جس جگہ آج
مسلمانوں کو دیکھتے ہو اس سے بھی ضرور سو قدم پیچھے ہٹے ہوئے ہوتے۔ میں کبھی مسلمانوں کی خستہ حالی
دیکھکر خوش بھی ہوتا ہوں اور اسکو اُن کی فلاح آئندہ کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں۔ ایک مدت ہوئی
کہ میں حیدرآباد کی گورنمنٹ سے علیحدہ ہوں۔ مگر تاہم اتنا وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گورنمنٹ حیدرآباد
نے جو امداد کی اُس سے اُن کا مقصود مسلمانوں کو صرف نمونہ دکھا دینا تھا کہ ہمنے ایک اخوت اسلامی کا
پاس کرکے اتنا کچھ کیا۔ تم کو بھی اخوت اسلامی ہموطنی اور دوسرے چند در چند تعلقات کے لحاظ سے جتنا
جسکا مقدور ہو کرنا چاہیئے۔ دو قسم کے مسلمان ہیں ایک با مقدور جو اپنے بچوں کی تعلیم کا خرچ اُٹھا سکتے ہیں
میں ایسے لوگوں کی طرف سے سخت بدگمان ہوں۔ یہ سمجھے رہو کہ ہر ایک کلیے میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں
اسیطرح سب با مقدور مسلمان ایک طرح کے نہیں۔ تاہم اکثر اس خیال کے ہیں کہ ادنیٰ اور اعلیٰ اور عربی اور انگریزی
کیا بحث وہ سرے سے کسی طرح کی تعلیم کو اپنے لیئے ضروری نہیں سمجھتے۔ اُنکی پندار میں بنیادی تعلیم
معاش پیدا کرنے کے واسطے ہی۔ جس کی اُنکو حاجت نہیں اور دینی مسجد کا مُلّا بننے کی غرض سے جو اُنکے
لیئے موجب عار ہی۔ اے کاش خدا اُنکے دل میں ڈالے کہ اُنکی اولاد بدون تعلیم کے اپنی پوزیشن[۵] اور ریسپکٹ[۶]
اور متول کسی چیز کو بھی زیادہ دن تک نہیں سنبھال سکے گی۔ بہرکیف میرے نزدیک ان لوگوں کے خیالات
کی اصلاح دیر طلب ہے۔ اور یہ تو ایز فار ایز ایجوکیشن از کنسرنڈ[۷] اتنے ہی مصرف کے ہیں کہ ان کو دم جھانسا دیکر
جو کچھ ان سے وصول ہو غربا کی تعلیم میں صرف کردیا جائے۔ یؤخذ من اغنیائھم ویرد علی فقرائھم[۸]
رہی یہ بات کہ ان سے ابیض منقوش کس طرح اُگلوائے جائیں اس کی تدبیر ان بڑے میاں سے پوچھی

---

[۱] وظیفہ طالب العلمی ۱۲ [۲] درجہ ۱۲ [۳] ملازمت سرکاری ۱۲ [۴] صاف صاف معاملہ اور کچھ رو و رعایت نہیں ۱۲
[۵] حالت ۱۲ [۶] وقعت ۱۲ [۷] جہاں تک تعلیم کو تعلق ہی ۱۲ [۸] مالداروں سے لیکر ناداروں پر بانٹ دیا جائے ۱۲

جاسے جنہوں نے لاٹھی کی۔ تھیٹیٹر میں سوانگ بھرے۔ گلے میں جھولی لٹکاکر بھیک مانگی یہی غرض سے کوئی بات اُٹھا رکھیں تو ہماری قوم کے امیر پیچھے ہیں۔ دوسری قسم کے مسلمان جنکی تعلیم پر زور دیا جاسکتا ہی اور زور دینا مناسب ہی وہ لوگ ہیں جو پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھائے جانے کے قابل ہیں لیکن مصارف تعلیم کے متحمل نہیں ہوسکتے مجھکو معلوم ہی کہ ہمارے رفارمر ایسے ہی لوگوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں بھی مگر میں آپ صاحبوں سے معافی مانگ کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کے لیئے لوگوں کے انتخاب میں کسی قدر بے احتیاطی ہوتی ہی اور ابتدائی جوش میں بے احتیاطی کا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں اس پالیسی کا نہایت سختی کے ساتھ مخالف ہوں کہ لوگوں کو دوسرے پیشوں سے بہکاکر پھسلاکر تعلیم کے دڑبے میں ٹھونسنا جائے۔ تھوڑے سے پورے تعلیم یافتہ بہت زیادہ مفید ہونگے اپنے حق میں۔ قوم کے حق میں۔ ملک کے حق میں۔ گورنمنٹ کے حق میں۔ بہ نسبت بہت سے اوصورے جیک آف آل ٹریڈز اینڈ ماسٹر آف نن کے۔ جس بے احتیاطی کا میں شاکی ہوں وہ اتنی امداد کے دینے میں نہیں ہوتی جتنی امداد کے لینے میں۔ لوگوں کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری تعلیمی فنڈ کیسی غریب اور غیر متیقن حالت میں ہیں۔ ہم اسکالرشپ دے سکتے ہیں وہ بھی بڑی مشکل سے نہ تنخواہ۔ ہم طالب علموں کے تعلیم کے ضروری مصارف کا تکفل کرسکتے ہیں۔ وہ بھی بدقت نہ اُنکے کنبے کے خرچ کا۔ ہم لوگوں میں یہ عام غلط فہمی ہی کہ سکالرشپ کو تنخواہ سمجھ لیا جاتا ہی گویا تعلیم پانا خدمت ہی۔ اور سکالرشپ اُسکا معاوضہ۔ مجھکو مرحوم دہلی کالج میں اپنا وظیفہ پانا یاد ہی۔ جس دن سے وظیفہ شروع ہوا میں نے اور نہ صرف میں نے بلکہ ہمارے خاندان نے اِسکو سلسلۂ ملازمت کا آغاز سمجھا۔ عربی جماعتوں میں تو کچھ ایسے بڑے بھاری وظیفے تھے نہیں مگر انگریزی کلاسوں میں بعض سکالرشپ ایسے محاصل کی تھی کہ شروع میں اتنے کی نوکری بھی نہیں ملتی ہم لوگوں میں طالب علمی کا ایک طریق یہ تھا۔ اور اب بھی ہی مگر کم۔ اس واسطے کہ اُن علوم ہی کا رواج کم ہی کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں پڑھنے پڑھانے کا چرچا ہوتا تھا۔ باہر کے لوگ طالب علمی کے لیئے بکثرت آ بھرتے تھے یہ لوگ اکثر مسجدوں میں رہتے۔ اور صدقات پر گزران کرتے۔ کسی کو عار کا موجب ہو تو ہو مگر میں اسکو فخرا بیان کرتا ہوں کہ میری طالب علمی کا ابتدائی حصہ اسی طرح پر بسر ہوا ہے۔ ان طالب علموں کا حال یہ تھا کہ بہتیروں کو دو وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہ تھا۔ چھاپے خانوں کی افراط تو اب حال میں ہوئی ہی کتاب بمشکل سے مانگی ملتی تھی۔ دس دس بیس بیس اور اس سے بھی زیادہ ایک سبق میں شریک ہوتے۔ سب کے سب جامع اور اُن میں سب سے زیادہ

ا؎ راسے ۱۲ ۲؎ ذو فنون کامل ایک میں بھی نہیں ۱۲

خوش نصیب تھا رہی۔ اور میں نے ایسے ہی بے سرو سامان لوگوں کو علم سے بہرہ مند ہوتے دیکھا ہی۔ اگرچہ میں بے سامانی میں بعض سے بڑھکر اور اکثر کی برابر تھا مگر افسوس ہی کہ علم کے اعتبار سے سب سے گھٹا رہا۔ غرض طالب علمی کا ایک رنگ تو وہ تھا اور ایک رنگ کالجوں اور سکولوں کے طالب علموں کا ہی۔ کہ اُن کو دو وقتہ کے کھانے کے علاوہ کہ وہ بھی انگریزی ہو تو ہٹر پٹ اور ہندوستانی طور کا ہو تو ٹھو ٹھو دوزخ شکم بھرنے کے لیئے چاہیئے بریک فاسٹ[1] اور ٹفن[2] اور ٹی[3] اور اگز[4] اور فروٹس[5] اور دیٹ[6] ناٹ۔ ہماری مٹرل اور اورینٹل[7] طالب علمی میں ستر عورت اور دفع حر و برد کے لیئے موٹا جھوٹا کپڑا میسّر آگیا تو کافی سمجھا جاتا تھا۔ اب کچھ نہ ہو تو شرٹ[8] پینٹلون[9] اور اوورکوٹ[10] ہینڈکرچیف[11] سٹاکنگز[12] گلوز[13]۔ فیز[14]۔ اور پھر مصیبت یہ کہ کھانے کے کپڑے اور ہوا خوری کے اور کالج آورز[15] کے اور سونے کے اور کھانسنے کے اور چھینکنے کے اور ایک پاکٹ میں بزاز ایک پاکٹ میں درزی۔ تو یہ یا دو دو سروں کی کمائی پر اور یہ شتر غمزے۔ کیا فرق ہی ان طالب علموں میں اور ان یوروپین سولجروں[16] میں جو گرمی بھر خسخانوں میں پڑے سے اینٹھتے ہیں۔ سولجر اور آسائش آرام طلبی۔ اور طالب علم اور اس درجہ بناؤ سنگار اسے وہ انگریزی ہی طور کا ہی۔ یہ جنس کے سے پتیرے جو سکھائے جاتے ہیں رہیں تو خوشنما لیکن یہ لوگ کالج کا سا ہموار صحن اپنے گھروں میں کہاں پائینگے۔ میں تو اُسوقت جانوں کہ لوگوں نے حقیقت میں انگریزی تعلیم کی قدر کی جب ایشیاٹک سکالرز کی طرح فقر و فاقے کے ساتھ اِن کو پڑھتے دیکھوں اس سے لگی سی وحشت باقی نہیں۔ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ لوگوں نے انگریزی تعلیم کی ضرورت کو پورے طور پر تسلیم کر لیا۔ سید احمد خاں کو چھوڑکر کہ ان کا تو مذہب ہی دوسرا ہی۔ جن لوگوں نے خوب دل کھولکر انگریزی تعلیم میں مدد دی ہی اگر اُنھوں نے کار ثواب سمجھکر مدد دی ہی۔ تو میرے نزدیک اُنھوں نے اسکو اتنا ہی کار ثواب سمجھا ہی کہ محرمات شرعیہ میں ضائع کرنے سے بہتر ہے نہ یہ کہ بھوکے کو کھلانے ننگے کو پہنانے ع پل و مسجد و چاہ و مہمانسرا سے۔ بنوانے کی برابر ہی اور جس آن خدا لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دیگا کہ انگریزی تعلیم میں مدد دینا واقعی کارِ ثواب ہے تو مسلمانوں کو نہ سید احمد خاں درکار ہونگے نہ کانفرنس نہ لکچرار نہ تم نہ میں۔ اس سے کسکو انکار ہی کہ خیرات کے مروجہ طریقے داخل خیرات نہیں ہیں میں تو صرف اتنی بات لوگوں کے ذہن نشین کرنی چاہتا ہوں۔ کہ تعلیم میں مدد دینا خیرات کے مروجہ طریقوں سے بہتر اور

[1] ناشتہ ۱۲ [2] سہ پہر کا ناشتہ ۱۲ [3] چاے ۱۲ [4] انڈے ۱۲ [5] میوہ ۱۲ [6] وغیرہ ۱۲ [7] مشرقی [8] شرٹ ۱۲ [9] پاجامہ ۱۲
[10] بڑا کوٹ ۱۲ [11] رومال ۱۲ [12] موزے ۱۲ [13] دستانہ ۱۲ [14] رومی ٹوپی [15] کالج میں پڑھنے کے گھنٹے ۱۲ [16] انگریزی سپاہی ۱۲

انفع للناس اور اولٰی بالقبول عند اللہ ہی۔ مروجہ خیرات ازالۂ مرض ہی اور تعلیم میں مدد دینا ازالۂ سبب۔ اور اسکو دہلی جاکر حکیم محمود خاں صاحب سے تصدیق کرلینا کہ علاج کے اِن دو طریقوں میں سے کسکو ترجیح ہی۔ انگریزی مثل تو مجھکو یاد ہی پریونشن از بیٹر دین کیور۔ کچھ اِس بات نے بھی تعلیم کے پہیے کو ڈھیلا اور اُسکی رفتار کو دھیما کر رکھا ہی کہ لوگوں نے تعلیم کو سمجھا ہی سرسوں لی اور ہتیلی پر جمالی۔ جو فائدے اہل یوروپ نے ایک صدی کی متصل کاہش سے حاصل کیے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ دنوں کی توجہ سے وہ بھی ادھوری اور بادلِ ناخواستہ ہمکو حاصل ہوجاتیں شعر

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب ۔۔۔ کام چور اس کام پر کس مونہ سے اجرت کی طلب

درختوں کی رسیدگی کے اوقات مختلف ہیں کوئی ایک ہی برس میں پھل لے آتا ہے کوئی دو میں کوئی چار میں کوئی بارہ میں لیکن وہ درخت جو سب سے زیادہ دیر میں پھل لاتا ہی شجرۃ العلم ہی۔ مگر پھل بھی ایسا مزیدار ہوتا ہی کہ حضرت آدمؑ نے اِسی کی چاٹ میں جنت کے مزوں کی کچھ پروا نہیں کی۔ پولیٹکل اکانمی کے اصول کے مطابق عاجل منفعتیں ہمیشہ چھوٹی اور ذلیل کاموں میں ہوا کرتی ہیں اور علم کا تو یہ ہی کہ ثاتم اور دلتھ تو یقیناً اور شاید ہیلتھ بھی اِن سب کو سیکریفائس کرو تب کہیں جاکر علم حاصل ہو تو ہو اور جب علم حاصل ہوگیا تو اُسکے فائدے ایسے ہی یقینی ہیں جیسے دنیا کے دوسرے نتائج مثلاً کشش سے پتھر کا زمین پر گرنا یا لکڑی کی ناؤ کا پانی پر تیرنا اور اگر نتائج اسباب سے تخلف کیا کریں یعنے اسباب موجود ہوں اور نتیجے کبھی مترتب ہوں اور کبھی نہ ہوں تو دنیا دار الاسباب کیوں ہی اور نظام عالم سارا درہم برہم اور مختل ہوجائے۔ اور یہ جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کو جستجوے معاش میں حیران و سرگردان پڑے پھرتے دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ تعلیم بے سود ہی۔ یہ تو خود اِن ہی کی غلطی ہی انہوں نے معاش کے لیے علم پڑھا اور پھر ایک طرز خاص یعنی نوکری کی لکیر کے فقیر ہوکر بیٹھ رہے کسی کا کیا اچھا مقولہ ہی کہ پانی کو اکٹھا ہونے دو پھر وہ اپنا رستہ آپ کرلیگا۔ دنیا کے اعتبار سے ہماری اور اہل یوروپ کی حالت میں جو تفاوت ہی وہ اجلی البدیہات ہی۔ سب کو سوجھ پڑتا ہے کہ اُنکو ترقی ہی اور ہمکو تنزل۔ وہ مالدار ہم مفلس۔ وہ حاکم ہم محکوم۔ وہ لائق ہم نالائق۔ وہ ہنرمند ہم بے ہنر۔ وہ اقبالمند ہم بدبخت۔ غور کرکے دیکھا کس نے؟ خود گورنمنٹ نے جسکو یقین جانو ماں باپ کی طرح ہماری پرداخت منظور ہی۔ اور ہم میں سے اُس نے

---

۹۱ لوگوں کو نافع تر ۱۲ ۹۲ خدا کے نزدیک مقبول تر ۱۲ ۹۳ مرض کو ابتدائی حالت میں روکنا علاج سے بہتر ہے ۱۲ ۹۴ علم سیاست مدن ۱۲ ۹۵ وقت اور دولت ۱۲ ۹۶ تندرستی ۱۲ ۹۷ صدقہ ۱۲

جنکو خدا نے دردمند دل اور آنکھیں بصیرت دی ہو کہ ہم میں اور اہل یوروپ میں صرف ایک ہی وجہ فارق ہو تعلیم۔ کہ وہ عالم ہیں اور ہم جاہل۔ چنانچہ جس رستے سے اہل یورپ معراج الکمال کو پہونچے تھے اُسی ڈھرے کو لگا دیا۔ صاف دل سے متوکلاً علی اللہ آنکھیں بند کیئے چلے جاؤ منزل مقصود کو پہونچوگے اور ضرور پہونچوگے اور اگر یہ صلاح سمجھ میں نہیں آتی تو تم خود کوئی تدبیر سوچو۔ چشم ما روشن دل ما شاد۔ غرض تو تمہاری اصلاح حالت سے ہی سید احمد خاں اسمیں عذر کریں یا بُرا مانیں تو میرا ذمہ۔ اور اگر انگریزی تعلیم دنیا یا دین میں مضر ہو تو کو دن اور کندہ ناتراش سے کہ بہت کچھ دیکھ چکے ہو کچھ کسر باقی ہی تو اور دیکھ لو مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ ھَلْ یُذْھِبَنَّ کَیْدُہٗ مَا یَغِیْظُ۔ تمہارے آگرے میں ایک صاحب اس وجہ بندے کے ہمنام ہو گذرے ہیں نظیر اکبرآبادی۔ من وجہ میں نے اسلیئے کہا کہ نظیر اُنکا تخلص تھا اور میرا نام ہی۔ اُنکا تخلص ظ سے تھا۔ اور میرا نام ذ سے ہی۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی ہی یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہی ؎

کونا سے نکلے کو بچا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

وہ تعلیم جسکی ضرورت ہی اور جو یقیناً مفید ہوگی اور جسکے ہوتے ناکامیابی ہو ہی نہیں سکتی وہ سمیٹرنگ آف انگلش نہیں ہی بلکہ وہ سونٹا سائینٹفک نالج ہی۔ لیکن ذرا انصاف سے دل میں سوچو کہ ہم لوگوں نے ابھی تک سمیٹرنگ کے سوا کچھ اور بھی سیکھا ہی اور بڑبڑانا یہ ہی کہ ہائے ہمکو راتھس چائلڈ کی سی دولت کیوں نہیں ملتی ؎

عمل ایں و انگشت لب نغمہ پرداز کہ مسکیں ایں ندارد آں ندارد

ارادے بڑے ہمتیں قاصر۔ کام بنے تو کیونکر بنے۔ قومی تعلیم مونہ سے کہہ دینے کو تو دو لفظ ہیں مگر ہندوستان میں قوم عبارت ہی چھ کروڑ آدمیوں سے اور تعلیم سے مقصود ہی اس چیز کا سکھانا جس سے ان کے کان آشنا نہیں اور کان آشنا نہونے کے علاوہ طلب صحیح پر دیر طلب۔ اور لوگ کارہ اور متنفر۔ یہ سب باتیں پیش نظر ہیں تو یاس و ناامیدی کا کوئی محل نہیں۔ بڑے کام اسی طرح تدریج کے ساتھ ہوتے ہیں اور اسی طرح تدریج کے

ھ جس کو یہ گمان ہو کہ دنیا اور آخرت میں خدا اسکی مدد نہیں کرے گا۔ تو چاہیئے کہ آسمان میں ایک رسی لٹکائے اور پھانسی لے کر مر رہے اور دیکھے کہ اُس کی تدبیر سے اُس کی شکایت رفع ہوئی ۱۲ ھ انگریزی کی ٹوں ٹاں کرنا ۱۲
ھ کامل استعداد علمی ۱۲ ھ ٹوٹی پھوٹی بولی بولنا ۱۲
ھ ولایت کا ایک مشہور دولت مند تھا ۱۲

کے ساتھ ہونگے - جتنا گڑ ڈالا ہی اتنی مٹھاس بھی ہی. لوگ کامیابی کی مثالوں سے تو قطع نظر کر لیتے ہیں اور نا
کامیابی کے شواہد نصب العین رکھتے ہیں جس سے اُنکے دل شروع سے ٹوٹ جاتے ہیں - اور یہی شکستہ دلی
آخر کار اُنکی ناکامیابی کا سبب ہوتی ہی افسوس ہی کہ مسلمانوں میں نام و نمود کے سلف میڈ لوگ کم ہیں مگر الحمد للہ
ہیں اور میں جانتا ہوں کوئی پراونس بلکہ ڈسٹرکٹ ایسے متعدد مسلمانوں سے خالی نہیں تو جو شخص پڑھتا ہے
وہ اِس اذعان کے ساتھ پڑھے کہ ان ناموروں میں سے ایک میں بھی ہونگا اگر اُسکا اذعان پکا ہی تو اسکا میں
یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس فہرست کے فرسٹ ڈویژن نہ ہوگا تو سیکنڈ میں ضرور ضرور ہوگا - اور میں کیا یقین
دلاؤنگا خدا یقین دلاتا ہی انی لا اضیع عمل عامل منکم اذعان رکھوگے تو محنت بھی کروگے - اور محنت کروگے
تو کامیاب بھی ہوگے - خدا کی قسم ہوگے - ایک تو میں قدر و جب سے زیادہ لیاقت کی قیمت لگانے سے منع
کرتا ہوں اور ایک اہل یوروپ کے ساتھ ہمسری کے خیال سے کہ ان دونوں کا انجام ہی ناامیدی اور ناامیدی کا
بیدلی - اور بیدلی کا حرمان - اسکو خدا کی طرف سے فیصل شدہ سمجھو کہ ہم کتنا ہی دوڑیں اہل یوروپ کی گرد کو
بھی نہیں پا سکتے - ہم میں انمیں اُن دو کاشتکاروں کی سی نسبت ہی کہ ایک نے ابھی زمین میں ہل چلانا شروع
کیا ہی اور ایک کاٹ گاہ کر غلہ کھتّوں میں بھر رہا ہی شتّان بینہما مگر ہاں دنیا کا روٹیشن اسی طرح پر چلا آیا ہے
کہ ایک قوم کی مفلسی اور تباہی حد غایت کو پہونچتی ہی - خدا اُنکے دلوں میں ارادے پیدا کرتا ہے اور وہ قوم دولت کے
کمانے پر کمر بستہ ہوتی - جب وہ دولت پر پورا قبضہ پالیتی ہی - تو عیش و آرام طلبی میں پڑکر غافل اور کاہل ہو جاتی
اور ترقی کے عوض رجعت قہقری کرنے لگتی اور چکر کھا کر پھر مفلسی پر آگرتی ہی - کوئی نہیں جانتا کہ اِس روٹیشن میں
ہم کس جگہ ہیں اور اہل یوروپ کس جگہ - موجودہ حالت تو یہ ہی کہ اہل یوروپ فل سپیڈ سے ترقی کی طرف چلے
جا رہی ہیں اور ہم نہیں معلوم گر کر تہ نشین ہو چکے یا ابھی اور گرنا تقدیر میں ہی - یا سید احمد خاں اور ان ہی جیسے
دردمندان قوم کے سہارا لگانے سے اگر کوئی ہول کچھ اُبھرنے لگے ہیں - مفلسی و محکومی بھی کیا بری چیز ہے
انسان میں جو عیب واقعی ہیں اُنکے ظاہر ہو جانے تک کا تو مضایقہ نہیں جو عیب نہیں ہیں وہ بھی تو ناحق اور ناروا
مڑھے اور تھوپے جاتے ہیں - یہ بالکل سچ ہی کہ اسوقت تک انگریزی تعلیم کا ماحصل نوکری ہی اور اس میں بھی
پوری کامیابی نہیں - اور یہی نہیں کہ نہیں بلکہ کبھی ہوگی بھی نہیں - کیونکہ ڈمانڈ سے زیادہ سٹاک بھرتا چلا جاتا ہی

ف۱ جنہوں نے اپنی کوشش سے اپنی حالت کو بہتر کیا ہو ۱۲ ف۲ صوبہ ۱۲ ف۳ ضلع ۱۲ ف۴ اول درجہ ۱۲ ف۵ دوسرا درجہ ۱۲
ف۶ میں کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا ۱۲ ف۷ دونوں میں بڑا فرق ہی ۱۲ ف۸ دورہ ۱۲ ف۹ تیز رفتار ۱۲ ف۱۰ طلب ۱۲ ف۱۱ ذخیرہ ۱۲

اب سوائے اسکے کہ ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوکری کے علاوہ معاش کے دوسرے دروازے کھٹکھٹائیں اور کوئی تدبیر نہیں۔ اور کیا ایسی موٹی بات اِن طالب علموں کو نہ سوجھتی ہوگی۔ ضرور سوجھتی ہوگی مگر سب سے بڑی مشکل آن کر پڑی ہی کامپٹیشن[1] کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ نیٹو[2] سکالرز خلقۃً ڈل اور ڈمس اور کاہل ہوتے ہیں انکے دماغ ہی غور کے لائق نہیں بنائے گئے۔ ایجاد و اختراع سے اُنکو مناسبت ہی نہیں بعض کی رای ہی کہ انکی تربیت اِن کو نکما کر دیتی ہی۔ بعض یہانتک بھی کہہ گزرتے ہیں کہ انکا مذہب ہی مانع ترقی ہی۔ میں انہیں سے کسی بات کو تسلیم نہیں کرتا سب زبردستی کے الزام ہیں۔ مگر کامپٹیشن کی لاعلاج مشکل ہی۔ اہل یورپ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہاتھیوں کے ساتھ گنّے کھانا ہی۔ اور یہ کچھ آسان کام نہیں۔ ایجاد و اختراع اہل یورپ کی گھٹی میں داخل ہی اور وہ اس فن کے منتہی ہیں اور ہم بالکل مبتدی اور نومشق۔ مارکٹ[3] میں اہل یورپ کے آگے سٹینڈ[4] کر نہیں سکتے۔ اور چونکہ کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن آخر کار ہونگے اور نہ ہونگے تو کیا کر کے کھائینگے۔ میں تعلیم کے متعلق اتنا کچھ کہہ چکا ہوں اور ابھی کچھ اور بھی کہوں گا۔ اِس سے ہرگز یہ غرض نہیں کہ میں آپ صاحبوں پر اپنا صاحب الرائے ہونا ظاہر کروں۔ بات یہ ہی کہ میں تو اِن معاملات میں غور بھی کم کرتا ہوں بلکہ نہیں کرتا۔ لیکن سید احمد خاں کے اصرار سے آکھڑا ہوا ہوں تو اپنے خیالات ظاہر کیے ہوئے بدوں رہ نہیں سکتا۔ سب سے ابھی تمہارے اس کانفرنس کے جلسوں ہی ٹھیک نہیں بیٹھے میں تو پار سال حاضر نہیں ہوا مگر یہ بات خیال میں ہی اور خیال میں ہی تو ضرور کانفرنس کی تحریرات میں نظر سے گزری ہوگی کہ فرامین شاہانِ سلف کے جمع کرنے کی تجویز پیش ہوکر منظور ہوئی۔ میں اُسوقت ہوتا تو کہتا جو کچھ زبان یاری دیتی۔ مگر اب تو مجھکو اتنا ہی کہنا منظور ہی کہ کانفرنس کے دائرے کو وسیع کر کے لوگوں کی توجہ کو منقسم کرنا ہماری حالت کے مناسب نہیں۔ بیشک شاہانِ سلف کے فرمان جو کہیں نظر پڑ جاتے ہیں تو انکے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی اور روح تازہ ہو جاتی ہی۔ سبحان اللہ اُنکے خط اور تعالی اللہ اُنکی عبارت۔ پھر کسی میں سرفرازی خدمت ہی اور کسی میں عطائے جاگیر اور کسی میں نوازش خطاب اور کسی میں تقرر منصب اور ظاہر ہی کہ یہ سب مضامین دل کے خوش کرنے والے ہیں۔ مگر بعض مجھ جیسی رو تی صورتوں کو کبھی یہ بھی خیال آجاتا ہی کہ وہ وقت وہ سمے وہ زمانے کدھر گئے لیکن بہرکیف یہ تحقیقاتیں ہیں پیٹ بھرے کی باتیں۔ ہمکو تو اپنی تمام توجہ صرف ایک ہی امر میں محصور رکھنی چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے لوگ انگریزی پڑھیں انگریزی پڑھنے سے خدا نہ

[1] مقابلہ ۱۲ [2] ہندوستانی طالب علم ۱۲ [3] بازار ۱۲ [4] مقاومت ۱۲

نہ خواہی انگریزوں کا سا مذاق پیدا ہوگا، اور اس طرح کی تحقیقات میں ضرور مزہ ملیگا کہ آدمی اصل میں بندر تھی
اور بمرورِ زمانہ دُم ندارد ہوکر ہیاۃ کذائی کے بن گئے۔ اینٹکوارینز[1] ابھی تک یہ عقدہ حل نہیں کر سکے کہ دُم
کیا ہو گئی۔ مگر جب ہمارے انگریزی خواں اس تحقیقات کے درپے ہونگے تو اُنکو فِز[2] کے پُھندنے سے بھی
کچھ نہ کچھ مدد ملیگی اسکا تو مجھکو عقیدہ ہے کہ بڑے میاں (سید احمد خاں) کو بڑی دور کی سوجھتی ہے اور جو کچھ کرتے
ہیں آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ایک نہ ایک دن مسلمانوں کے حق میں اسکا فائدہ مترتب ہو کر رہیگا
مگر کیا کروں میں کچھ ایسا ڈل[3] ہوں کہ مجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا شعر

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ۔۔۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

لیکن خدا کا فضل ہے کہ اتنے سارے خیرخواہان اسلام جمع ہیں جو اس سردی میں دور دور سے اسی لئے تشریف
لائے ہیں کہ اپنی بدنصیب قوم کی تعلیم کا انتظام کریں۔ افسوس ہے کہ اس جم غفیر کی سعی مشکور نہو۔ مگر یوں کہو
کہ ابھی تک سعی کا اسلوب ٹھیک نہیں بیٹھا ایک بات تو میری سمجھ میں آتی ہے کہ لکچرنگ[4] اور سپیچیفائنگ[5] اور آریٹری[6]
ان سب کو تو رکھا جائے بالائے طاق اور کانفرنس کا ماٹو[7] ہو ڈیڈز[8] اینڈ نو ورڈز کانفرنس کے اجلاس کی
ترتیب اس طور پر ہو کہ پراونس اور ضلع ایک دوسرے سے متمیز ہو سکے۔ ہر ضلع کے ریپرزنٹیٹو[9] ایک تحریری فہرست
داخل کریں کہ آئندہ سال کے لئے کون کام وہ اپنے واسطے تجویز کرتے ہیں اور کون کون اس کام کا بیڑا اٹھاتا ہے
پھر دوسرے برس جب کانفرنس جمع ہو تو پچھلے برس کی کارروائی کا نتیجہ دکھائیں کہ کیا کہہ گئے تھے اور کیا کر کے
لائے۔ اسی کی رپورٹ ہو اسی کی کیفیت اسی میں غور ہو اسی پر بحث۔ اسی طرح ہر کانفرنس میں کارروائی ہوتی
رہی۔ تب تو کچھ کام چلیگا ورنہ گستاخی معاف اس ماکری[10] آف کانفرنس سے نہ ابتک کچھ ہوا اور نہ کچھ ہونے کی
اُمید۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ ہول برٹش انڈیا بلکہ برٹش انڈیا سے باہر دور دراز ملکوں میں شہرت ہو کہ ہم
اتنے مسلمان ہر برس مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور حقیقت یہ کہ سید احمد خاں کی
ذاتی کوششوں کے نتائج سے قطع نظر کرو تو نل[12] آر نکسٹ ٹو نل اب شاید کوئی ایسا ہی قسی القلب ناحسان مند
احمق دشمن اسلام مسلمان ہوگا جو سید احمد خاں کا مرنا چاہتا ہو مگر سید احمد خاں مسلمانوں کے رفارمر! اس میں
مجھکو تھوڑا سا کلام بھی ہے مسلمانوں کے خیرخواہ ہونے سے امارٹل[13] تو نہیں ہوگئے۔ ہمنے ان کے جیتے جی

---

[1] حالات زمانہ سابق کے تحقیق کرنے والے ۱۲ [2] رومی ٹوپی ۱۲ [3] سست ۱۲ [4] لکچر دینا ۱۲ [5] سپیچ دینا ۱۲ [6] فصاحت و بلاغت ۱۲
[7] شعار ۱۲ [8] فعل چاہیئے نہ قول ۱۲ [9] وکلا ۱۲ [10] کانفرنس کی ہنسی ۱۲ [11] تمام ہندوستان ۱۲ [12] کچھ نہیں یا کچھ نہیں کے قریب ۱۲

کون سے قلعے فتح کر لیئے کہ انکے مرنے سے اس کھیل کے ٹھنڈے ہو جانیکا خوف کیا جاوے۔ جیسا حال کانفرنس کا ہی ویسا ہی بلکہ اس سے بدتر بہت بدتر نہایت بدتر علی گڈھ کالج کا تھا۔ جس وقت سید احمد خاں نے کالج کا چندہ شروع کیا ہی سید احمد خاں کے بزعم فرینڈز یعنی حواریین کا تو حال معلوم نہیں مگر میں خیال کرتا ہوں کہ جسنے سُنا ہی کہا سُنا ہی کہا جنون دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل سمجھا۔ اب ہی کالج ہی کہ ماشاءاللہ اسکا ایک عظیم الشان کارخانہ ہی۔ کالج پر قیاس کرکے میں کہتا ہوں کہ اس کانفرنس میں بھی کچھ بھیا ہی اور یہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنا رنگ لاتے گا پر لائے گا اور تعلیم کی دنیا میں ایک پوری ہوگا۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت تک سید احمد خاں کا ہاتھ بھی اُسکے سر پر ہوگا یا نہیں۔ کالج تو ایک پکی پکائی رسوئی تھی سید محمود جائنٹ سکرٹری بنکر پروسنے میں باوا کا ہاتھ بٹولنے کو آ کھڑے ہوتے۔ کانفرنس میں رسوئی کے پکنے اور پروسنے اور چیھنے کا کیا مذکور ہی۔ ابھی چولہے کی گوبری تک بھی نہیں دی گئی۔ پس سید احمد خاں کو مدد کی بڑی ضرورت تو کانفرنس میں ہی۔ کانفرنس تو ایسی چیز ہی کہ اگر اسکی کارروائی ٹھیک طور پر ہو تو کالج درکنار یونیورسٹیوں کو بلکہ گورنمنٹ کے ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ کو ڈکٹیٹ کرے مگر لوگوں نے ابھی کانفرنس کی ماہیت کو نہیں سمجھا حقیقۃ الحال تو نہیں ہی مگر کہنے میں اسی طرح آتا ہی کہ خدائے تعالیٰ آدمی کو پیدا کرکے فارغ ہو جاتا ہی یعنی اُس پروردگار نے آدمی کو اس طور کا بنایا کہ اُس میں چند قوتیں ودیعت رکھدیں اور اُسکو پورا اختیار دیا کہ ان قوتوں کو کام میں لا کر ترقی کرے۔ اس وقت تک کسی پر منکشف نہیں ہوا کہ آدمی کس حد تک ترقی کر سکتا ہے

قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از ملائک سرشتہ وز حیوان

گر کند میل این شود کم ازین — ور رود سوے آن شود بہ ازان

ہر کیف ترقی و تنزل دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے۔ انسان کی اپنی ہی کوشش یا غفلت کا نتیجہ ہی۔ اور یہ بات مسلمات بلکہ یقینیات سے ہی کہ جن قوتوں کے ذریعے سے انسان ترقی کر سکتا ہی انکو صرف تعلیم ڈویلپ کر سکتی ہی پس خدا میں اور تعلیم میں وہ نسبت ہوگی۔ جیسے ایک مصور نے خاکہ بنا دیا اور دوسرے نے اُس میں خال و خط پیدا کیا۔ نوک پلک نکالی۔ رنگ و روغن بھرا۔ لباس پہنایا۔ آئینہ چوکھٹا لگایا۔ تو جو لوگ اپنے ابنائے جنس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں گویا ان اغراض کی تکمیل کرتے ہیں جنکے لیئے انسان پیدا کیا گیا ہی۔ کانفرنس کو اُس کی ریزلٹ میں دیکھنے کا یہ طریقہ ہی جو میں نے عرض کیا۔ اب فرماؤ کہ اتنے بڑے کام کے سرانجام کے لیئے کیا اہتمام

۱ ملاقات ۱۲ ۲ سررشتہ تعلیم کا محکمہ ۱۲ ۳ راہ بتلاتے ۱۲ ۴ ترقی ۱۲ ۵ حالت اصلی ۱۲

کرنا چاہیئے کئی برس سے اسکا بھی غل پچ رہا ہی کہ ٹکنیکل ایجوکیشن کو عام تعلیم کے پروگرام میں شامل کرنا ضرور ہی اور ٹکنیکل ایجوکیشن عام تعلیم کے پروگرام میں شامل ہوئی تو خواہی نخواہی کانفرنس کے پروگرام میں بھی اسکو لینا ہوگا لیکن میں بوجوہ چند در چند اسکا سخت مخالف ہوں یعنی تو سرے سے کانفرنس کی حدود کی توسیع ہی کو پسند نہیں کرتا طلب الکل[۲] فوت الکل و دوسرے ٹکنیکل[۳] ایجوکیشن ہی کیا چیز عمل بالبدیہ جسکو فلسفہ اور اخلاق کی کتابوں میں حکمت عملی سے تعبیر کیا ہے سو ظاہر بات ہی کہ بدون علم کے عمل ہو نہیں سکتا یہ جو لوگ مثلاً کلیں ایجاد کرتے ہیں اولاً انکے اصول کے مطابق جو اُن کو پہلے سے معلوم ہیں ایک منصوبہ سوچتے ہیں۔ پھر اُسکو بنا کر چلا کر دیکھتے ہیں اور جو کور کسر رہجاتی ہی غور کر کے اُسکی اصلاح اور تکمیل کرتے ہیں تب کہیں جاکر کام نبتا ہی۔ یہاں سرے سے علم ہی نادارد ہی ع ذہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غائب ہی گریباں سے ✤ منصوبہ سوچیں کیا خاک اور عمل میں لائیں کیا اپنا سر بدون علم کے ٹکنیکل لائن میں صرف نقالی ہو سکتی ہی۔ اور اس سے کوئی ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ ورنہ ہر ایک کل میں جتنے لوہار بڑھئی قلی مزدور کام کرتے ہیں سب انجینیر ہو جایا کریں اور ایسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہی بدون سائنس کے ٹکنیکل انسٹرکشن کچھ کام نہیں آ سکتی۔ اور سائنس ہی وہ چیز ہے جس سے ہماری قوم کے کیا جوان کیا بوڑھے کوسوں بھاگتے ہیں مسلمانوں کی دنیوی مشکلات دیکھکر بعض وقت بڑا ہی ترس آتا ہی کہ یا الٰہی یہ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور پھر بھی کبھی کچھ پنپینگے۔ زمانے کا رنگ ان کی نادانی اور بے سامانی یہ سب خیالات ہجوم کرتے ہیں تو اندر سے جی بیٹھا چلا جاتا ہے اور ہر چند دفع کرو چار طرف سے یہی آواز آتی ہی ع ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں ✤ یہ نہیں کہ انکی درستی کی تدبیریں نہیں ہیں اور پریکٹیکل[۴] بھی ہیں مگر چونکہ ان ہی کے کرنے کی ہیں قریب قریب اِمپاسبل[۵] ہیں۔ جنکے سنبھالے دنیا نہ سنبھالی جائے۔ اُن کو دین و مذہب کی ذمہ داریاں یاد دلانا وہی مثل ہی کہ مرتے کو مارے شاہ مدار شعر

مفلس کہ اُس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اُسکے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

لیکن اس سے کہ ہم ذمہ داری کا خیال نہ کریں وہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی۔ اِسکے نتیجے ہمکو بھگتنے ہونگے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ سوچیں یا نہ سوچیں۔ اس کارخانۂ دنیا میں یہ نہیں کہ ہمکو اختیار نہیں ہی مگر گویا کہ نہیں ہے تو جو باتیں ہمارے اختیار سے خارج ہیں با انتظام الٰہی کے مطابق اپنے وقت پر ہو کر رہیں گی ہم چاہیں یا نہ چاہیں مثلاً یہ تو بیشک ہمارے اختیار میں ہی کہ موت کا خیال دل میں نہ آنے دیں اور نہیں آنے دیتے اور آنے

---

۱ تعلیم عملی ۱۲ ۲ کل کے در پے ہونے کا نتیجہ ہی کہ کل فوت ہو ۱۲ ۳ تعلیم حرفت وصنعت ۱۲ ۴ عملی ۱۲ ۵ ناممکن ۱۲

دیتے تو دنیا کا کچھ اور ہی رنگ ہوتا۔ مگر ہمارے خیال نکرنے سے موت تو سر سے نہیں ٹلتی۔ وہ ایسے دبے پاؤں چلی آرہی ہی کہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ وہ اُسکے کتنے پاس آپہونچی ہی۔ اور کس وقت کس جگہ کس حالت میں اسکا ٹینٹوا آدبا ئے گی وَمَا تَدرِی نَفسٌ بِاَیِّ اَرضٍ تَمُوتُ ان ہی دنیا اور دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے اللہ جل شانہ فرماتا ہی اِنَّا عَرَضنَا الاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَالجِبَالِ فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَھَا وَاَشفَقنَ مِنھَا وَحَمَلَھَا الاِنسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُومًا جَھُولًا ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ خدا کی طرف سے فرمان لِیَغفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعمَتَہٗ عَلَیکَ وَیَھدِیَکَ صِرَاطًا مُّستَقِیمًا وَّیَنصُرَکَ اللّٰہُ نَصرًا عَزِیزًا مل چکا تھا مگر ساری عمر وہ ٹھٹھا مار کر ہنسی جسکو قہقہہ کہتے ہیں اور جسکی شان میں تمیت القلب آیا ہی ہنسنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ہمہ وقت سوچ میں رہتے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے صحابہ کرام کے یہ مقولے بروایت صحیحہ ہم تک پہونچے ہیں کہ ایک کہتے تھے کہ اے کاش میں پتھر ہوتا۔ دوسرے آرزو کرتے تھے کہ گھاس ہوتا جانوروں نے چرا اور لید اور مینگنی اور گوبر کرکے نکال پھینکا۔ ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے کسی نے انسان کے حق میں کہا ہی مسکین ابن آدم ای مسکین ذبح بغیر سکین ان ہی دین و دنیا کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے شاعر کہتا ہے ؎

پیمانہ ہو کے آتا کسی بادہ کش کے کام آدم بنا کے کیوں میری مٹی خراب کی

ان ہی دنیا و دین کی دوہری دوہری ذمہ داریوں کے اعتبار سے لوگوں نے جوگ اور سنیاس اور رہبانیت کے طریقے اختیار کیے اگرچہ اس طریقے کو اسلام نے جائز نہیں رکھا اور سچا جائز نہیں رکھا لیکن اس سے اتنا پتہ تو چلتا ہی کہ جن لوگوں نے دنیا و دین کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح جانچا اور تولا ان میں بہتیرے ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے اپنے میں اس جوڑی کے ہلانے کی طاقت نہ پا کر اس ریاضت سے جان چرائی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ رہبانیت کے طریقے میں مشقت زیادہ ہی لیکن یہ خیال بالکل غلط ہی میں نے

لـ کسی شخص کو خبر نہیں کہ کہاں مریگا ۱۲ ـکـ ہمنے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا اُنھوں نے اُس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُسکو اُٹھا لیا وہ بڑا جفا کار اور نادان ہی ۱۲ ـسـ تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور تمکو سیدھا رستہ دکھائے اور تمکو غالب فتحمندی دے ۱۲ ـعـ دل کو مار دیتا ہی ۱۲ ـ۵ـ آدمی بڑا مسکین ہی جسکو بے چھری حلال کیا

آزمایا نہیں اور خدا نہ کرے کہ کوئی بھلا آدمی آزمائے۔ مگر سُنا ہی کتابوں اور اخباروں میں پڑھا ہی کہ شراب کا نہ پینا چنداں مشکل نہیں جتنا کہ پینا اور اُس میں اعتدال کا لحاظ رکھنا۔ غور سے دیکھا جائے تو رہبانیت بڑے دھوکے کی ٹٹی ہی۔ اس میں قانون قدرت کی صریح مخالفت ہی اور وہ کسی طرح چل نہیں سکتی قطعہ

اے ذوق کریگا کوئی دنیا کیا ترک — دنیا ہے بُری بلا ارے کیسا ترک
ممکن نہیں ترک ہو کسی سے دنیا — جب تک کرے آپ اُسے دنیا ترک

اور شاید باحتمال ضعیف کسی گیانجان راہب کا کچھ گھر نکال کر چلی بھی تو لازم آتا ہے ابطال حکمت الٰہی کیا خوب فرمایا ہی [1] ولو نشاء لجعلنا منکم ملٰئکۃ فی الارض یخلفون۔ پس یہ شرط عبودیت نہیں اور ہونی چاہیئے بھی نہیں کہ ہمکو بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں پھر یا بنایا آدمی اور ہم بننا چاہیں فرشتے۔ بلکہ جیسا آدمی بنایا ہی ایسی آدمیت کی شان میں رہنا ہی عبودیت ہی۔ اگرچہ اسلام نے رہبانیت کے مٹانے میں کمی نہیں کی اور بانی اسلام نے باواز بلند پکار دیا کہ [2] لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ مگر انسان کچھ اس طرح کا مخلوق ضعیف اور ڈھل مل یقین اور متزلزل ہی کہ وہ درجہ توسط و اعتدال پر قائم رہ نہیں سکتا شعر

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اب عموماً دو قسم کے مسلمان پائے جاتے ہیں یا رہبانیت لیئے ہوئے جو زاہد اور تارک الدنیا ہو کیا سکتے ہیں ملک بننا اور بنانا چاہتے ہیں اور یہ ہمارے زمانے کے علما اور مشائخ اور اُنکے شاگرد اور مرید ہیں اُن کی تعلیم کا ماحصل ہی دنیا سے گریز دنیا سے نفرت یعنی وہی رہبانیت۔ دوسرے وہ ہیں اور یہ پہلے گروہ سے شمار میں بہت زیادہ ہیں جنکی نسبت اللہ تعالیٰ پیغمبر صاحب سے فرماتا ہی۔ فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذٰلک مبلغھم من العلم جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور دنیا کی زندگی کے سوا اُسکو اور کچھ درکار نہ ہو ایسے لوگوں کو منہ مت لگاؤ اُنکے علم کی رسائی یہیں تک ہی۔ میرا خیال ہی کہ مذہب انسان کے کانسٹیٹیوشن میں دخل ہی اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تا ہم میں بزور سے آپ صاحبوں کو مذہب کیطرف متوجہ کرتا ہوں اسلیئے کہ تعلیم کیسی ہی مکمل کیوں نہ ہو مارلز [3] کے بدوں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی اور مارلز بدوں مذہب کے درست نہیں ہو سکتے۔ بیشک سائنس کو مارلز کے فارمیشن [4] میں دخل عظیم ہی۔ لیکن جو مارلز صرف سائنس کے انفلوئنس [5] پر مبنی

[1] اور اگر چاہتے تو ہم تم میں سے ایسے فرشتے بنا دیتے جو روئے زمین پر خلافت الٰہی کرتے ۱۲ [2] اسلام میں جوگ اور سنیاس نہیں ۱۲ [3] اخلاق ۱۲ [4] بناوٹ ۱۲ [5] دباؤ ۱۲

ہوں راسخ نہیں ہوسکتے کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت اگر
دین و مذہب سے الگ رہکر لوگوں کو تعلیم دیجاتی ہے تو میرے نزدیک اسکی ایسی مثال ہوگی کہ چلبلے اور شریر لڑکے
کو راجرز کا چاقو کھیلنے کے لیئے پکڑا دیا جاتا ہے وہ ضرور اپنا ہاتھ کاٹ کر رہیگا۔ اگرچہ تعلیم کا ابورج تھوڑا ہی مگر
اب بھی ایسی مثالیں بہت ہیں کہ کالج یا اسکول سے نکلکر لوگ آفٹر لائف میں تعلیم سے راحت کی جگہ طرح طرح
کی ایذائیں پاتے ہیں اور اسکا یہی سبب ہوتا ہی کہ مار انکی خبرگیری نہیں کی گئی۔ بیشک مذہب میں ایسی بھی
بہت سی باتیں ہیں جنکو تمدن سے کچھ علاقہ نہیں۔ لیکن واقع میں مذہب اور خاصکر مذہب اسلام ایسا جامع
دستور العمل ہی کہ کسی حالت کا آدمی ہو مرد اور عورت عالم اور جاہل تونگر اور مفلس تندرست اور بیمار مقیم اور مسافر
حاکم اور محکوم لاولد اور صاحب اولاد مجرد اور متاہل اسکو تمام زندگی میں جو کچھ کرنا ہی اس دستور العمل میں اس کے
لیے ہدایت موجود ہی۔ خدا کو جب بنی نوع انسان کی اصلاح منظور ہوئی تو اُسنے ایسی خراب سوسائٹی میں جس سے
بدتر اُسوقت روئے زمین پر کوئی قوم نہ تھی اپنے سچے اور سادہ اور بے تکلف اور غیر متصنع پیغمبر یعنی فطرت کے
کامل ترین نمونہ کو بھیجا اُنکے اقوال اور افعال سب قرآن اور حدیث میں مدون اور منضبط ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا
ہی کہ جس طرح کوئی شفیق باپ ہمہ وقت اپنے اکلوتے بیٹے کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا اور وقتاً فوقتاً بات
بات میں اُسکو روکتا ٹوکتا رہتا ہی۔ ہیں سلام نہیں کیا۔ انھوں نے مزاج پوچھا تھا تو تمکو کہنا چاہیئے تھا الحمد للہ
جب کھانسی یا جمائی لو تو موںھ پر ہاتھ رکھ لیا کرو۔ بعینہ یہی بلکہ اس سے بہت بڑھکر حال تھا پیغمبر خدا صلعم کا
اپنی امت کے ساتھ۔ چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے ہماری تعلیم و اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہیں کیا حتی علمنا الخراءۃ۔ پس مذہب خون کی طرح ہماری سوسائٹی کے رگ و پے میں پیٹھا ہوا ہی۔ اور اگر ہم
تعلیم کو مذہب سے مجرد کرنا چاہیں تو پھر نہ اسلام ہی نہ نیشنیلٹی ہی اور نہ سوسائٹی کچھ بھی نہیں۔ مسلمانوں کی فوقیت
اگر کوئی مجھسے پوچھے تو میں سوا اسکے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ایک گروہ مذہبی ہی ان میں ذات اور جماعت
بھی امتیاز ہی مگر عند اللہ معتبر نہیں۔ یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا و قبائل
لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ سکنڈری اسباب جو کچھ ہوئے ہوں اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں
کی ہستی اور ترقی و عروج کا پرائمری کاز جوش مذہبی تھا لیکن کس قسم کا جوش مذہبی کیا اس قسم کا کہ دنیا سے بھاگ

اس کی مثال مکڑی کی سی ہی جسنے ایک گھر بنایا اور گھروں میں سب سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا ہی ۱۲ بوڑھا۔ اوسط ۱۲ زندگی مابعد ۱۲
یہانتک ہمکو سنجا کرنا تک سکھا دیا ۱۲ قومیت ۱۲ تعریف ۱۲ لوگو جنے تمکو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہارے گروہ اور جتھے بنائے تاکہ

اور اُسکو طلب نہ کرو اور اُسکے طلب کرنے کی تدبیریں عمل میں نہ لاؤ۔ صرف بڑی بڑی لمبی نمازیں پڑھو ڈھیر سارے روزے رکھو۔ اگر ایسا ہوتا تو آج شاید مکے مدینے میں بھی اسلام ڈھونڈھا نہ ملتا۔ نہیں نہیں نماز روزے کے علاوہ ایک اور ضروری مطلب انکے پیش نہاد خاطر تھا جسکے لیئے وہ سخت سے سخت مشقتیں اُٹھاتے جسکے لیئے وہ جان تک کے خرچ کر دینے میں مضایقہ نہ کرتے اور جسکے لیئے بمجبوری وہ نماز کو بھی قضا کر دیتے وہ کیا مطلب تھا۔ "جہاد فی سبیل اللہ" یا ملک گیری یا اعلاء کلمۃ اللہ یا طلب دنیا جن لفظوں سے چاہو تعبیر کر لو۔ مگر طلب دنیا اس مذموم پیرایے میں نہیں جو ہمنے اختیار کر رکھا ہی۔ عاقبت کو تباہ دین کو برباد کیے غرض اعلاء کلمۃ اللہ کی وہ ایک شان تھی۔ جسکی نہ اب ضرورت اور نہ اُسکا موقع و محل۔ مگر کلمۃ اللہ ویسا ہی محتاج اعلاء ہی بلکہ مع شی زائد جیسا پہلے تھا۔ ہاں اُس شان سابق کو بدل دینا ہوگا۔ اسواسطے کہ خدا نے اپنی شان بدل دی کل یوم ھو فی شان ہمکو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے جو شان اختیار کرنی ہوگی یہ ہی کہ صمیم قلب سے اُمپرس وکٹوریہ کی وفادار رعایا رہکر۔ دنیوی عزت اور دولت کے پیچھے ستو باندھکر پڑیں۔ اور کامپٹیشن میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور یہ بدون اسکے ہونا نہیں کہ جو پڑھ سکتے ہیں جی لگا کر پڑھیں کیا انگریزی زبان اور انگریزی سائنس۔ اور جو خود نہیں پڑھ سکتے دوسروں کو خرچ دیں اور پڑھوائیں۔ اسلام کے سبھی رولز گولڈن ہیں خاصکر انما الاعمال بالنیات کے دو ہی لفظوں میں دنیا اور دین اور شریعت اور طریقت اور ظاہر باطن سب کا خلاصہ موجود ہی۔ جناب پیغمبر خدا صلعم کے خصائص میں سے جوامع الکلم بھی ہیں اور جوامع الکلم کی فہرست میں یہ حدیث سرے پر ہی اور اسکے متواتر ہونے پر بھی اجماع ہی۔ مگر اسکے معنی کیا ہیں۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اعمال کے حسن و قبح کا مدار نیت ہی۔ اس میں اس زمانے کے مولویوں کے لیئے بڑی بکار آمد ہدایت ہی۔ یہ لوگ ظاہر پر بڑا زور دیتے ہیں جس سے عوام اسی کو مقصود بالذات سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ حدیث انما الاعمال بالنیات پکار رہی ہی کہ نیت پر زور دینا چاہیئے۔ ایک واعظ اپنے مستمعین کو مثلاً ہدایت کرتا ہی کہ پاجامہ ٹخنے سے اونچا رکھو مگر اسکی لم نہیں سمجھاتا کہ عرب کے لوگ شیخی کے لیئے اترانے کے طور پر ازار کو لٹکاتے تھے پس اس ممانعت سے حقیقت میں مقصود یہ تھا کہ لوگ شیخی نہ ماریں اترائیں نہیں اونچا پاجامہ تو بجاے خود اگر کوئی شخص گھٹنا پہنکر بھی اترا تو عند الشارع ویسا ہی مبغوض ہی جیسے مسبل الازار۔ تو جب واعظ نے صرف نیچا پاجامہ پہننے سے منع کیا اور لم نہ بتائی اُسنے تنہ درخت کی تو خبر نہ لی پتوں کے کاٹنے کے پیچھے پڑ گیا اسی طرح اس زمانے میں کفر بھٹوں

[1] ہر روز اسکی ایک نئی شان ہی ۱۲ [2] بجا بجتی کی لگوٹ دوڑ ۱۲ [3] عمدہ اصول ۱۲ [4] مدار اعمال نیت پر ہی ۱۲ [5] نیچے ازار پہننے والا ۱۲

اور سنگھاڑوں۔ اور مولیوں اور گاجروں سے زیادہ سستا ہی اگر انما الاعمال بالنیات کا خیال ہے
تو مولویوں کو ناحق کے دردِ سر سے بڑی نجات ملے شعر

بر آستانۂ میخانہ گر سرے بینی — مزن بپاے کہ معلوم نیست نیت او

ہمارے انگریزی خواں ایک خاص مشکل میں مبتلا ہیں کہ لوگ انگریزی کی طرف سے بدگمان تو ہیں ہی بُری طرح
ان نوجوان لڑکوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ انسان کی زندگی گو مختصر ہی۔ مگر اُسکے بھی حصّے ہیں بچپن ہی جوانی
ہی بڑھاپا ہے۔ کسی کی ساری زندگی ایک طرح پر نہیں گزرتی۔ ہر ایک وقت اور ہر ایک رنگ شعر

یہ عمر اور عشق بہت آزردہ جاسے شرم — حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب ہیں

ایک لڑکا جو آج کھیل کے پیچھے دیوانہ ہی۔ ایک وقت آنے والا ہی کہ وہ خود کھیل کود سے نفرت اور اپنے بیہودہ
خیالات پر اپنے تئیں ملامت کرے گا۔ جس طرح بچپن کی باتیں جوانی میں حقیر اور ذلیل معلوم ہوتی ہیں اسی
طرح جوانی کی حرکتیں بڑھاپے میں مکروہ ہو جاتی ہیں اور کیا عجب ہی کہ مرے پیچھے تمام زندگی بیصرفہ و لاحاصل
دکھائی دے شعر

واے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

تو میرے کہنے کی غرض یہ ہی کہ مذہبی خیالات اور تمکین و وقار کے واسطے بھی عمر کا ایک وقت ہی کم سے کم یہ جو
مجھ پر گزر رہا ہی۔ بلکہ میں تو تھوڑے دنوں اور بھی جوانانہ مزاج رکھنا چاہتا ہوں ع

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست

واقع میں مذہبی خیالات اور تمکین و وقار کا وقت مناسب وہ ہی جو ہمارے سید کا ہی نہایت
درجے کی بے رحمی اور بے انصافی ہی کہ ہمارے نوجوان انگریزی خوانوں سے اس طرز زندگی کی توقع رکھی
جاوے جو ارذل العمر کے لیئے شایاں ہی [۱] و منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئا [۱]

شیئان عجیبان ھما ابرد من یخ — شیخ یتصبی و صبی یتشیخ [۲]

میں مانتا ہوں کہ ان لڑکوں سے بتقاضاے عمر کچھ بے تمیزیاں سرزد ہوتی ہونگی اور اس عمر میں سبھی
ہو سکتی ہیں شاید کسی کو شاندار طور پر رہنے کا شوق ہو اور وہ ہر چیز اکسپنسو [۳] پسند کرتا ہو اور اُسکے بزرگ

---

[۱] اور تم میں سے کوئی کوئی ذلیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ جان بوجھ کر کچھ نہ جانے ۱۲ [۲] دو عجیب چیزیں ایسی
ہیں جن میں اتنی بھی گرمی نہیں جتنی برف میں۔ بوڑھا جو لڑکا بننا چاہے اور لڑکا جو بوڑھا بننا چاہے ۱۲ [۳] قیمتی ۱۲

اُسکو فضول سمجھکر بڑبڑاتے ہوں۔ یا شاید کوئی کھلنڈرا ہو یا کوئی نماز میں حاضر ہونے سے الکساتا ہو یا شاید
بے وضو بھی پڑھتا ہو یا کوئی بک صاحب کے خوف سے قرآن پڑھتا ہو اور غڑپ غڑپ لگاتا ہو۔ یہ باتیں بیشک نازیبا ہیں
مگر میرے لیئے شاید اور سرسید کے لیئے یقیناً۔ لیکن کوئی سرسید سے پوچھے کہ کیا آپنے اس عمر میں ایسی باتیں
نہیں کیں۔ ضرور کیں اور اِنسے بہت زیادہ کیں۔ لیکن اسی قسم کی باتوں سے انگریزی بدنام ہی اور کہا جاتا ہی
کہ انگریزی لڑکوں کو کرسٹان یا لامذہب بنا دیتی ہی۔ مگر ان ہی کے ہم عمر جو لڑکے نہیں پڑھتے یا پڑھتے ہیں
مگر انگریزی نہیں پڑھتے۔ ہمنے تو کسی کو اشراق و تہجد پڑھتے یا پاس انفاس کرتے نہ دیکھا نہ سُنا۔ اگر شاذ و نادر
کوئی انگریزی خواں حد عمر سے زیادہ بگڑا ہے تو یہ اُسکی اپنی طبیعت کا کھوٹ ہی جو انگریزی نہ پڑھنے کی صورت میں
کسی دوسری قبیح ترین شکل سے ظاہر ہوتا شعر

تنگیٔ دل کا گلہ کیا کہ وہ کافر دل ہی ۔۔۔ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

اس شخص نے اگر کالج میں رہکر کوٹ پتلون پہنا جو تمہارے نزدیک دخل بدعت ہی تو تمہارے ہاں رہکر
کلی دار پاجامہ پہنتا اور چھیلا بنتا۔ اِسنے اگر کالج میں رہکر کرکٹ کھیلنا سیکھا تو تمہارے ہاں رہکر گولیاں
کھیلتا پتنگ اُڑاتا بٹیریں لڑاتا۔ اگر کالج میں رہکر اِسکے مزاج میں یہ آزادی سمائی کہ جب کسی بات میں اشتباہ
ہوا گو وہ مذہبی ہی کیوں نہو بے تامل لوگوں پر ظاہر کردیا تو تمہارے ہاں رہکر وہ نفاق سیکھتا اور اپنے تئیں
معصوم اور ولی مادرزاد ظاہر کرتا۔ مگر شبہہ جو تمہارے نزدیک اصل الزام کی چیز ہے۔ اِسکا دل میں نہ آنے دینا
تو اسکے اختیار میں نہ تھا۔ ما و شما کس شمار میں ہیں اللہ تعالی پیغمبر صاحب سے فرماتا ہی فان کنت فی شک مما انزلنا الیک
فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک غرض یہ محض وہمہ بے اصل ہی کہ انگریزی تعلیم لا مذہبی سکھاتی ہی۔ اگر
واقع میں انگریزی تعلیم لا مذہبی سکھاتی ہی تو ایسی لا مذہبی سکھاتی ہی جسکا دوسرا نام اسلام ہی یضع عنہم اصرہم
والاغلال التی کانت علیہم ہم تو ایسا اسلام رکھتے ہیں یقتلون ویقتلون۔ یقتلون ہی تو ہم غازی ہیں اور
یقتلون ہی تو ہم شہید۔ لیکن جنکا اسلام صرف یقتلون ہی اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں وہ دن گئے کہ خلیل خاں
فاختہ مارا کرتے تھے اب تو ہندوستان میں بلکہ مجھے تو ایسا سامان نظر آتا ہی کہ کئے۔ سینے کی تو کہی نہیں جاتی
شاید روئے زمین پر بدون انگریزی تعلیم کے اسلام رہ نہیں سکتا۔ رہنے سے مراد عزت اور آبرو کے ساتھ

۱؎ ہمنے جو تمہارے اوپر کتاب اُتاری ہی اگر تمکو اُسمیں کچھ شک ہی تو جو کتابیں تم سے پہلے اُتاری ہیں اُن کے پڑھنے والوں سے پوچھو ۱۲ ۲؎
اُن کے بوجھ اور قیدیں جو ان پر تھیں ہلکی کرتا ہے ۱۲ ۳؎ لوگوں کو مارتے ہیں اور آپ بھی مارے جاتے ہیں ۱۲

رہنا ہی ورنہ محتاج اور ذلیل و خوار ہوکر رہنا ہی ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ[1] تو خدا
اُس دن کے لیئے سب مسلمانوں کو موت دے ہیں اگر با عقیدہ ہوں تو مجھکو عقیدہ بد کا وبال بھگتنے دو مگر
سمجھو تو سہی تمکو بد عقیدہ کرنے میں مجھکو کتنے رکعت کا ثواب ملیگا۔ بجز اصرف اخوت اسلامی اور ہمدردی قومی
کے خیال سے جو سید احمد خاں کے مونہہ دیکھنے سے تھوڑی دیر کے لیئے دل میں آجاتا ہی۔ ایک صلاح کی
بات بتاتا ہوں اور میری نزدیک آمیں کسیطرح کی قباحت نہیں اور فرض کیا کہ ہی بھی تو الضرورات تبیح المحظورات[2]
انگریزی تعلیم کے لیئے روپیہ خرچ کرو اور یہ سمجھو کہ مسلمانوں کی دنیوی حالت درست کرتے ہیں تاکہ خدا کا بول بالا
اور اسلام کی عزت ہو میں قرآن اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں کہ مرابط فی سبیل اللہ کا سا اجر ملیگا کیونکہ انما الاعمال
بالنیات لیکن ایمان ٹھکا سنے ہو تو نیت بھی درست ہو۔ یہاں نفس ایمان ہی میں کلام ہی اگرچہ کسی دوسرے کے ایمان
پر اطلاع نہیں ہو سکتی مگر اپنے اوپر قیاس کر کے یا لوگوں کے اعمال ظاہری سے پتہ چل سکتا ہی ؎

ومہما تکن عند امراء من خلیقۃ　　　　وان خالہا تخفی علی الناس تعلم

تو میں اپنے اوپر قیاس کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اسواسطے کہ مسلمانوں کے یہاں پیدا ہو کر
مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا۔ لیکن اسے کاش اسقدر مسلمان ہونے کے لیئے کفایت کرتا خدا نے اپنے کلام پاک
میں کئی جگہ مسلمان کی شناخت بتائی ہی انہیں سے ایک مختصر سی آیت پڑھتا ہوں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ[3]
اس آیت میں صرف دو ہی باتیں ہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانا اور اللہ کے رستے میں جان و مال سے کوشش
کرنا۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیئے دیکھیں کہ ہم ان دونوں شرطوں کو کہاں تک پورا کرتے ہیں اٰمنوا باللہ ورسولہ
کے نہ لفظ مشکل ہیں اور نہ کچھ معنی دقیق ہیں سب جانتے ہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان لانا یعنی خدا کا بجمیع صفات
یقین کرنا اور رسول کو سمجھنا کہ واقع میں اُن کو خدا نے بندوں کی ہدایت کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن
یقین ہی کی تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہی۔ بیشک ہمکو آگ کے جلانے کا یقین ہی ہمکو اسکا یقین ہی کہ جس کو تیرنا
نہیں آتا وہ ڈوباؤ پانی میں ڈوب جاتے گا۔ ہم کو اس کا یقین ہے کہ مثلاً دلی میں جو قطب
صاحب کی لاٹ ہی اُس کی چوٹی سے آدمی نیچے فرش پر گرے تو ہلاک ہو جاتے گا۔ یہ باتیں ہمارے
مونہہ سے اقرار کرنے کی محتاج نہیں ہمارا برتاؤ ہمارا عملدرآمد ہماری یقین کا ثبوت ہے کہتے ہیں قصداً آگ میں

[1] ذلت اور محتاجی اُنپر لازم کر دی گئی اور اللہ کے غضب کے مستوجب ہوئے ۱۲ [2] ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ۱۲ [3] مومن وہ ہیں جو اللہ

جاکر جان دیتے کتنے پانی میں ڈوب کر مرتے کتنے اوپر سے گر کر ہلاک ہوتے۔ اب اس یقین کا مقابلہ کرو اُس صرف زبانی یقین کے ساتھ کہ خدا ہے اور اُس سے ہمارا کوئی فعل کوئی قول کوئی خیال مخفی نہیں [۱] یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور وہ نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہی۔ اُسکی رضامندی ہی فوز و فلاح ہی اور اُسکی نارضامندی ابدی عذاب و ہلاکت ذرا انصاف سے کہو کہ دونوں یقینوں میں کچھ بھی مناسبت ہی۔ شیطان نے ایک نافرمانی کی تھی ابد الآباد تک راندہ گیا۔ ہم ہیں کہ صبح سے اگلی صبح تک نافرمانیوں ہی میں گزرتی ہی اور ایمان ہی کہ مصرع چوں وضوی محضرت بی بی تمیز + اسمیں کسی طرح کا ضعف یا خلل نہیں آتا۔ بہت ہی ٹھیک فرمایا ہی [۲] ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظھرھا من دابۃ و لکن یؤخرھم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلھم فان اللہ کان بعبادہ بصیرا پھر جس آیت کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی امنوا باللہ و رسولہ اسمیں ایک غضب کی قید ثم لم یرتابوا کی لگی ہی یعنی اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی طرح کا شک نہ کیا اس نے تو اور بھی رہی سہی آس توڑ دی۔ یہی مضمون دوسری جگہ دوسرے لفظوں میں بھی آیا ہی ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ یہ استقامت کا مرحلہ بڑا مشکل مرحلہ ہی۔ لیکن جیسی خدمت مشکل ہی ویسا ہی بڑا بھاری صلہ بھی ہی [۳] تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا و لا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ و لکم فیھا ما تشتھی انفسکم و لکم فیھا ما تدعون نزلا من غفور رحیم مجھے بڑا خوف ہی کہ ثم لم یرتابوا ہم لوگوں کے حق میں جو [۴] انلائیٹنڈ ویو رکھتے ہیں بڑا کڑا تازیانہ ہی کیونکہ ہم ہی لوگ مذہب میں عقل کو بہت دخل دیتے ہیں جسکا دوسرا نام ہے ارتیاب۔ اللہ میاں کے پسند ہی دین [۵] العجائز نہ دین فلاسفہ ؎

گر باستدلال کار دیں بدے فخر رازی رازدار دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

[۱] آنکھوں کی چوریاں اور دلوں کے اسرار کو جانتا ہی ۱۲ [۲] لوگ جو برائی کماتے ہیں اگر اُسپر پکڑ کرے تو روئے زمین پر کسی جاندار کو جیتا نہ چھوڑے لیکن ایک وقت مقرر تک اُنکو ڈھیل دیتا ہی۔ جب وہ وقت آجائے گا تو خدا ہی اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے ۱۲ [۳] اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ ڈرو مت اور دل کو اداس مت رکھو اور جس جنت کا تم سے وعدہ تھا تمکو مبارک ہم دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے کارساز ہیں اور جنت میں تم کو سب کچھ ملے گا جو تمہارا دل چاہے اور ملیگا جو مانگو گے خدائے بخشندہ و مہربان کی طرف سے تمہاری ضیافت ہے ۱۲ [۴] روشن خیال ۱۲ [۵] بڑھیوں کا دین ۱۲

یہ روایت میں نے حدیث صحیح میں دیکھی ہی کہ کوئی صحابی جنکا نام مجھے اسوقت فراموش ہوگیا ہی غالباً
اہل کتاب سے سُنی ہوئی اگلے وقتوں کی کوئی حکایت جناب رسول خدا صلعم کی مجلس میں بیان کر رہے تھے اُنہیں
کلیلہ دمنہ کی کہانیوں کی طرح کچھ گفتگو گاے اور بھیڑیئے کی تھی۔ حاضرین میں سے کسی نے گاے اور بھیڑیے
کے بولنے پر تعجب سا کیا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں تو اسپر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر رض اور عمر رض بھی حالانکہ
یہ دونوں بزرگ اُسوقت حاضر نہ تھے ایک ایمان تو وہ تھے اور ایک ایمان اس زمانے کے ہیں کہ بات بات
میں شبہہ لفظ لفظ میں شک۔ اور طرہ یہ کہ جو لوگ عربی عبارت کے پڑھنے پر قادر نہیں کلام الٰہی کی تفسیر
بالرائے کرنے پر دلیر۔ تاویل[1] القول بما لا یرضی بہ القائل پر جری۔ آپ سب صاحبوں نے سنا ہوگا کہ پنجاب
میں ایک صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا وہ بزرگ ابھی چند روز ہوئے دلّی میں بھی تشریف لائے
تھے۔ خیر وہ جو کچھ کہتے تھے سو کہتے تھے انکی تکذیب مخالفت میں جو پرچے نکلتے تھے اُن میں بھی جواب ترکی
بترکی جھکڑ ہوتا تھا مگر اس تمہید سے کہ مجھکو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہی اور حضرت مریم رات غریب خانے
پر تشریف لائی تھیں کبرت[2] کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا یہ ہیں نتیجے فتح باب تاویل کے
میں تو ایسا غالی اور متعصب مسلمان نہیں ہوں مگر یہ بیہودگی اور خدا اور انبیا کے ساتھ تمسخر و استہزا دیکھکر
مجھکو بھی تو حرارت آجاتی ہی۔ باریش بابا ہم بازی۔ یہ سارے فساد اسکے ہیں کہ خدا کی قدرت کو سمجھا[3] اور
اپنی معلومات کو انگو[4] ان لوگوں کے نزدیک خدا کو دنیا سے وہی تعلق ہی جو ایک گھڑی ساز کو گھڑی کے ساتھ ہوتا ہے
اُسنے گھڑی کے کیل پُرزے بنائے۔ ان کو ترکیب دیکر گھڑی کو کوک دیا اب گھڑی ہی کہ جب تک اُسکی کوک
ہی آپسے آپ چل رہی ہی۔ لیکن دنیا میں جتنے لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ اِسکو بھی مانتے ہیں کہ وہ سلسلہ اسباب
کا پابند نہیں ورنہ کوئی خدا کو بھولکر بھی یاد نکرے۔ دن رات میں کوئی ایک لمحہ نہیں جسمیں سینکڑوں۔ ہزاروں
لاکھوں۔ کروڑوں۔ پدموں۔ مہاسنکھوں بلکہ بے شمار دل خدا کی طرف التجا نہ لیجاتے ہوں۔ بیشمار کا ثبوت لو
ومامن[5] دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم اور وان[6] من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا
تفقهون تسبیحهم اور وما[7] یعلم جنود ربك الا هو۔ تو کیا یہ سارا عالم اس خیال سے خدا کی طرف رجوع

---

[1] بات کو اُس پہلو پر لیجانا جس سے کہنے والا خود راضی نہیں ۱۲ [2] بات جو اُنکے مونہہ سے نکلتی ہی بڑی بھاری بات ہی اور صرف جھوٹ بولتے ہیں ۱۲ [3] محدود ۱۲ [4] جامع ۱۲ [5] جتنی جاندار چیزیں زمین پر چلتی ہیں اور جتنے جانور پر سے اُڑتے ہیں وہ بھی تمہاری طرح کی مخلوقات ہیں ۱۲ [6] اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے پروردگار کی پاکی و تعریف بیان نکرتی ہو مگر تم اُنکی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ۱۲ [7] تیرے پروردگار کے

کرتا کہ وہ اسباب کا گورکھ دھندا کھڑا کرکے اپنے ہاتھ کٹوا چکا ہی۔ ایسا گمان کرنا صریح غلط ہی سبحانک ھذا بہتان عظیم بلکہ ہر فرد اسی اذعان کے ساتھ دعا کرتا ہی کہ خدا اُسکی سنتا اور اسباب سے قطع نظر اُسکی کاربرآری کرسکتا ہے

اشعار

اے ترا با ہر دلے رازے دگر — ہر گدا را بر درت نازے دگر
توہی دیتا ہے مریضوں کو شفا — توہی کل عالم کا ہے حاجت روا
تو انیسِ جان پُر افسوس ہے — توہی تسکینِ دلِ مایوس ہے
جسقدر محتاج آب و نان ہیں — سب تیری سرکار کے مہمان ہیں
توہی برساتا ہے پانی ابر سے — مہر سے حاشا کسی کے جبر سے
توہی دیتا ہے درختوں کو نمو — توہی دیتا ہے گلوں کو رنگ و بو
توہی کرتا ہے شجر کو بارور — تو اگاتا ہے توہی برگ و ثمر
آسماں پر ہو کہ ہو زیرِ زمیں — ایک ذرہ تجھ سے مستغنی نہیں
پہونچتا ہے توہی سب کی داد کو — توہی سنتا ہی ہر ایک فریاد کو
بادشاہ محمود یا بندہ ایاز — سب ترے محتاج ہیں اے بے نیاز
تیرے آگے علت و اسباب کیا — تیرے یاں کمیاب کیا نایاب کیا
ہر گھڑی تیری نئی اک شان ہے — بس یہی دین اور یہی ایمان ہے

جب کل عالم کا یہ حال ہو تو کیوں نہ ایسے خیال کو انسان کے کانسٹیٹیوشن میں دخل سمجھا جاوے۔ اس سے بڑھکر سلف کنسٹیڈ (بر خود غلط) کون ہوگا جو ذری سی عقل کے برتے پر ملکوت السموٰت والارض کے رازمیں دخل دے جیسے گولر کے اندر کا بھنگا فضاے دہر پر معترض ہو۔ یا برساتی پتنگا زمانے کے حدوث وقدم میں رائے زنی کرے جو شخص اپنی پیدائش کے بھید کو دریافت نہیں کرسکا جسنے نہیں سمجھا کہ درختان ثمردار کیونکر نر و مادہ دونوں کا کام دیتے ہیں جو نہیں بتا سکتا کہ ابتدا میں مرغی بے انڈے کے پیدا ہوئی یا انڈا بے مرغی کے اُس کو بے مشارکت پدر عیسیٰ کے پیدا ہونے میں چون و چرا کرنے کا کیا حق ہی۔ یہ تمام کارخانہ کیا دنیا کیا موجودات کیا واقعات طلسم ہی اسمیں ہر چیز عجیب ہے اور کچھ عجیب نہیں جملہ مذاہب کی بنیاد ہی خدا کی ہستی جسپر ایک ظریف نے ایسی پھبتی کہی کہ بس چھپا گئی اندھوں کا ہاتھی۔ یہ اشارہ ہی ایک حکایت کی طرف کہ کسی گانوں میں ہاتھی آیا سارا گانوں اُسکے دیکھنے

کو نکل پڑا۔ انہوں نے سنا انکو بھی شوق ہوا۔ مگر مشکل یہ آ کر پڑی کہ آنکھیں نہیں۔ کسی نے سونڈ ٹٹولی کسی نے دُم کسی نے کان کسی نے پاؤں کسی نے پیٹ اور پھر لگے اُسکے بیان میں اختلاف کرنے۔ وہ سب سچے تھے اپنی اپنی پندار کے مطابق مگر سب جھوٹے واقع کے اعتبار سے۔ غرض خدا عجیب اور باوجودیکہ ہم ظاہری اور باطنی حواس کے ذریعے سے کبھی ہماری کائنات ہی اسکو سمجھ نہیں سکتے اُسکا ماننا عجیب اور پھر خدا جیسے اعجب العجائب کو مانکر کسی بات پر تعجب کرنا سب سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور میں اسپر کچھ کہتا مگر سامعین کو دیکھتا ہوں کہ ملول ہو چلے ہیں اور مجھکو وہ آیت انما المؤمنون الخ پوری کرنی ہے۔ ہاں تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ مومن ہونے کی پہلی شرط اٰمنوا باللہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا کو ہم پورا نہیں کر سکے۔ اب ہے دوسری شرط جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اگر جاھدوا سے مراد جہاد متعارف یعنی کفار سے اپنے دین کی حفاظت اور حمایت کے لئے لڑنا ہے تو بالی لڑائی نہیں ہے [۱] ؎ من ترا کافر بخوانم تو مرا مرتد بخواں ✤ من ترا ملعون دانم تو مرا ناری بہیں ✤ بلکہ وہ لڑائی جسمیں گیند کی جگہ سر اور بلّے کے عوض تلوار ہوتی ہے۔ اگر جہاد سے اس قسم کی لڑائی مراد ہوتی تو سب سے چھوٹے تھے الدبزرگوار کو ایسی بدتہذیبی کا اتفاق ہوا اور نہ جد امجد کو اور کمترین کو خدا کے فضل سے ہوا بھی نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہونے کا بھی نہیں۔ لیکن آیت میں کچھ لڑائی کی تخصیص نہیں مطلق جاھدوا ہے۔ جسکا مادہ جہد ہے اور اسکے معنی ہیں کوشش۔ بیشک زمانۂ نزول قرآن میں بلکہ اُسکے بعد اور دوسرے دوسرے ملکوں میں اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کی شق متعین یہی لڑائی ہے۔ لیکن بحث اسمیں ہے کہ ہماری حالت کے مناسب جہاد کا کونسا پیرایہ ہے۔ میں نے اسی مجمع میں اسی جگہ تیورس سال بھی کہا تھا اور مولوی لوگ کچھ چپ سے گئے کیونکہ اپنی نسبت کفر کا کوئی فتوےٰ میری نظر سے نہیں گزرا اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس زمانے کا جہاد یہی ہے کہ تعلیم میں جس سے جو کر سکتے بن پڑے کرے اور جاھدوا باموالھم وانفسھم کا مصداق بنکر مومن اور صادق کے دوہرے دوہرے خطاب شاہنشاہ دوجہان کی سرکار سے لے۔ وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون [۱] لیکن کون ہے جو سچے دل سے مومن کو خان پر اور صادق کو بہادر پر ترجیح دے۔ اور خان اور بہادر بھی سرکار انگریزی کا نہیں کہ خیر اسمیں دنیوی وقعت تو ہے بلکہ ایک چھٹی ٹرِبیوٹری [۲] اسٹیٹ [۳] کا جسکے خزانے میں ان امپٹی ٹائٹلز کے سوا کچھ بھی نہیں وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ✤

[۱] رشک کرنے والوں کو چاہئیے کہ اس میں رشک کریں ۱۲ [۲] چھوٹی چھوٹی خراج گزار ریاستیں ۱۲ [۳] خالی خطاب ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب کا لکچر جو اُنہوں نے

انجمن حمایت اسلام لاہور

کے ساتویں سالانہ جلسے پر مقام لاہور دیا

جن لوگوں نے منطق کے ابتدائی رسالے دیکھے ہونگے شکل اول کی یہ معمولی بلکہ موروثی دقیانوسی مثال ضرور اُن کی نظر سے گزری ہوگی العالم متغیر وکل متغیر حادث فالعالم حادث؎۱ عالم متغیر ہی اور ہر متغیر حادث ہی پس عالم حادث ہی منطقی تو اسمیں اس اعتبار سے نظر کرتے ہیں کہ شکل اول کے انتاج کے لیئے ایجاب صغریٰ؎۱ اور کلیت کبریٰ شرط ہی مجھ کو اس سے کچھ بحث نہیں ہے کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہی یا قدیم ؟ کچھ ہو بلا سے اپنی کہیں فانیوں میں ہم میں تو صرف عالم کے تغیرات پر کچھ کہنا چاہتا ہوں اور تغیرات میں بھی صرف وہ تغیرات جو عملداری کے بدلنے کی وجہ سے برٹش انڈیا؎۲ میں واقع ہوئے ہیں پچھلی عملداریوں کو عموماً نظر حقارت سے دیکھنا پرلے درجے کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہی ان ہی ایسے زمانے بھی ہو گزرے ہیں جنکے حالات ہنوز صفحات تاریخ پر آب زر سے لکھنے کی لائق ہیں اور آخر الدہر تک آب زر سے لکھنے کے لائق رہینگے پچھلی عملداریوں کی نسبت رائے قائم کرنے میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہی کہ اُس زمانے کے حالات کو موجودہ زمانے سے مقابلہ کیا جاتا ہی چنانچہ اسی طرح کی غلطی کا پردہ اُن لوگوں کی آنکھوں پر بھی پڑا ہی جو اسلام کو اُس عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جسکا وہ انصافاً مستحق ہی مثلاً کہتے ہیں اسلام

؎۱ یہ اصطلاحات منطق ہیں ۱۲ ؎۲ سلطنت ہندوستان ۱۲

کیا جس نے ایک مرد کو ایک دم سے چار بیبیوں کی اجازت دی اسلام کیا جسنے غلامی کو جائز رکھا یا مثلاً کرسچنیٹی (عیسائیت) کی اسلام نے اعانت کی۔ رعایت کی۔ حمایت کی۔ اب اُسی کرسچنیٹی کے معتقد اسلام کو کرسچنیٹی کا جانی دشمن ٹھہراتے ہیں۔ بیشک اسلام نے ایک مرد کو چار بیبیاں کرنے کی اجازت دی لیکن کیسے وقت میں جبکہ عرب میں تعلق زناشوئی بالکل وحشیانہ حالت میں تھا کہ مرد کے لیے بیبیوں کی کوئی حد نہ تھی اس سے زیادہ دانشمندی ایسے امور میں کیا ہوسکتی تھی کہ اسلام نے اس مطلق العنانی کو پہلے چار کا اور پھر عدل کی قید لگا کر آخر کار ایک کا پابند کیا یا تحریر رقبہ کو مذہبی عبادت قرار دیکر (اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً) اسکے بعد احسان رکھکر یا تاوان لیکر چھوڑ دو) غلاموں کو آزادی کا مژدہ سُنایا۔ یا ایک طرف عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے تھے اور اُنکے مقابلے میں یہود بے بہود ان کی الوہیت اور رسالت تو کجا۔ جائز طور پر اُن کی ولادت کے بھی قائل نہ تھے۔ اسلام نے اُن کے روح اللہ ہونے کی منادی کی اور اُنکے حق میں وہ شرف تسلیم کیا جو منتہای ترقی بشر ہی یعنی پیغمبری۔ مگر اوہو یہ مضمون تو مسٹر شاہدین کے حصے کا ہی اور چونکہ وہ بیرسٹر بھی ہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ پر مداخلت بیجا مجرمانہ نہ لگا بیٹھیں تو میں اپنے اصلی مطلب تغیرات عالم کی طرف عود کرتا ہوں ٭

مقتضائے انصاف یہ ہی کہ ہندوستان کے اُن وقتوں کو دوسرے ملکوں کی اُن ہی وقتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے اگر سوا انیس بسوا اور مثلاً بمثل مقابلہ کیا جائیگا تو ہماری یہاں کی پچھلی عملداریاں کچھ ایسی بیہودہ بھونڈی اور قابل نفرت نہیں دکھائی دینگی ٭

تغیرات پر نظر کرنے کے لیے ہمکو پچھلی عملداریوں کے حالات کی تحقیق کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ابھی عیسوی اُنیسویں صدی کے نصف اخیر پر غور کرو۔ باوجودیکہ عملداری نہیں بدلی (اسکو چاہو عملداری کا بدلنا سمجھو کہ پہلے کمپنی کا انتظام تھا اب شاہی انتظام ہی) ہمارے دیکھتے دیکھتے اس کثرت سے تغیرات واقع ہوئی ہیں کہ ان تغیرات کی نظیر تو کہاں ملنی تھی۔ نری کثرت تغیرات کی نظیر بھی تاریخ میں نہیں ملسکتی۔ سب سے اول ۱۸۵۴ء میں مجھے پنجاب آنے کا اتفاق ہوا اس تقریب سے کہ مسٹر رچرڈ ٹمپل جو آخر کار سر رچرڈ ٹمپل اور بمبئی کے گورنر ہو گئے تھے۔ اُن دنوں ضلع گجرات شاہ دولہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ہندوستان کے بعض اضلاع آگرہ۔ متھرا وغیرہ میں سررشتہ تعلیم جاری ہو چکا تھا مسٹر ٹمپل نے اُسی کی مختصر نقل اپنے ضلعے میں کرنی چاہی اور یوں تعلیم کے آفتاب کی پہلی کرن پنجاب میں ضلع گجرات پر چمکی۔ نہیں معلوم گجرات کے لوگوں نے اس تقدم کا کچھ پاس کیا اور تعلیم کے اعتبار سے وہ ضلع پنجاب کے دوسرے اضلاع

۵ خدائی ۲ اسلام ۲ برابر ۵ یکساں یکساں ۲

سے پیش پیش ہی یا نہیں میں خیال کرتا ہوں نہیں ہوگا کیونکہ سیٹ آف گورنمنٹ (صدر مقام) نہیں ہی مسٹر ٹمپل نے دہلی کالج سے جس کا ان دنوں تعلیم کی دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا چھ مولوی طلب کئے۔ بلائے تو تھے چھ مولوی آئے پانچ مولوی اور ایک کٹھ ملا یعنی میں جب اُسحالت میں کہ میں تازہ ولایت تھا ابھی کالج سے اُٹھا ہوا چلا آتا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا سب مستحضر تھا میں کٹھ ملا تھا تو اب سوائے حرف شناس کے میں اپنے تئیں کیا خیال کر سکتا ہوں بلکہ لا یعلم بعد علم شیئا (جاننے بوجھنے کے بعد کچھ بھی نہ جانے) میں اُسوقت کا لکھا پڑھا بیشک بہت کچھ بھول گیا ہوں مگر پنجاب کے سفر کو نہیں بھولا اور وہ بھولنے کی چیز بھی نہ تھی عملداری کو بدلے ہوئے کچھ ایسی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی۔ بھری برسات تھی۔ ندی نالے اور نالے دریا ہو رہے تھے۔ اور دریا سمندر۔ ٹرنگ روڈ (شاہ راہ) جاری تھی مگر چونکہ پل نہیں بننے پائے تھے گویا کہ بند تھی اور اسباب پر مزید اپنی ناتجربہ کاری ناداری اور بے سامانی۔ غرض وہ جو کتابوں میں سفر کی مذمتیں پڑھی تھیں اُنکی تصدیق ہوگئی اور ۳۲ دن میں بمشکل دلی سے گجرات پہونچا۔ یہی نہیں کہ مجھکو اُس سفر کی صرف صعوبتیں یاد ہیں۔ نہیں۔ چونکہ منزل بمنزل کا سفر تھا میں نے آتے جاتے راہ کے سارے شہروں کو بھی دیکھا تھا۔ اور سب کی نہیں تو اکثر کی وہ اگلی حالتیں میری نظر میں ہیں۔ اُن میں سے ایک تمہارا لاہور بھی ہے۔ ہر چند وہ دیکھنا اجمالی دیکھنا تھا۔ مگر پارلیمنٹ کے اُن ممبروں کے مقابلے میں تو میں اُسکو تفصیلی ہی سمجھتا ہوں جنکو کسی مرض کی شکایت کی وجہ سے ڈاکٹر نے موسم سرما کے چند ہفتوں کے لئے سفر بحری کی رائے دی اور وہ ہندوستان کو دھر لپکے۔ چند ہفتوں میں آئے بھی اور گئے بھی اور ولایت پہونچکر لگے ہندوستان کے پیچیدہ معاملات میں رائے زنی کرنے۔ جیسے بڑے بوجھ بجھکڑ ۱۸۵۵ء کا دیکھا دیکھا میں نے لاہور کو اب یہ چوتھا برس ہے۔ سر سید احمد خاں صاحب کے ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب سے دیکھا یوں اگر کوئی مجھ کو لاکر لاہور کے سواد میں لاعلمی کی حالت میں چھوڑ دیتا تو میں ہرگز نہ پہچانتا کہ دنیا میں کہاں ہوں کیا صرف لاہور میں اور لاہور کے بھی صرف مکانات میں یہ عظیم تغیر واقع ہوا ہے۔ نہیں بلکہ انگریزی گورنمنٹ کے حسن انتظام سے کل ہندوستان کی ہر بات میں حیثیت بدلی ہوئی ہے۔ میں انگریزی عملداری میں ہندوستان کو ایسا خیال کرتا ہوں جیسے ایک بچہ جو ایک ہندوستانی پھوہڑ دایہ کی گود میں نہیں جسے بچے کو روتا دیکھکر بے تمیزی کے ساتھ دودھ پلا دینے کے سوا بچے کے ضائع کر دینے کے بہت اور اُسکے پالنے کا کوئی قاعدہ معلوم نہیں بلکہ وہ ایک زیرک ہوشیار تجربہ کار ہنرمند دایہ کی کنار عاطفت میں سٹمر گزٹ کے اڈیٹر منشی سراج الدین کے رسالہ تعلیم کے اصول کے مطابق پرورش پا رہا ہے۔ اور آناً فاناً اُس کے جملہ اعضا اور قوے اپنی اپنی جگہ متناسب ترقی کر رہے ہیں ہندوستان کے حالات ماضیہ اور موجودہ پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہر چیز بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ الا مسلمان۔ کہ یہ اگر

سلہ حاضر فی الذہن ۱۲

بدلے بھی تو اسی قدر کہ بد سے بدتر ہو گئے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت اگر انکی سابقہ حالت کے مقابلے میں دیکھی جاتی
تو کہتے کہ زوال سلطنت کی وجہ سے ہی اور اسکی شکایت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن جس رو آہ کی شکایت ہی وہ یہ ہی کہ جیسی
رعایا یہ ویسی رعایا دوسری قومیں جو حقوق انکے۔ وہی دوسروں کے۔ پھر کیا وجہ ہی کہ یہ انکے مقابلے میں ہیٹے ہیں
تول میں۔ عزت میں۔ تقرب حکام میں۔ غرض ہر طرح کی دنیاوی رفاہ و خوشحالی میں*

مجھ کو اپنے عنفوان شباب کی بات اب تک یاد ہی کہ از بسکہ عموماً اُسوقت تک مسلمان ہی صدر الصدور ہوتے تھے
ہماری طرف تو صدر الصدور کہتے ہیں پنجاب میں نہیں جانتا انہیں کیا کہتے ہیں (شیخ خدا بخش صاحب صدر جلسہ
کی طرف اشارہ کر کے) آپکا کیا عہدہ ہی؟ سب جج۔ تو ہاں صدر الصدور ایسے تھے جیسے تمہارے ہاں سب جج مگر مجھکو
تو کچھ صدر الصدوری کا لفظ پسند ہی کیونکہ بولنے اور سننے میں بھلا معلوم ہوتا ہی اور سب جج ہو بھی نہیں سکتے غرض
میں اُن زمانے میں ایسا خیال کرتا تھا کہ صدر الصدوری کے لئے مسلمان ہونا شرط ہی۔ میں نے اول اول منشی کانجی سہائے
کا صدر الصدور ہونا سُنا تو تعجب کیا کہ ہندو اور صدر الصدور۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی مجھ کو دیکھنا ہی کہ جیسے
ہندو کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کر رہا ہوں ویسا ہی مسلمان کے صدر الصدور ہونے پر تعجب کرونگا۔ میں جانتا
ہوں کہ وہ دن آگیا اور نہیں آیا تو اور دس بیس برس بعد سہی*

یوں تو رعیت اور غلام دونوں میں ایک صفت مشترکہ ضرور ہی یعنی پرائی تابعداری مگر رعیت رعیت میں فرق ہی میں
انگریزی رعایا ہونے کو آزادی کا مترادف سمجھتا ہوں لیکن فرض کرو رعیت ہونا مشقت کی بات ہی تو یہ جُوا مسلمانوں
کی گردن پر اب کم و بیش سو سوا سو برس سے رکھا گیا ہی جب کہ یہی اور اس سے بھی زیادہ بھاری جُوا کھینچتے کھینچتے
دوسری اقوام معاصر کی پشتیں کی پشتیں فنا ہو گئیں تو اس رو سے کس کو زیادہ خستہ حال اور مضمحل و ناتوان ہونا چاہئے
اسکا جواب ہے دوسری قوموں کو۔ مگر قضیہ منعکس ہی۔ انگریزی عملداری میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی خستہ حال قوم
نہیں جب قوم کا نام آیا تو قوم عبارت ہی چھ کروڑ مسلمانوں سے جو برٹش انڈیا میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بیشک
ان میں بھی کوئی کوئی بڑے بڑے مالدار ہیں۔ کوئی کوئی بڑی سی بڑی خدمت رکھتے ہیں۔ کوئی کوئی صاحب
خطاب ہیں لیکن قوم پہ کوئی کوئی ہیں کتنے؟ فی صدی بتاؤ تو آسانی سے سب کی سمجھ میں آئے۔ سو میں ایک
نہیں۔ آدھا نہیں۔ تہائی نہیں۔ چوتھائی نہیں۔ ایک پانچواں نہیں۔ غرض تم اسیطرح ایک چھوٹی سی چھوٹی
کسر لیتے جاؤ اور میں برابر نہیں کرتا رہوں۔ یہانتک کہ تم کسور اعشاریہ پر اُتر پڑو اور میں ان میں بھی ایک بڑا لمبا

ہے الٹی بات ہی ۱۲ ۵ حکومت انگریزی ۱۲

گنکھجورا چلتا ہوا دیکھ کر کہوں کہ شاید ❊

قوم کا پھیلاؤ اور عموم خستہ حالی دیکھکر کبھی جی چاہنے لگتا ہی کہ یہ کہاں کے معدودی چند مستثنیات کلیے کے بنانے میں خلل انداز ہو رہی ہیں۔ یہ بھی نہ رہیں تو اچھا تاکہ کہہ سکیں کہ مسلمان سب کچھ تھے اور اب کچھ نہیں۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ تو ہم ہی کو کوسنے لگ گیا۔ میں پانی پی پی کر نہیں کوستا کہ تمہیں ٹھنڈے رہو بلکہ گرم چاے پی پی کر (لکچرار صاحب گلو تر کرنے کو بیچ بار بار چاے پیتے جاتے تھے) ❊

مسلمانوں کی سلطنت جاکر اگر کوئی ظالم اور وحشی گورنمنٹ انپر مسلط ہوتی اور انکے مٹانے کے درپے رہتی اور مسلمان اس نوبت کو پہونچ گئے ہوتے تو ہم سمجھتے کہ خدا ہی کو ان کا نیست و نابود کرنا منظور ہی اور اس صورت میں کوئی کسی کو سمجھاتا اور نہ کوئی کسی کو الاہنا دیتا۔ مگر بڑا جھینکنا تو اسی کا ہی کہ انگریزی گورنمنٹ اسقدر مہربان اور اپنی رعایا کی اسقدر پرداخت اسکو منظور کہ نہ صرف روے زمین کی موجودہ گورنمنٹوں میں بلکہ تاریخوں میں اسکی نظیر نہیں اور اسپر مسلمان تباہ اور خستہ حال ❊

انگریزی عملداری میں مسلمانوں کی ایسی مثال ہی کہ ایک دریاے مواج پڑا بہ رہا ہی اور مردم و مرغ و مور سب اپنے اپنے حوصلے کے موافق اُس سے سیراب ہوتے چلے جاتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ موسم تابستان میں دریا کی ریتی پر پیاسے پڑے تڑپ رہے ہیں ؎ تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ❊ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را ❊

غرض یہ ایک واقعہ ہی جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان انگریزی عملداری کی برکتوں سے کُل سے نہیں تو اکثر سے محروم ہیں۔ اور چونکہ دنیا عالم اسباب ہی اس حرمان کا کچھ نہ کچھ سبب ہونا چاہیئے۔ وہ سبب انگریزی عملداری کے اصول تو نہیں ہو سکتے کیونکہ اصول عملداری عام ہیں۔ سب پر یکساں مؤثر۔ اور اسباب عام ہوتے ہیں تو ان کے نتائج بھی عام ہوتے ہیں واذ لیس فلیس (اور چونکہ نتائج عام نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ عملداری انکا سبب نہیں) پس ہو نہ ہو۔ ہم آپ ہی اپنی تباہی کے موجب ہیں ؎ عام ہیں اسکے تو الطاف شہیدی سب پر ❊ تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا ❊

تو کیا سلطنت کے زائل ہونے سے مسلمانوں کی عقل بھی زائل ہو گئی کہ اپنے پاؤں میں لگے آپ کلہاڑی مارنے۔ میں اسکا جواب دونگا۔ ہاں بیشک ضرور۔ کیونکہ دوسرا جواب بن نہیں پڑتا۔ ہرچند یہ جواب سُن کر لوگ مجھی کو سڑی اور پاگل بنائینگے اور کہینگے کہ منکر بداہت عقل ہی۔ مگر میں اپنی اس جگہ سے ٹلنے والا نہیں جبتک مسلمانوں پر ان ہی کی بدعقلی ثابت نہ کردوں ❊

سلہ گرمی ۱۲

عقل جسکو میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے سلب ہو گئی۔ اس سے مراد ہی عقل معاش۔ عقل مصلحت اندیش عقل مزاج شناس زمانہ۔ عقل سلیم۔ میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی ان تغیرات کا مجملاً ذکر کیا جو انگریزی عملداری کی وجہ سے ہندوستان میں واقع ہوئے ہیں اور واقع ہوتے چلے جاتے ہیں اور واقع ہوتے چلے جائینگے۔ پس مسلمانوں کی تمام بدعقلی محصور ہی اس ایک بات میں کہ انھوں نے اپنے تئیں زمانے کے ساتھ نہیں بدلا اور بدلنا چاہتے بھی نہیں پس انکو در پردہ ضد ہی اور مخالفت عملداری سے۔ زمانے سے۔ یا سیدھی طرح یہی کیوں نہ کہا جائے خدا سے۔ اور اس بیہودہ ضد اور مخالفت کا نتیجہ ضروری نتیجہ اب تک جو ہوا دیکھا اور جو آیندہ ہونے والا ہی۔ اور ضرور ہونے والا ہی جو جیتا رہیگا دیکھیگا اور ضرور دیکھے گا۔

دنیا جو دار الاسباب ہی اسکے یہی معنی نہیں ہیں کہ ہر ایک واقعے کا ایک سبب ہوتا ہی۔ بلکہ وہ سبب پھر بجائی خود ایک واقعہ سمجھا جاتا ہی۔ اور کوئی اور واقعہ اسکا سبب ہوتا ہی۔ اسی طرح دنیا میں اسباب کا ایک سلسلہ قائم ہی الف کا سبب بے ہی اور بے کا سبب جیم۔ جیم کا دال وھلم جرا (یعنی علی ہذا القیاس) مسلمانوں کی خستہ حالی کا سبب ہی زمانے کے ساتھ ان کا نہ بدلنا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ نہ بدلنے کا سبب کیا ہی؟ واقع میں تو نہ بدلنے کا سبب ہی کوتاہ اندیشی مگر عذر بدتر از گناہ کے طور پر مذہب کو سپر بنا رکھا ہی، جیسے: سبحانک ھذا بہتان عظیم (سبحان اللہ یہ تو بڑے ہی بہتان کی بات ہی)۔ میرے نزدیک مذہب اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی۔ سب سے عمدہ۔ سب سے قوی دلیل یہی ہی کہ وہ کسی دنیاوی ترقی۔ دنیاوی بہبود۔ دنیاوی فلاح کا مانع ہونا کیسا حارج اور مزاحم بھی تو نہیں۔ یہانتک کہ سلطنت کا جو اعلیٰ درجے کی دنیا ہی۔ کیا قرون اولیٰ کے مسلمان جن میں خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب بھی تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور جو دین کے اعتبار سے ہم عار اسلام سے بدنام کنندہ نکو نامے چند۔ مسلمانوں سے ہزاروں لاکھوں کروروں درجے بہتر تھے۔ وہ دین کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اور ہم سے بہتر اس پر عمل کرتے تھے کیا ان بزرگوں نے دنیا کی سلطنت کے لیئے زحمتیں نہیں اٹھائیں۔ جانیں نہیں دی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو صوم و صلوٰۃ پر مقدم نہیں رکھا۔ تم کہوگے کہ انکو سلطنت دنیا مقصود بالذات نہیں تھی۔ بالکل غلط۔ سوائے تمہارے کوئی اسکو تسلیم نہیں کرے گا اور تمہاری بھی زبان تسلیم کریگی نہ دل۔ ہاں یوں کہو تو ایک بات ہی کہ انکو سلطنت سے تن آسانی اور مردم آزاری۔ واشنالہا یہ باتیں منظور نہ تھیں تو تم سے کون مسخرہ کہتا ہی کہ دنیا کو ان ذلیلوں کے لیئے حاصل کرو ع خود را ز عملہاے نکوہیدہ بری دار۔

دین ہی کیا چیز۔ شارع علیہ السلام نے جو قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں اُن کے مطابق دنیا کو برتنا اسی کا نام دین ہے

کیوں ہی یا نہیں۔ اگر دین کوئی اور چیز ہی تو از برائے خدا بول اُٹھو کہ اس بڑھاپے میں تم ہی سے ایک بات حاصل ہو اور میں سمجھوں کہ اس کے لئے کے جاڑے میں دلّی سے لاہور آیا تھا تو خیر ایک نکتہ ہی معلوم ہوا ہی۔ جب دنیا کو شارع علیہ السلام کے قواعد کے مطابق برتنے کا نام دین ٹھہرا تو دنیا اور دین میں وہ نسبت ہوگی جو ہیولیٰ اور صورت میں۔ جوہر اور عرض میں۔ اصل و فرع میں ہوتی ہی یعنی دنیا کے بدون دین متحقق ہو نہیں سکتا[۱]

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو	اعلائے شان قادر مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل وجود محقق کہاں سے ہو	مصدر ہی جب نہیں ہی تو مشتق کہاں سے ہو
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست	مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

امیری ہو یا غریبی۔ حاکمی ہو یا محکومی۔ عزت ہو یا ذلت دنیا سے تو کسی حالت میں نجات نہیں۔ امیر و غریب حاکم و محکوم۔ عزیز و ذلیل سبھی دنیا دار ہیں۔ مگر شانیں مختلف۔ نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضہم بعضا سخریا۔ (ہمنے اسکی دنیاوی معاش ان میں بانٹ دی ہے اور درجے کے اعتبار سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہی تا کہ ایک سے دوسرا کام لے) *

اور جس طرح لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں انکے دنیاوی برتاؤ کے قاعدے یعنی احکام شرعی بھی مختلف ہیں امیر کو جود و بذل ایثار و ہمدردی کا حکم دیا جاتا ہی تو غریب کو صبر و قناعت تسلیم و رضا کا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (اللہ تعالی کسی کو اُسکے مقدور سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتا) لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتاہا (اللہ تعالی کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسیقدر جسکی اُسکو طاقت دی ہی) لیکن خدا نے۔ مسلمانوں کے خدا نے۔ خدا کے رسول نے کب کہا کس سے۔ یہ سب جھوٹ۔ افترا۔ بیجا۔ غلط۔ کہ دنیا کے اعتبار سے ذلیل و محتاج اور خستہ و خوار رہو۔ اس سے کہ ایسی حالتوں کے لیئے شرع میں احکام پائے جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا ہمکو ان مکروہ اور قابل افسوس حالتوں میں رہنے کا حکم دیتا ہی۔ طب کی کتابوں میں امراض کے علاج لکھے ہوتے ہیں تو کیا ان کتابوں سے یہ غرض سمجھی جاتی ہی کہ مریض رہو۔ اسی طرح دین بھی طب روحانی ہی۔ اس میں کبر و نخوت۔ عجب و غرور۔ حرص و ہوا وغیرہ امراض کا علاج نفس کشی سے بتایا گیا ہو تو اس سے کیوں مفہوم ہوگا کہ خدا ہمکو مصیبت زدہ اور غریب رکھنا چاہتا ہی۔ خدانخواستہ اگر خدا ایسا حکم دے تو لازم آئے ابطال مصالح خلق عالم[۲] ربنا ما خلقت ھذا باطلا (اے پروردگار تونے اس جہان کو لغو و باطل تو نہیں پیدا کیا) خدا نے دنیا میں بے شمار طرح کی نعمتیں پیدا کیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا

[۲] یعنے دنیا کے پیدا کرنے میں جو مصلحتیں مضمر ہیں وہ باطل ہو جائیں ۱۲

(اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان پر احاطہ نہ کر سکو گے) اور ہمکو ان نعمتوں سے ممتع ہونے کی قابلیت بھی عطا فرمائی۔ سکیا ترسانے اور ڈھانے کے لیئے کہ دیکھیں اور للچائیں اور ان سے مطلق فائدہ نہ اٹھائیں؟ یہ تو بندوں کے ساتھ ایک طرح کی چھیڑ خانی ٹھہری تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا (اس سے خدا کی شان بہت ارفع و اعلی ہے) سنو بھائیو! خدا تو یہ چاہتا ہے کہ جس حال میں چاہو رہو۔ جسطرح چاہو زندگی بسر کرو۔ مگر ایک بات کا خیال رکھو کہ کونوا عباد اللہ (یعنی بندگی کی شان لیئے رہو۔ پس پھر تم دیندار ہو۔ پکے مسلمان ہو اور انشاء اللہ تعالی جنتی ہو۔ قرآن کو دیکھو۔ جگہ جگہ سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کرتے تھے تو کہتے تھے استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انہارا[5] حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دیندار ہونے کے صلے میں جن انعام کا لالچ دکھاتے تھے وہ یہی دنیاوی نعمتیں تھیں۔ پانی کا برسنا۔ تم اسکی قدر کیا جانوگے۔ اس نعمت کی قدر کرتے ہونگے حق قدرہ[2] پریزیڈنسی مدراس اور بمبئی کے ان ضلاع کے باشندے جنہیں ان دنوں پینے کو پانی میسر نہیں۔ جانوروں کو چارہ نصیب نہیں۔ غرض حضرت نوح علیہ السلام جن انعام کا طمع دلاتے تھے وہ یہی ہے پانی کا برسنا۔ مال عیال کی کثرت۔ باغات اور نہریں ذلک متاع الحیوۃ الدنیا۔ ہمسے جو وعدہ ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا ۰ (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیئے اللہ نے انکے ساتھ وعدہ کر لیا ہے کہ انکو روئے زمین کا خلیفہ یعنی حاکم بنائے گا جیسے اگلے لوگوں کو بنایا اور جو دین انکے لیئے پسند کر لیا ہے اسپر انکو ثابت قدم رکھیگا اور انکے خوف کو امن سے بدل دیگا) ذرا خیال رکھنا کہ میں کس مطلب پر گفتگو کر رہا ہوں۔ میں دکھانا چاہتا ہوں وہ رابطہ اتحاد جو دین و دنیا میں ہے اگر اسکے شواہد قرآن سے پیش کرنے بیٹھوں تو ایک مجلس کیا شاید کئی دن میں بھی تمام نہ ہوں مگر خیر ایک چھوٹی سی آیت تو اور بھی لو۔ فرماتے ہیں۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ۰ (اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ زینت کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں۔ اور روزی کی پاک چیزوں کو کس نے حرام کیا) اس سے بڑھکر اور کیا صراحت چاہتے ہو کہ خدا خود اس خیال کے لوگوں پر معترض ہے جو دنیا و دین میں مباینت قائم کرتے ہیں۔ میں نے اس مسئلے پر کچھ زیادہ گفتگو کی

[5] اپنے پروردگار سے معافی مانگو۔ بے شک وہ سب سے زیادہ معافی دینے والا ہے۔ تم پر پانی برسائے گا زور کا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور باغ اور نہریں تم کو دے گا ۱۲

[2] قدر کرنے کا حق ہے ۱۲

اور ابھی اَور بھی کرونگا اسواسطے کہ میرے پندار میں اسی غلطی نے مسلمانوں کو اس ور بار تک پہونچایا ہی ؀

دہلی میں مولوی نذیر حسین صاحب دور دور یہاں تک کہ عرب فارس او رروم تک مشہور ہیں۔ اور ہندوستان میں چاروں طرف انکے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کو الہام ہوا کہ جاؤ مولوی نذیر حسین کے پاس اور ان میں ترقی کی روح پھونک دو۔ وہ آئے اور لگے مولوی صاحب کے مدرسے میں اُن کے رُودررُو وعظ کرنے مولوی نذیر حسین صاحب رشتے میں میرے کرم ہیں۔ الہامی مولوی صاحب نے باکراہ مجھے بھی بلایا۔ انھوں نے بہت کچھ کہا اور آخرکار مجھ سے کہنے لگے آپ بھی کچھ کہیں۔ میں چُپ۔ جب بہت اصرار کیا تو میں نے کہا آپ یہاں کیا تعلیم کرنے آئی ہیں۔ یہاں کی تلقین تو یہ ہی کہ مسلمان نصف ساق تک پاجامہ پہنتے پہنتے اسکو گھٹنا بناتے جاتے ہیں اور زیادہ ترقی کرینگے تو لنگوٹی باندھے ہونگے۔ خیر یہ تو ایک بات تھی۔ پھر مطلب کی طرف چلو کہ جب عالم یعنی دنیا وما فیہا سب سرحش تغیر میں ہیں تو دین بھی دنیا وما فیہا سے خارج نہیں۔ کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ دنیا کے خاص طرح کے برتاؤ کا نام دین ہی۔ جیسے جیسے دنیا بدلتی جائیگی ویسے ویسے دین کے احکام بھی بدلتے جائینگے یہ سُن کر آپ سب صاحب حیران ہونگے کہ یہ بکتا کیا ہی؟ دین بھی کوئی بدلنے کی چیز ہی۔ خدا کو اس سچے ابدی ازلی خدا کو جو دین تمام روے زمین پر الٰی یوم القیمۃ جاری رکھنا منظور تھا اور جو اسکے علم میں انسان کی اصلاح معاش و فلاح معاد کے لیے کافی تھا اپنے سچے پیغمبر محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اپنی سچی کتاب قرآن مجید میں لکھوا کر لوگوں کے حوالے کر دیا کہ اسپر عمل کیے جاؤ۔ لیکن ذرا صبر و سکون کے ساتھ میری بھی سنو کہ دین کی تبدیل سے میں کیا مراد رکھتا ہوں پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے میری نسبت کہنا ؀

کیا اسکو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص بیمار ہو گیا اور اُسکو پانی کا استعمال ضرر کرتا ہی اور وہ غسل اور وضو کے عوض لگا تیمم کرنے۔ کیا اسکو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص سفر کو نکلا نماز فرض آدھی رہ گئی اور روزہ ندارد۔ کیا اسکو تبدیل نہیں کہیں گے کہ ایک شخص مفلس تھا تو انگر ہو گیا صاحب نصاب اور اس کو زکوۃ کا دینا لازم آیا۔ پھر مفلس ہو گیا زکوۃ ساقط۔ اب مجھکو یہ بتاؤ کہ بیماری اور سفر مفلسی اور توانگری کے چھوٹے چھوٹے تغیرات کی وجہ سے احکام دین بدلتے رہتے ہیں تو اتنے بڑے تغیر عظیم یعنی عملداری کی وجہ سے دین کا کونسا حکم بدلا یا دوسرے لفظوں میں یہی اتنے بڑے تغیر عظیم عملداری کی وجہ سے مسلمانوں کے برتاؤ میں کیا فرق آیا۔ ؀

ہم لوگ پہلے سے ہندوؤں میں بستے تھے۔ مگر ان پر حکمران تھے۔ اب بھی ان ہی ہندوؤں میں رہتے ہیں اور سب ایک کی رعایا ہیں۔ ہندوؤں کے علاوہ کہ ان کا ہمارا مدتوں سے چولی دامن کا ساتھ ہی۔ ایک اور گروہ عملداری کی

وجہ سے پیدا ہو گیا ہی۔ وہ عیسائیوں کا با اقتدار گروہ ہی جسکا شمار یوماً فیوماً بڑھتا جاتا ہی۔ اور بڑھتا جائیگا اور یہ بڑھنا ضروری نتیجہ ان کی ہم مذہبی کا ہی ساتھ حکام وقت کے۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیئے اس بات کو بھی دیکھیں کہ یہ اسلام جس پر ہمکو فخر و ناز ہی اور واقع میں وہ فخر و ناز کی چیز ہے بھی اگرچہ افسوس ہی کہ وہ ہم جیسے نااہلوں کے پالے پڑ کر ان لوگوں کی نظر میں جو اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں حقیر دکھائی دیتا ہی۔ اس بارے میں ہمیں کیا سکھاتا ہی۔ اور جس شخص کی جوتیوں کے صدقے ہمکو یہ فخر حاصل ہوا ہے یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تغیرات زمانے کے ساتھ کیا برتاؤ تھا

جس نے پیغمبر صاحب کی زندگی کے تاریخی حالات پڑھے ہیں وہ اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہی کہ آپ کی عمر کے تین حصے تھے جو ایک دوسرے سے صاف جدا اور ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دو تہائی عمر تک سوچ اور فکر سے اپنے تئیں اس بڑے مشکل نہایت غور طلب۔ بڑے مہتم بالشان کام عالم کی رفارم کے لیئے تیار کرتے رہے جسکے انجام دینے کے لیئے خدا نے انکو منتخب کیا تھا ؎ حکمت محض ست اگر لطف جہاں آفریں ٭ خاص کند بندۂ مصلحت عام را ٭ عمر کے ثلث اخیر یعنی زمانہ نبوت کے دو ٹکڑے ہیں ہجرت کے پہلے اور ہجرت کے بعد۔ ان دو ٹکڑوں کے حالات کو مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ایسے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گویا دو مختلف اشخاص کی دو مختلف زندگیاں ہیں ہجرت سے پہلے کہا جائے تو اس سے ہفتے عشرے۔ مہینے بلکہ برس دو برس بھی مراد نہیں۔ اکٹھے گیارہ برس بلا فصل اس امتداد مدت اور اُن جسمانی و روحانی تکلیفات مالا یطاق[1] پر نظر کیجائے جو آپ اعلےٰ درجے کے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہے تو اندر سے خود بخود دل گواہی دینے لگتا ہے کہ کوئی ایسا ہی زبردست خیال تھا جو ان صعوبتوں[2] میں آپ کی ہمت بندھاتا رہا۔ وہ کیا خیال تھا؟ اس بات کا اذعان کہ میں سچا پیغمبر ہوں اور مجھ پر خدا کی طرف سے وحی آئی ہی اور جو وعدہ مجھ سے کیا جاتا ہی وہ یقیناً حتماً جزماً پورا ہو کر رہیگا الم نشرح[3] لک صدرک میں اسی کی طرف اشارہ ہی حقیقت میں اگر خدا کی طرف سے شرح صدر نہ ہو تو تنگدلی کے ساتھ کوئی انسان گیارہ برس ایسی سختیاں نہیں اُٹھا سکتا

پیغمبر صاحب خدانخواستہ عوام الناس میں سے کچھ گرے پڑے آدمی تو تھے نہیں۔ وہ اُس خاندان کے آدمی تھے جو شرافت اور تعزز کے اعتبار سے تمام عرب پر فضیلت رکھتا تھا اُنکی تعظیم و توقیر والیان ملک یا روسائے اقوام کی سی تعظیم و توقیر نہ تھی جو اکثر صورتوں میں ظاہری اور جبری ہوتی ہی۔ بلکہ مذہبی پیرایہ لیئے ہوئے ارادتمندانہ تہ دل سے جسکے نمونے ہر ایک قوم میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔ دولت حسب نسب حکومت وغیرہ بہت سے ذریعے عزت کے ہیں مگر کوئی عزت اُس عزت کو نہیں پاتی جو انسان مذہب کے ذریعے سے پیدا کر سکتا ہی۔ بیشک مذہبی

[1] جس کی برداشت نہ ہو سکے ۱۲ [2] جمع صعوبت یعنے تکلیف ۱۲ [3] کیا ہمنے تمہارا سینہ نہیں کھولدیا ۱۲

عزت سب عزتوں سے بڑھکر ہی۔ اور اسکا سبب یہ ہی کہ لوگ اس کی تعظیم کو ایک طرح کی عبادت سمجھتے ہیں اور اسکی
عزت کی آڑ میں خدا کی عزت کرتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہی کہ پیغمبر صاحبؐ کی بعثت کے زمانے میں عرب کے لوگ
شرک اور بت پرستی کے بُرے عقائد رکھتے تھے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانۂ خدا کے آگے سارا
عرب بلا اختلاف سر جھکاتا تھا۔ حج ارکان معلومہ کے ساتھ بیشک اسلام سے شروع ہوا مگر اسلام سے پہلے بھی لوگ
ہر برس خانۂ کعبہ کی زیارت کو عبادت کے طور پر آتے۔ بڑا بھاری ازدحام رہتا اور عرب کے میلوں میں وہی موسم حج کا
میلا ملنبہر تھا۔ اور ازبسکہ خانۂ کعبہ کی کل خدمات قریش سے متعلق تھیں۔ لوگ یہانتک انکا ادب ملحوظ رکھتے کہ
ذی الحج۔ محرم۔ صفر۔ اور رجب امن عام کے چار مہینے چھوڑکر باقی آٹھ مہینوں میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک جگہ سے
دوسری جگہ کو جان و مال سلامت لیجائے۔ مگر قریش سے کوئی شخص کسی وقت معترض نہیں ہوتا تھا۔ ان میں کا کوئی
شخص کہیں جانکلتا تو لوگ سعادت سمجھکر اُسکی مہمانداری کرتے۔ اور قریش سے اہل عرب کے دبنے کی ایک بڑی
وجہ یہ بھی تھی کہ انکا معبد اُنکے قبضے میں تھا جہاں انکو جانا ضرور تھا۔ اور موسم حج میں تمام عرب گویا قریش کا مستامن پناہ گزین
اور مہمان ہوتا تھا۔ غرض پیغمبر صاحبؐ اُس قوم کے ایک فرد تھے جسکا ادب مذہبی تمام عرب میں مسلم تھا۔ اور قریش
میں بھی بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں بھی عبد المطلب اور بنی عبد المطلب میں سے خود آں حضرتؐ کہ اپنی جبلی راستی اور
نیکوکاری کی وجہ سے عنفوان شباب میں محمدؐ امین پکارے جاتے تھے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ اسوقت
بھی لوگ اپنے جھگڑے آپکے پاس فیصلے کو لاتے اور اگر کوئی پیچیدہ معاملہ پیش آتا اور بحث کی ضرورت ہوتی تو لوگ
آپ کو آگے کرتے۔ ابتدا ہی سے آپ کی طینت ایسی تھی کہ لوگ آپ کو امتیازی نیکی کا نمونہ سمجھتے اور آپ کی دیانت
اور امانت پر بھروسا کرکے آپکے پاس امانتیں رکھ جاتے ہیں اسکی بھی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس سے میرے
بیان کی اچھی طرح صداقت ظاہر ہوگی۔

ابھی آپنے نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا کہ خانۂ کعبہ کو از سر نو بنانے کی ضرورت واقع ہوئی خانۂ کعبہ بن گیا
مگر اس امر میں اختلاف ہوا کہ ایسا کون ہی جو اُس مقدس پتھر گناہوں کی مقناطیس حجر اسود کو دیوار کعبہ میں اپنے ہاتھ سے
نصب کرنے کی بزرگی حاصل کرے۔ عرب میں اختلاف کے یہ معنی نہ تھے جو ہمارے یہاں ہیں تو تو میں میں۔ یا کوئی
ایسا ہی بے باک آبرو باختہ ہوا تو ہاتھا پائی۔ بلکہ عرب میں اختلاف اور اختلاف بھی ایسی فضیلت کے بارے
میں کہ کوئی دنیاوی شرف اسکو نہیں پاسکتا۔ اس اختلاف کے یہ معنی تھے کہ کشتوں کے پشتے لگ جائیں۔ بارے
وہ شرف اُسی کو ملا جو اسکا اہل تھا اور جسکے ہاتھ سے چند روز بعد دین حق کی بنیاد رکھی جانے کو تھی یعنی لوگوں نے

اتفاق کرکے محمد امین کے ہاتھ سے وہ پتھر اسکے محل پر نصب کرایا ۔

جو شخص تمام عرب میں عزت و آبرو ۔ وقار و ادب ۔ تعظیم و تکریم کا مرکز ہو ۔ یکایک خدا نے اُسکو اپنا ایک خاص کام سونپا کہ وہ اسکی الوہیت کو دنیا میں قائم کرے ۔ اس کام کا بیڑا اٹھانا بھڑوں کے چھتے کا چھیڑ دینا تھا ایکدم سے سارے ہوکے لپٹ پڑے اور جان کے لاگو ہو گئے جو مدارات پیغمبر کے ساتھ ہوئی اسکا ایک ادنے نمونہ یہ ہے کہ ان نابکاروں نے بیحرمتی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا منہ پر تھوکا ۔ گلا گھونٹا ۔ گالیاں دیں جسطرح اب کمینوں میں حقہ پانی بند کر دیتے ہیں اسی طرح برادری سے نکالدیا ۔ حصہ بخرہ ۔ لین دین ۔ کھانا پینا ۔ بول چال سب موقوف ۔ شادی بیاہ رشتہ ناطہ سب الگ پھر اسی پر اکتفا نہیں ۔ نماز پڑھ رہے ہیں سجدے میں گئے ۔ اونٹ کا اوجھ لاکر گردن پر ڈالدیا جس رستے سے سویرے تڑکے نماز کو جاتے تھے اس میں کانٹے بچھا دیتے کہ چبھیں ۔ خانۂ خدا میں آنے کی مناہی ۔ بیٹھنے کی بندش یہ سب فسادات صرف ذرا ایک اتنی بات پر کہ لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلاتے تھے وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد الذى له ملك السموات والارض ۔ ان میں عیب تو بکڑا تو یہ کہ خدائے غالب قابل حمد پر ایمان لائے جو آسمان و زمین کا مالک ہے ایک بار آپ کو بیٹھے بیٹھے ابتداے بعثت کی مصیبتوں کا خیال آگیا اور آپ نے غالباً بعض صحابہؓ کی تسکین کیلیے اُس سفر کا تذکرہ کیا جو آپ کو ہجرت مدینہ سے پہلے طائف کی طرف کرنا پڑا تھا ۔ جب آپ کو اہل مکہ کی طرف سے نا اُمیدی ہو گئی اور اُنکی ایذائیں کسی تدبیر سے کم نہیں ہوتی تھیں تو آپ نے بمقتضاے الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہے اطراف و اکناف پر نظر دوڑائی اور آپ نے خدا جانے کیونکر رئیس طائف کی طرف سے یہ توقع کی کہ عجب نہیں میں جا کھڑا ہوں تو وہ مجھ کو دھکے نہ دے ۔ اور میں اسکی پناہ میں چند روز بسر کر سکوں ۔ اس خیال سے آپ محض بے سر و سامان اور پا بسر و سامان جانا چاہتے تو جانے بھی کون دیتا ۔ غرض جیسے بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے باوجودیکہ مستامن[1] کی حمایت اور مہمانداری عرب کا عام دستور تھا ۔ مگر خداے واحد کی طرف بلانے والے مجرم کو امن کہاں ؟ اس نالائق رئیس طائف نے پناہ دینا تو درکنار سنا ہے کہ چند آوارہ نوجوان لڑکوں کو سنکار دیا ۔ ان اوباشوں نے مہمان پر بے دریغ پتھر برسائے ۔ پیغمبر صاحب کا بدن مبارک زخموں سے چور ۔ اور دل نا امیدی سے شکستہ ۔ سوا کے ایک باغ میں جا بیٹھے ۔ رنج و حسرت کے کیسے کیسے خیالات آپ کے دل میں آتے ہونگے ۔ جس پر وہ مصیبت گزری ہو وہی جانے ۔ کہتے ہونگے کہ اب کیا منہ لیکر مکے واپس جاؤں مکے میں میرا ٹھکانا ہوتا تو میں طائف کا ارادہ ہی کیوں کرتا ۔ کیا آپکے اعوان و انصار نہ تھے ؟ تھے ۔ مگر مذہبی پیچ ایسا آ کر پڑا تھا کہ جو زیادہ قریب تھا وہی سب سے بڑھ کر دشمن تھا ۔

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا ۔ موم سمجھے تھے تیرے دل کو سو پتھر نکلا ۔

[1] امن لینے والا ۱۲

آپ اس درجہ رعایت کو بھی اسقدر ترس گئے تھے کہ پکارتے کہتے تھے لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ
بھائیو میں تم سے اس بات کے صلے میں کچھ معاوضہ تو نہیں چاہتا۔ مجھ کو پاس قرابت کا معاوضہ بھی بس کرتا ہے ✽
باوجودیکہ کوئی اتفاق مساعد نہ تھا آپ اس اعلیٰ درجے کے صبر و استقلال کے ساتھ جو پیغمبر کے سوائے کسی فرد بشر
سے ہو نہیں سکتا۔ عموم مزاحمت میں اپنی رسالت کی تبلیغ اور خدائے واحد کی منادی کرتے ہی رہے۔ یہ وصف خدائی حقانیت
ہی میں پایا ہے۔ کہ زمین قابل نہ ہو۔ نہ ہو۔ آب ہوا سازگار نہ ہو۔ نہ ہو۔ کہیں بھی حقانیت کے بیج کو ڈالدو۔ وہ جمے گا
پر جمے گا۔ آخر کہتے کہتے جن دلوں میں قبول حق کی استعداد تھی گرویدہ ہونے لگے۔ کچھ بوڑھے ایک آدھ نوجوان
کچھ عورتیں۔ کچھ غلام۔ کچھ اطفال۔ کچھ مفالیس[1]۔ اسلام جسطرح بتدریج پھیلا۔ اُسکا پھیلنا ہی اُس کی صداقت کی
بڑی دلیل ہے۔ وہ بالکل طبعی طور پر پھیلا۔ اسکے جھنڈے کے تلے سب سے پہلے وہ لوگ آئے۔ جن کو دین حق کے
اختیار کرنے سے ثروت۔ حکومت۔ شہرت۔ نام و نمود۔ اس قسم کے دنیاوی تعلقات مانع نہ تھے۔ اسنے سچی و مستحکم
رفارم کی طرح پیغمبر صاحب کے گھر میں نمو پکڑا۔ اور الاقرب[2] فالاقرب کے قاعدے کے مطابق پھیلتے پھیلتے آخر کار
مشارق الارض و مغاربہا کو جا دبایا ✽

اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہ تھی کہ معترض کہتے پہلے اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ۔ نیشنل کانگرس کا کئی برس
بڑا شور و غل رہا۔ اور اب بھی ہے مگر مدھم اور روز بروز اسکو مدھم ہو کر آخر کار بند ہونا چاہیئے۔ اور وہ بند ہوتا نظر آتا
ہے۔ مسٹر ہیوم کو جو اسکے بانی مبانی ہیں۔ گو برائے نام روک لیا گیا ہے مگر وہ دست برداری کر چکے ہیں۔ پنڈت آجودھیا ناتھ
بیچارے مر ہی گئے۔ اور یہی دو اسکے کارندے تھے۔ غرض نیشنل کانگرس کے مخالف جہاں اسپر اور بہت سے اعتراض
وارد کرتے تھے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ لاجواب اعتراض یہ تھا کہ اگر کانگرس والوں کو حقیقت میں سچے دل سے
رفارم کی دھن ہے تو پہلے اپنے گھر والوں کی رفارم کریں۔ اس کے بعد گورنمنٹ کو رفارم کی صلاحیں بتائیں۔ فرنشن
ہیل دائی سلف۔ اے طبیب پہلے تو اپنے تئیں تو اچھا کر لے۔ پھر بیمار کے اچھا کرنے کا قصد کیجیو ✽
ہندو اپنے بچوں کو بہت ہی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں۔ جس سے بیوہ عورتوں کا شمار بڑھتا جاتا اور
نسلیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بیوہ عورت کو دوسرا بیاہ نہیں کرنے دیتے۔ جس سے اُنکو ساری عمر مصیبت مند
زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ جبراً بیوہ کا سر منڈوا کر اسکو بدصورت بنا دیتے ہیں۔ کیسی ہی ضرورت سے کوئی سفر
بحری کرے۔ برادری سے خارج۔ کھانے پینے میں حد سے زیادہ چھوت مانتے ہیں۔ بت پرستی جو تمام بد اخلاقیوں

[1] جمع مفلس ۱۲ [2] قریب تر پھر قریب تر ۱۲

کی جڑ ہی بڑے اصرار کے ساتھ اسپر جمے ہوئے ہیں۔ غرض کانگرس کے مخالفین نے اس قسم کے اعتراضات کی ایک بڑی لمبی فہرست بناکر پیش کردی۔ اور کہا کہ تمہارے گھر ہیں یا چیونٹی بھرے کباب۔ پہلے انکو صاف کر دیجیے گورنمنٹ کی رفارم کا نام لو۔ بے شک اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا تھا۔

سو الحمد للہ کہ اسلام کی رفارم نیشنل کانگرس کی سی رفارم نہیں تھی۔ کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ پہلے اپنے گھروالوں کو سمجھاؤ۔ میں نے حضرت خدیجۃ الکبرے رض کے اسلام کی اسوقت تک پوری پوری قدر نہیں کی جب تک ایک مولوی اور مولون کو اپنے کانوں لڑتے نہیں سُن لیا۔ نہیں معلوم کس بات پر میاں بی بی میں تکرار ہو پڑی۔ اور گوشت ترکاری کے سوا وہ بات ہی کیا ہوگی۔ مولوی صاحب بی بی سے اُس ادب کے خواستگار رہتے۔ جسکو وہ از روی مولویت اپنا حق سمجھتے تھے۔ مولون بگڑی ہوئی آپے سے باہر کہہ رہی تھی۔ موئے تیری مولویت کو لگاؤں جھلسا۔ چلا ہی مجھی پر مولویت جتانے۔ میں تیرے رگ و ریشے سے واقف ہوں۔ ابکے وعظ کہہ۔ قناتوں کے اندر سے تیرا سارا پردہ فاش کروں تو سہی۔ آدمی کتنا ہی ضابط کیوں نہ ہو۔ اسکے اصلی حالات گھروالوں سے مخفی نہیں رہ سکتے اهل البیت ادری بما فی البیت (گھروالے گھر کے حال سے خوب واقف ہوتے ہیں) اس پہلو سے دیکھا جاتے تو آدمی وہی بڑا سچا ہی جسکو اسکے گھروالے سچا مانیں۔ پیغمبر صاحبؐ کی اسوقت کی حالت۔ اہل عرب کا طرز تمدن۔ جس میں زناشوئی کے تعلق کی کچھ وقعت ہی نہ تھی۔ اور پھر مذہبی معاملہ۔ یہ سب باتیں پیش نظر ہوں۔ تو خدیجۃ الکبرےؓ کا ایمان لانا سب پر تفوق رکھتا ہی۔ خدیجۃ الکبرےؓ بڑی مالدار بی بی تھیں۔ اور پیغمبر صاحبؐ کی دنیاوی وجاہت متفرع تھی انہی کے تمول پر کہ انہوں نے پیغمبر صاحبؐ کو اپنا معتمد بناکر تجارت کے لیئے شام کی طرف روانہ کیا تھا۔ خدیجۃ الکبرےؓ کا میکا دیندار میکا تھا۔ اور اُنکے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کتب عہد عتیقؑ و جدید یعنی توریت و انجیل کے بڑے عالم تھے خدیجۃ الکبرےؓ عمر میں پیغمبر صاحبؐ سے ۱۵ برس بڑی بھی تھیں۔ ایسی عورت کا اپنے تئیں پیغمبر صاحبؐ کی زوجیت میں دینا اور انکے مذہبی خیالات کی نگرانی رکھنا اور آخرکار انکی نبوت کو تسلیم کرنا کیا کم وقعت رکھتا ہی۔ مجھے تعجب ہی کہ مسلمان پیغمبر صاحب کی صداقت جتانے کو نصاریٰ کے اقوال سے استشہاد کرتے ہیں۔ کون گبن؟ کیسا ڈیون پورٹ مترجم قرآن سیل کیا چیز ہی۔ کیا ان میں سے کسی ایک کی شہادت بھی خدیجۃ الکبرےؓ کی شہادت کے مقابلے میں کچھ وزن رکھتی ہی۔ ہرگز نہیں۔ میں صاحب تصنیف ہوں۔ اگرچہ میں اسے قابل فخر نہیں سمجھتا۔ میری کتابوں کے ساتھ سر ولیم میور کی رائے لکھی ہوتی ہی۔ مجھے اُس سے کچھ خوشی نہیں۔ اگر کوئی ادنے زبان داں مسلمان بھی میری کتابوں کو

ا توریت ۱۲ — ۲ مراد ہی انجیل سے پہلے کی کتب آسمانی توریت زبور صحف انبیاؑ وغیرہ ۱۲

پسند کرے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوتا ہوں۔ کیا لورپول کے چند مسلمانوں کی شہادت سے بھی خدیجۃ الکبرےؓ
اور صحابۂ کبار کی شہادت گئی گزری ہوئی۔ ایسے استشہاد تو کچھ مسٹر شاہ دین بیرسٹرایٹ لاہی کو بھاتے ہونگے میری
نظر میں تو انکی وہ قدر و وقعت ہرگز نہیں جو خدیجۃ الکبرے کی شہادت کی ہی اور جو درحقیقت بڑی قدر و وقعت کی قابل ہیؑ
غرض اس طور پر طبعی رفتار کے مطابق مسلمانوں کا گروہ چپکے چپکے دو دو چار چار کرکے روز بروز زیادہ ہوتا گیا۔ قاعدہ
ہی کہ ابتدا میں بڑا جوش ہوتا ہی۔ جس نے حال میں نماز شروع کی ہی۔ وہ فرائض سے بڑھکر نوافل کا اہتمام کرتا ہی
جسنے پڑھنے کا نیا شوق کیا ہی۔ دن بھر سبق پڑہتا رہتا ہی اسی طرح اُس زمانے میں بھی بعض ایسے جلدباز اور زود فربہ زود
لاغر مزاج کے لوگ داخل اسلام ہوئے تھے کہ خروج کے لیئے بیقرار تھے۔ مگر پیغمبر صاحبؐ ان کو روکتے کہ ابھی وقت
نہیں آیا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے چپکے چپکے اللہ اللہ کیا کرو۔ اتنا ہی بس ہی پیغمبر صاحبؐ کے مکے رہتے رہتے اسلام
نے ترقی توکی۔ مگر وہی ترقی منحلو یا نہ کہ جو جہاں تھا اپنی جگہ چھپا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں
پیغمبر صاحبؐ کے چچا بیٹی۔ داماد بھی تھے۔ اپنا دیس چھوڑ حبشے کو ہجرت کر گیا۔ مخالفین اس ترقی کو بھی نہ دیکھ سکے
انھوں نے سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ جب ان کا شمار بڑھتا جاتا ہی تو انکا ضعف عارضی ہی ع اگر ماند شبی ماند شبی دیگر نمے ماندؔ
جب سب طرح سے ہارے تو آخر الدواء الکی چاہا کہ پیغمبر صاحبؐ ہی کا کام تمام کریں واذ یمکر بک الذین کفروا
لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے
ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے کہ تمکو قید میں ڈالدیں یا مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ لوگ بھی مکر کرتے تھے اور خدا اپنی تدبیریں
لگا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہی) یہ منصوبے ہی کرتے رہے۔ اور پیغمبر صاحب ایک دن اور دو رات پاس کے
پاس غار ثور میں چھپے رہکر اپنے انصار میں مدینے جا داخل ہوئے ہجرتیں ایک چھوڑ دو دو پہلے بھی ہو چکی تھیں مگر
یہی وہ بڑی ہجرت ہی جس سے مسلمانوں کا سنہ چلا۔ اور واقع میں وہ واقعہ اسی یادگار کے قابل تھا اب اسلام میں ذرا
جان سی آچلی۔ اور وہ یا تو ٹھٹھرا ہوا بے حس و حرکت پڑا تھا یا اب لگا کلبلانے اور پھر تو رفتہ رفتہ اسنے وہ جولانیاں
کیں کہ تمام روے زمین کو ہلا مارا ❊

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے بزور شمشیر اپنی سلطنت قائم کی تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہمیشہ سلطنتیں
بزور شمشیر قائم ہوا کی ہیں۔ کیا اوروں کی سلطنتیں سلطنتیں تھیں اور انکو زور شمشیر درکار تھا۔ اور ان کی سلطنت بھیک
کا ٹکڑا تھا کہ کہیں سے مانگ کر لے آتے یا کنکر پتھر تھے کہ پہاڑوں سے جا کر اُٹھا لاتے۔ سدا سے سلطنت کا یہی قاعدہ
رہا ہی اور سدا کو یہی رہیگا۔ جسکی لاٹھی اُسکی بھینس۔ مسلمانوں کی سلطنت بھی اس سے مستثنٰی نہیں مگر ہاں یہ کہنا

کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا واقعات تاریخی کو جھٹلانا ہی۔ اسلام کو مسلمانوں کی سلطنت سے بیشک بڑی مدد پہنچی
لیکن کونسا مذہب سلطنت کی مدد سے نہیں بڑھا۔ ہمکو تاریخ سے استشہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم اپنی آنکھوں
سے دیکھ رہے ہیں کہ ہر چند برٹش گورنمنٹ مذہبی نیوٹرلٹی کا دعوی کرتی ہی۔ اور وہ نیوٹرل ہی بھی۔ مگر جو مخفی امداد
عیسائیت کو صرف اتنی بات سے پہنچ رہی ہی کہ وہ حکام وقت اور قوم با اقبال کا مذہب ہی۔ ہر منصف آدمی اپنے دل
میں اسکا اندازہ کر سکتا ہی۔ آج دیکھتے عیسائیت کو اگر ابتدا میں روم کے بادشاہ کنسٹنٹائن نے متعصبانہ اس کی
امداد نہ کی ہوتی۔ آج دیکھتے عیسائیت کو اگر اہل یورپ اسکے معتقد نہ ہوتے۔ یا ہوتے اور برسر ترقی نہ ہوتے
آج دیکھتے پنجاب میں سکھوں کے مذہب کو اگر ان کی سلطنت نہ ہوئی ہوتی۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دنیا اور
دین دو سوکنیں ہیں۔ اگر دنیا دین کی سوکن ہی تو ایسی سوکن ہی کہ بے اسکی مدد کے دین بی بی کے سر کو کبھی اوڑھنی
بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور ساری عمر دین بی بی کو دنیا بی بی کا اتارن ہی پہنتے گزری۔ تو محفل میں منہ دکھانے قابل ہوئی ہیں۔
کسی ایک مذہب کا نشان دو جس نے کسی زمانے میں کسی ملک میں بدون دنیا کی مشارکت کے ترقی پائی ہو۔
تو اسلام بیچارے نے ایسا کیا قصور کیا ہی کہ اسکو بے وجہ لکو قرار دیا جائے۔ لیکن سمجھے رہو کہ تمکن اور ترقی دو چیزیں
ہیں جیسے درخت کی دو حالتیں۔ ایک جڑ پکڑنا اور ایک پھیلنا پھولنا پھلنا۔ کزرع اخرج شطأہ فآزرہ
فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (جیسے روئیدگی کہ پہلے اسکی کونپل نکلتی ہی۔ پھر اسکو تائید پہنچی تو تپ کر
موٹی ہوئی اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار لگے دیکھ کر تعجب کرنے) سو اگر سچ پوچھتے ہو تو اسلام
نے جڑ تو اسی وقت پکڑی تھی جب مسلمانوں کو نہ زور کا بل تھا نہ زر کا۔ یہ اعتراض۔ ناحق کا اعتراض کہ اسلام بزور
شمشیر پھیلایا گیا۔ اگر تامل کیا جائے تو خود اسی اعتراض میں اسکا جواب بھی موجود ہی۔ تم کہتے ہو بزور شمشیر اسلام
پھیلایا گیا۔ بہت خوب۔ تلوار نے تو لوگوں کو مسلمان کیا۔ لیکن تلوار کو کس نے مسلمان کیا۔ یعنی تلوار فی نفسہا کوئی
چیز نہیں۔ بزور شمشیر اسلام کے پھیلانے کے یہ معنی ہوئے کہ تلوار چلانے والے اسلام کے حامی ہوئے۔ مگر میں پوچھتا
ہوں تلوار چلانے والوں کو اسلام کی حمایت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تم اسکا کیا جواب دے سکتے ہو۔ مجھ سے
سنو۔ آمادہ کیا اسکو ایک اور تلوار نے۔ جو گوشت و پوست پر نہیں۔ رگ و پے پر نہیں۔ مغز و استخوان پر نہیں بلکہ
سویدائے قلب پر کاٹ کرتی ہی۔ یعنی وہ نفس انسانی جس میں خدا تعالے نے قبول حق کی استعداد کو ودیعت رکھا
ہی۔ یہ تلوار شروع سے اسلام کی حامی ہوئی۔ اور مجھکو اسکے کہنے میں ذرا بھی باک نہیں اب بھی ہی اور ہمیشہ رہیگی*
اسلام کو اگر صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا۔ تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں تلوار

کے چھوٹنے سے سلطنت گئی۔ حکومت گئی۔ عزت گئی۔ خوشحالی گئی۔ فارغ البالی گئی۔ اسلام کی رونق گئی۔ شان گئی۔ مگر اسلام کا ایک بار دل میں اترنا شرط ہی۔ پھر جاتے جان رہے ایمان ؞

جناب پیغمبر صاحب نے اپنے عہد کے تمام ملوک و سلاطین کے نام دعوت اسلام کے خطوط جاری کیے تھے ان میں سے ایک خط ہرقل روم کے نام کا بھی تھا۔ اُسنے خط پاکر حکم دیا کہ دیکھو عرب کے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیے اکثر آتے رہتے ہیں۔ اگر ہوں تو اُنکو حاضر کرو۔ چنانچہ جتنے عرب نظر پڑے۔ سب کو ہرقل کے حضور میں لے گئے ان میں سے رئیس قریش ابوسفیان بھی تھے۔ جو اُسوقت تک اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ ہرقل نے پیغمبر صاحب کی نسبت ان لوگوں سے بہت سے سوالات کیے۔ اہل عرب نے ابوسفیان کو جواب کے لیئے اپنا پیشوا بنایا۔ ابوسفیان کا بیان ہی۔ کہ اسوقت تک میرے دل میں پیغمبر صاحب کی طرف سے کبیدگی تو تھی ہی۔ باربار میرے دل میں آتا تھا کہ پیغمبر صاحب کی نسبت خلاف واقع کچھ کا کچھ کہہ دوں۔ مگر ساتھیوں کے ڈر سے اور اپنی ذاتی وقعت کے لحاظ سے جھوٹ تو نہ کہہ سکا۔ تاہم ایک آدھ بات چبا ہی گیا۔ ہرقل کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جو لوگ جدید مذہب میں آجاتے ہیں اُن میں سے کوئی مرتد بھی ہوا ہی۔ ابوسفیان نے کہا نہیں تو ہرقل نے ابوسفیان کے ہر ہر جواب سے پیغمبر صاحب کی صداقت استنباط کی۔ چنانچہ اس عدم ارتداد[1] کے بارے میں کہا "حق کا قاعدہ ہی۔ جب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ پھر جی سے نہیں نکلتا" ؞

یہ حدیث جس میں سے مینے ایک ذرہ سی بات بیان کی۔ بڑے مزے کی حدیث ہی۔ ہرقل کے سوالات اور ابوسفیان کے جواب اور پھر ہرقل کا استنباط[2] قابل دید ہی۔ مگر حدیث اتنی بڑی ہی کہ سالم کو بیان کرنا چاہوں تو بہت سا وقت وہی لے لے اور میں سمجھتا ہوں کہ منشی شمس الدین ابھی گھسر پھسر کر رہے ہیں اور کہتے ہونگے کہ کہیں یہ ختم کرے تو چندے کی کارروائی شروع ہو (جواب دیا گیا کہ آپ جو چاہیں فرماتے چلے جائیں) لہذا میں نے اس کی اسی ایک بات پر اقتصار کیا کہ اگر اسلام کو صرف تلوار نے پھیلایا ہوتا تو مسلمانوں کے ہاتھ سے تلوار چھوٹے ہوئے مدتیں ہوئیں۔ کتنے مسلمان مرتد ہوئے۔ مسلمانوں کی مردم شماری کے سامنے اس کا جواب سکوت یا انکار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ پس اسلام کو نہ زور نے پھیلایا نہ زر نے۔ بلکہ اسکی صداقت نے۔ اسکی حقانیت نے اس کی سہولت نے۔ اسکے عام فہم اور ٹھیک انسانی طبیعت کے ساتھ اسکے موافق اور مطابق ہونے نے فطرۃ الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذلك الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (خدا کی بناوٹ جس

[1] یعنے مسلمان ہوکر پھر اسلام سے پلٹ جانا ۱۲ [2] نتیجہ نکالنا ۱۲

اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہی۔ اللہ کی خلقت کو کون بدلے۔ یہی سیدھا دین ہی لیکن بہت سے آدمی نہیں جانتے)
کیا اسلام کی حالت ایک دم سے بدل گئی تھی۔ ایسا ہوتا نہیں اور ہوا بھی نہیں۔ یوں کہنے کو تو ہجرت سے اسلام
کا دوسرا زمانہ یعنی اسکے غلبے کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ مگر واقع میں اسلام کا پورا تسلط عرب میں فتح مکّہ سے ہوا اور
قرآن پاک سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہی اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ
افواجًا (جب خدا کی مدد آپہونچی اور فتح اور لوگوں کو دیکھو کہ اللہ کے دین میں جوق جوق چلے آتے ہیں) ورنہ اس سے
پہلے صلح حدیبیہ تک تو یہ حال تھا کہ پیغمبر صاحب نے خانہ خدا کی زیارت کے ارادے سے مکے جانا چاہا۔ کفار
نے روکا۔ کیا خدا کی شان ہی۔ خدا کا گھر اور جو شخص صاحب خانہ کا سب سے زیادہ معتقد اسی کو اس گھر جانے کی
مناہی۔ آخر کار صلح ٹھہری۔ صلحنامہ لکھے جانے کو ہوا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو اسکے کاتب تھے لکھا
ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ (یہ وہ معاہدہ ہی جسپر محمد رسول اللہ نے صلح کی) دوسرا فریق بولا۔ رسول اللہ
کیسا؟ اگر ہم تمکو رسول اللہ سمجھتے تو خانہ خدا سے روکتے ہی کیوں؟ اس پر اصحاب بہت ہی برافروختہ ہوئے اور سب
نے تلواریں سونت لیں اور قریب تھا کہ صلح بھنڈ ہو جائے۔ مگر اللہ رے ضبط وہی الم نشرح لک صدرک
آپنے فرمایا اچھا رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو۔ اُدھر وہ ضبط دیکھنے کے قابل تھا اور ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی مذہبی حمیت۔ اور جناب رسول اللہ کے ساتھ ارادت اور محبت۔ عرض کیا واللہ میں تو اپنے ہاتھ سے نہیں مٹاونگا
چنانچہ آپنے خود اپنے دہن مبارک کے لعاب سے اس لفظ کو مٹا دیا ظاہر میں تو مٹا دیا۔ مگر سچ پوچھو تو اس میں لب
جاں بخش سے جان ڈال دی۔ اور اسکو اور تازہ کر دیا۔ نہ جانو اور نہ جاننے کا قصد کرو۔ اس کا تو کچھ علاج نہیں
ایسے معجزے اور کہاں کی کرامت۔ خود پیغمبر صاحبؐ کی لائف ان کی نبوت کا کافی ثبوت ہی۔ آخر کار جب مکہ فتح ہوا اور
پیغمبر صاحب افواج ظفر امواج کے ساتھ اس میں داخل ہوئے۔ وہ داخل ہونا بھی عجیب طرح کا داخل ہونا تھا۔ کوئی
نرم دل سے نرم دل۔ رحیم سے رحیم۔ اور حلیم سے حلیم دنیا کا بادشاہ ہوتا۔ اور اسکے ساتھ مکے والوں نے وہ سلوک
یا اس کا عشر عشیر بھی کیا ہوتا جو پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ کیا تھا تو سب کو بے امتیاز تہ تیغ بیدریغ کرتا۔ گدھوں کے ہل
کاہل پھروا تا۔ تمام شہر کو ڈھاتا۔ اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ
اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون (جب بادشاہ کسی قصبے میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے اجاڑ دیتے ہیں اُس کے
معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں اور وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں)*
نبی ہی کی شان تھی کہ آپنے مکے میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف منادی کرا دی۔ من دخل الکعبۃ فھو آمن دیگر جو

میں داخل ہو گیا اُسے امن ہے) ومن دخل دار ابی سفیان فہو امن (جو ابو سفیان کے گھر میں چلا گیا اُسے امن ہے) ومن دخل دار فلان فہو امن (اور جو فلاں شخص کے گھر میں داخل ہو گیا اُسے امن ہے) یعنی قدرت پاکر پھر سب کو امن دیدیا۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اس صورت میں آپ پر یہ تہمت کہ اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا سنہ دھری جائے نہ اٹھائی جاتی ہے ﴿

میں نے پیغمبر صاحب کے چند حالات اس غرض سے بیان کیئے تا معلوم ہو کہ زمان مغلوبیت اور ہجوم مخالفت میں اسلام کس رنگ سے رہا۔ اور اُس وقت کے مسلمانوں کا کیا برتاؤ تھا۔ یا روشکر کرو کہ نہ ویسی مغلوبیت ہی نہ اُس طرح کی مخالفت۔ ورنہ ہم تو اپنے پندار میں مسلمان رہ ہی نہیں سکتے تھے ﴿

میں نے بیان کیا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کے حالات اس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ گویا دو مختلف شخصوں کی دو مختلف زندگیاں ہیں۔ اس اختلاف سے میری مراد اس قسم کے اختلافات ہیں کہ مفلس تھے بلا مبالغہ اس درجے کے کہ نہ پیٹ کو روٹی اور نہ تن کو کپڑا۔ کیا اصحاب صفہ کا حال معلوم نہیں مارے بھوک کے نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ ہمہ وقت پیٹ پر پتھر باندھے رہتے تھے کہ بھوک کی ایذا کم محسوس ہو اور لوگ ایک ایک پیغمبر صاحب تو دو دو تین تین۔ لباس کی یہ بری حالت کہ لے دیکر ایک بوسیدہ کمبلی وہ بھی اس قدر مختصر کہ سجدے میں جاتے وقت ہاتھ سے پکڑے رہیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ سارے دن رات میں کھانے کو ملا کیا؟ ایک کھجور۔ کہاں تک آدمی ایک کھجور کے سہارے سنبھلا رہ سکتا ہے۔ جہاد کو چلے ہیں، نہ سواری نہ ہتھیار۔ پیروں میں چیتھڑے بندھے ہوئے اور اس مشقت پر کھانے کو درختوں کے پتے۔ غرض مفلسی ایسی کہ ہم لوگ اسکا اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی حالت ہم میں سے کسی پر گزری نہیں۔ ایک وقت تھے۔ اور پھر خدا نے اپنا فضل کیا تو بحرین[1] سے محاصل آیا۔ پیغمبر صاحب صبح سے بانٹنے کو بیٹھے اور لپیں اور جھولیاں بھر بھر کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ جوار۔ باجرا نہیں۔ سونا چاندی۔ تو بانٹتے بانٹتے شام ہو گئی۔ ایک حضرت عباس رضہ کا واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ انھوں نے انبار کثیر دیکھ کر اپنے لیئے اتنا سمیٹا کہ اکیلے اٹھا نہ سکے پیغمبر صاحب سے کہا کہ اٹھوا دو۔ آپ نے انکار کیا۔ ناچار کئی بار اسمیں تھوڑا تھوڑا کم کر کے آخر جتنا لیجا سکے لیگئے ﴿

جیسے ہم ان مسلمانوں کی ابتدائی مفلسی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ انکا تمول مالیہ بھی قیاس میں نہیں آتا۔ آخر آخر مدینے میں یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ خیرات کے روپے لیئے لیئے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نظر نہیں آتا تھا

[1] ایک مقام کا نام ہے ۱۲

غرض ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد اسلام کی حالت میں جو اختلاف واقع ہوا ایک تو فقر و غنے کا تھا۔ دوسرا خوف و امن کا۔ تیسرا ذلت اور عزت کا۔ چوتھا محکومیت اور حکومت کا۔ اسی طرح اختلافات اور بھی تجویز کر لیئے جا سکتے ہیں۔ مگر جسکو اصلی نیکی کہتے ہیں اور جو اسلام کا اصل اصول ہے اس میں عسر و یسر صلح و جنگ کسی حالت میں کبھی رتی برابر فرق نہیں آیا۔ دشمنوں سے لڑتے تھے تو کید و مکر۔ اگرچہ مشہور ہے کہ الحرب خدعۃ اور جیسے دیکھو لڑائی کے موقع پر جھوٹ۔ فریب۔ مکر و دغا سے نہیں چوکتا۔ پر جناب پیغمبر صاحب نے نہ کبھی دغا کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولے۔ نہ کبھی عہد توڑا۔ نہ کبھی ناحق کسی کے سر ہوئے۔ نہ ظلم کیا۔ نہ بیجا سختی کی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان ایسے پیغمبرؐ کی امت۔ ایسے اسلام کے معتقد۔ پھر ان میں یہ خشونت۔ یہ سختی کہاں سے آگئی۔ ہو نہ ہو یہ اسی خبیث سلطنت کا اثر ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عضوض فرمایا کرتے تھے گنا گئی تو خدا نے دور کی۔ اسکی عفونت باقی چلی جاتی ہے ✤

عیسائیوں میں تو باوجودیکہ ہم پر حکمرانی کر رہی ہیں عام شکایت ہے کہ مسلمانوں میں ٹالریشن (تحمل) بالکل نہیں یعنی دوسرے مذہب والوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہندو بھی ہم سے مطمئن نہیں۔ اور جب کبھی ہنگامے اور خانہ جنگیاں واقع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی اگر زیادتی نہیں ہوتی تو مسلمان کچھ اٹھا بھی نہیں رکھتے۔ غرض دوسری قوموں کا یہ عام خیال ہے اور بے وجہ۔ بے سبب نہیں کہ مسلمانوں کا اگر سر کچلا ہوا نہ ہو تو یہ نچلے بیٹھنے والے نہیں اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کیا ہوتا ہے۔ ذرا گورنمنٹ سے پوچھو وہ کیا خیال کرتی ہے وہ فوج اور پولیس اور فوجداری کے انتظام میں مسلمانوں کی آبادی پر نظر کر لیتی ہے۔ اگر مسلمان زیادہ ہوتے ہیں تو اسکو یہ قہر بانی انتظام قوت اور سختی کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں ورنہ کرے تو کام بھی نہ چلے۔ فوجداری اور جیلخانوں کی رپورٹیں پڑھو تو معلوم ہو کہ مسلمان کس قدر جلد لاٹھی پونگے پر اتر پڑنے والے لوگ ہیں۔ شروع شروع میں مجھ کو کبھی ایسا خیال آیا کرتا تھا کہ اب دوسری قوم ہندوستان پر مسلط ہے اور تعلیم بھی عام ہوتی جاتی ہے۔ عجب نہیں رفتہ رفتہ ہندو مسلمانوں میں التیامؐ ہو جائے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ پہلے سے بہت زیادہ پھوٹ بہت زیادہ بدگمانی۔ بہت زیادہ نفرت۔ بیشک تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ دونوں قصوروار ہیں اور دونوں کو قصوروار ہونا چاہیئے۔ مگر مجھ کو ہندوؤں سے کہنے کا کوئی منصب نہیں۔ کوئی حق نہیں اور کہوں تو وہ پذیرائی کیوں کرنے لگے۔ پس میں تو اے مسلمانو! تم ہی کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور تم ہی کو سمجھاتا ہوں کہ از برائے خدا

لہ تکلیف دہ رہتا ۱۲ ؎ لڑائی ایک مکر ہے ۱۲ ؎ اصل معنے گزندہ مگر مراد ہیں ایذا دہ ۱۲ ؎ ملاپ ۱۲

وقت کو دیکھو۔ وقت کے تقاضے کو دیکھو۔ اور اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی نہ مارو۔

اگر خدا نے انسان کو ایسا بنایا ہے۔ اور بیشک ایسا ہی بنایا ہے کہ وہ ابنائے جنس کی مدد کا محتاج ہے تو ابنائے جنس کا انحصار اپنے ہی کنبے اور اپنے ہی خاندان۔ اپنی ہی قوم۔ اپنے ہی ہم مذہبوں میں نہیں ہے بلکہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند　　کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار　　دگر عضوہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بے غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

اور یہ تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جب ضد اور مخالفت درمیان میں آئی تو امداد و استمداد کا سلسلہ منقطع ہوا۔ اور اے کاش دو مخالف اسی پر بس کریں کہ ایک دوسرے کو مدد نہ دیں۔ نہیں ایک دوسرے کو مدد دینے کی عوض نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔

ہم مسلمانوں کو زوال سلطنت کی وجہ سے جو اضطراری نقصان پہنچ گیا ہے وہ کیا کم ہے۔ اور اسی سے ہم کب پنپ سکتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ناحق کی عداوتیں مول لیکر اپنی خرابی کے درپے ہوں اور بڑی بڑی بھاری نقصانات پلے باندھیں۔ اکثر لوگ یہ کہہ کر اپنے سر کا چھدا اتارنا چاہیں گے کہ ایسی حرکات ناشائستہ صرف اُن چند مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں جو عوام کالانعام ہیں۔ لیکن کیوں دائی سے پیٹ چھپانا چاہتے ہو مجھ سے زیادہ مسلمانوں کے ہیجان طبیعت کو کوئی کیا جان سکتا ہے۔ مسلمانوں کے مزاج کی افتاد کچھ ایسی بری پڑی ہے کہ جن میں بگاڑ کا مادہ نہیں ان میں بناؤ کا بھی نہیں اور وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ع زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز[1] وللدھر اثواب فکن فی ثیابہ　کلبستہ یوما اجد واخلقا　فکن اکیس الکیسے اذا کنت فیہم　وان کنت فی الحمقی فکن انت احمقا[2] جہاد کا لفظ کچھ ایسی گھڑی کان کے کانوں میں پھونکا گیا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے بھلے آدمی مزاج کے ٹھنڈے اور کچھ نہیں تو قلم سے بیٹھے جہاد کر رہے ہیں یعنی اور ادیان کا رد۔ اور کیا میں نے تمثیلاً اور استعارةً مناظرۂ مذہبی کو جہاد سے تعبیر کیا۔ نہیں لوگ ان کو اسی مناظرے کی وجہ سے مجاہد فی سبیل اللہ کہتے اور لکھتے ہیں۔

میں نے یہ بڑا خطرناک مضمون اختیار کیا ہے اور میں اچھی طرح سمجھا ہوا ہوں کہ اسوقت سے میری تکفیر کی تجویزیں سوچی جا رہی ہوں گی لیکن مجھ کو اسی قدر بس کرتا ہے کہ میں اپنے پندار میں مسلمانوں کی بہتری کی صلاح انکو دیتا ہوں۔

---

[1] زمانے کے لئے کپڑے ہیں ان میں تو بھی رہ ۱۲ [2] اسی کا سا لباس رکھ ایک دن نیا ایک دن پرانا ۱۲ [3] پس اگر دانشمندوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بڑا بوجھ بوجھکڑ بن ۱۲ [4] اور اگر احمقوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہو تو بھی احمق بن جا ۱۲

لوگوں میں باہمی بگاڑ کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اور میں جانتا ہوں ان میں سے ایسا قوی سبب جلتے ہی لگا نہیں رکھتا نہیں رکھتا نہیں رکھتا دین کا اختلاف ہی۔ یہ میل جول چھوڑا دیتے۔ یہ آپسمیں شادی بیاہ نہ ہونے دیوے۔ یہ ایک جگہ مل کر بسنے نہ دے اور حد سے بڑھ جائے تو ایک کو دوسرے کی جان کا دشمن بنا دے۔ بیشک انسان کی نالائق خواہشوں نے بھی دنیا میں بہت خونریزی کرائی ہی۔ مگر مذہب سب سے زیادہ سفاک ہی۔ اور یہ ایک واقعہ ہی تاریخی جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کتنے نفوس قدسی ہیں دلپنے دیکھنے میں تو آیا نہیں اجو دین کے اختلاف کو اسی کے دائرے میں محدود رکھیں اور معاملات دنیا میں اسکو متجاوز نہ ہونے دیں۔ وہ تو بیرسٹر وکلا اور مختار ہی ہیں۔ کہ دو مخالف فریقوں کے ریپریزنٹیٹو بنکر ایسی ہی طرح لڑتے ہیں کہ بھٹاریاں کیا لڑتی ہونگی۔ اسوقت تو ایسا خیال ہوتا ہی کہ ان میں آپسمیں صاحب سلامت بھی نہ ہوتی ہوگی۔ مگر انکی لڑائی اسی کمرے کے اندر تک ہے۔ جسمیں تمام فسادات کی جڑ وہ حاکم بیٹھا ہی۔ پھر جوں ہی کمرے سے باہر نکلے وہ ایک دوسرے کے ویسی ہی دوست ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں مگر مذہبی لڑائی کا یہ حال نہیں ہی۔ وہ ابدی نفرت اور عداوت قائم کر دیتی ہی۔ نہ صرف دو مخالفوں میں۔ بلکہ ان کی نسلوں میں۔ تو بھائیو اگر تمکو غیروں میں رہنا ہی اور ضرور رہنا ہی۔ اور اگر تمکو غیر قوموں سے کچھ فائدے پہونچنے ممکن ہیں اور ضرور ممکن ہیں اور تم ان فائدوں کے محتاج ہو اور ضرور محتاج ہو تو لڑائی کی بات کا بھولکر بھی مذکور نہ کرو۔ خاصکر مذہبی لڑائی۔ یہ آگ سلگانے سے بھڑک اٹھیگی اور بھڑک اٹھیگی تو تم بیچارے غریب جھونپڑوں کے رہنے والے ٹھہرے۔ تمہیں کو پہلے جلاوے گی بھی ؛

تمہارے دل میں جو خدشے گزر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں اور میں تمکو موقع نہیں دینا چاہتا کہ میرے گئے پیچھے وہ خدشے مذکور ہوں۔ اور میری طرف سے کوئی اتنا نہ ہو کہ تمہاری تسلی کرے تمہارا خدشہ بجا ہے اور تم کہہ سکتے ہو کہ ع

کرتے جوں کو وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت ۔۔۔ پر وہ کچھ ہم سے سُنیگا جو کہے گا ہم کو

تم کہہ سکتے ہو کہ اول تو ہماری طرف سے ابتدا ہوئی نہیں اور خیر ہوئی تو تمہارے کہنے سے آیندہ احتیاط کرینگے لیکن لوگ جو بیٹھے بٹھائے حملے کریں اور چھیڑیں تو کیا اسکے جواب سے بھی گئے گزرے ہوئے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ علم کھلا ہمارے سچے اور پاک مذہب کی توہین کریں اور ہم بیٹھے سنیں۔ بزرگان دین کو برا کہیں اور ہمکو برا نہ لگے تو کیا تمہاری یہ مرضی ہی کہ ہماری طرح کا غر ہو جائیں۔ گرم مت ہو۔ گرم مت ہو۔ کوئی مشکل نہیں جسکے حل کرنے کی تدبیر خدا نے ہمکو نہ بتائی ہو۔ ہمارے سامنے پیغمبر صاحب کا نمونہ موجود ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول خدا میں تم کو پیروی کرنے کے لیئے اچھا نمونہ موجود تھا) منکر لوگ رو در رو پیغمبر صاحب کو پیغمبر صاحب خدا کی

ظالم ۱۲ ۔ وکیل ۱۲

توہین کرتے تھے ۔ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن انسجد لما تامرنا (اور جب اُن سے کہا جاتا ہی کہ رحمن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ رحمن کیا چیز ہے ۔ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ جس کے آگے سر جھکانے کو تم کہو اُسی کے آگے سر جھکا دیں) علاوہ بریں شرک سے بڑھکر بھی کوئی اور طریقہ خدا کی توہین کا ہی ان الشرک لظلم عظیم (تحقیق شرک بڑی بے انصافی کی بات ہی) یا یہ کہنا کہ خدا کے جورو بچے ہیں ۔ اسی میں خدا کی کون سی شان بڑھی جاتی ہی ۔ قرآن کے سطالب پر نظر ہو تو کل ہے کو کسی کے بتانے سمجھانے کی ضرورت پڑے ۔ عین وقت پر آپ سے آپ یاد آجایا کرے ۔

بھلا پیغمبر صاحب کی ذاتی توہین کو تو رہنے دو ۔ خدا کی توہین تو خود خدا کو اور پیغمبر صاحب کو اور نہ صرف پیغمبر صاحب بلکہ کل انبیا علیہم السلام کو کسقدر شاق گزرتی ہوگی ۔ سو خدا کا برتاؤ تو ان بندوں کے ساتھ جو اسکی اہانت کرتے ہیں ۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو ۔ جس کسی مذہب کو حقانیت کا بڑا لمبا چوڑا دعویٰ ہو ۔ وہ اپنی کوئی دنیاوی خصوصیت خدا کے ساتھ دکھائے ۔ رزق ۔ پھول ۔ توالد ۔ تناسل ۔ تندرستی ۔ کوئی ایک چیز بتاؤ جو کسی ایک مذہب والوں کے ساتھ خاص ہو ۔ قرآن کی وہی ایک آیت یاد کرو ۔ واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا بلدا اٰمنا وارزق اھلہ من الثمرات من اٰمن منھم باللہ والیوم الاٰخر قال ومن کفر فامتعہ قلیلا ثم اضطرہ الی عذاب النار وبئس المصیر ۔ ابراہیم علیہ السلام نے بتقاضائے بشریت خدا کی جنتوں کو دنیا میں اپنے گروہ کے ساتھ خاص کرنا چاہا ۔ اور من اٰمن منھم کی قید لگائی ۔ خدا نے کہا یوں نہیں بلکہ ومن کفر فامتعہ قلیلا جو کفر کریگا اسکو بھی دنیا کے چند روزہ فائدے یکساں پہنچینگے اور کفر و ایمان کا فرق آخرت میں ظاہر ہوگا ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون سے اقتباس کیا ہی ؎

اگر با پدر جنگ جوید کسے	پدر بیگمان خشم گیرد بسے
اگر خویش راضی نباشد ز خویش	چو بیگانگانش براند ز پیش
اگر بندہ چابک نباشد بکار	عزیزش ندارد خداوندگار
وگر ترک خدمت کند لشکری	شود شاہ لشکر کش از وے بری
ولیکن خداوند بالا و پست	بعصیان در رزق بر کس نہ بست

ہمکو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم دیا ہی اور جملہ مذاہب کا آل کار بھی یہی ہی تخلقوا باخلاق اللہ ۔ اللہ کی سی عادتیں اختیار کرو ۔ ہم کب متخلق باخلاق اللہ ہو سکتے ہیں ۔ اگر وہ درگزر کرے اور ہم درپے انتقام رہیں وہ سانگا رہی رکھے اور ہم لڑیں ۔ وہ برداشت کرے اور ہم ناک پر مکھی بھی نہ بیٹھنے دیں ۔ پیغمبر صاحب اُن کو جا بجا اور بار بار یہی حکم ہوتا تھا ۔ فاصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (صبر کرو ۔ خدا احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)

فاصبر ان وعد الله حق (صبر کرو بیشک خدا کا وعدہ سچا ہے) فاصبر و ما صبرک الا بالله (صبر کرو۔ اور نہیں ہے صبر تمہارا مگر اللہ کی توفیق سے) فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (صبر کرو جسطرح صبر کیا ہمت والوں نے) یا تم یوں کہو کہ یہ احکام پیغمبر صاحب کے ساتھ خاص تھے۔ مگر سوائے تمہارے سلف سے لیکر خلف تک کوئی امام۔ کوئی مفسر اسکا قائل نہیں یا ہو کہ احکام عام ہیں۔ اور ہم بھی ان کے مخاطب ہیں۔ مگر ہم انکی تعمیل نہیں کرتے۔ تو سب سے زیادہ مذہبی غیظ و غضب تم کو پہلے اپنے اوپر کرنا چاہیئے۔ نہ کہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت۔ مذہب کو تم نے سمجھا کیا ہے؟ مذہب نام ہے من سمجھوتی کا۔ کل حزب بما لدیہم فرحون ۔ یہ توہم کا کارخانہ ہے یاں ہی ہے جو عشق یار کیا۔ +

جس عقیدت سے ایک مسلمان آب زمزم نوش کرتا ہے۔ اسی ارادت سے ایک ہندو گنگا جل پیتا ہے یعنی دونوں کی مذہبی تسلی میں کچھ فرق نہیں۔ اور کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ جان بوجھکر سمجھ کر حق بات کو نہیں مانتے۔ یہ بات میری سمجھ میں تو آتی نہیں کہ آدمی خدا کو جانے۔ اسکی قدرت کو جانے۔ اسکے احسانات کو جانے اور یہ بھی جانے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اور پھر اس سے مخالفت کرے۔ خدا اور خدا کی قدرتیں تو بجائے خود مجھ کو اتنی ہی طاقت ہونے دو کہ اس کتاب کو کہوں کھل اور یہ کھل جائے اور کہوں کہ بند ہو اور یہ بند ہو جائے۔ اور اسمیں کسی قسم کی نظر بندی اور چالاکی کا دخل نہ ہو اتنی ہی طاقت پر اگر سارے ہندوستان کو اپنی طرف نہ کر لوں تو پھر میرا لکچر سننے کو نہ آنا۔ مگر یوں کہو کہ جہاں انسان کی دوسری حالتوں کا اختلاف منجانب اللہ ہے ومن آیاتہ اختلاف السنتکم والوانکم (اسکی نشانیوں میں سے ہے تمہاری بولیوں کا اختلاف اور تمہارے رنگوں کا اختلاف) اسیطرح اختلاف مذاہب بھی من جانب اللہ ہے ولو شاء الله لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقہم (اگر خدا چاہتا سارے آدمیوں کا ایک ہی مذہبی گروہ بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر جسپر تمہارا پروردگار رحم کرے اور اسی لئے انکو پیدا کیا ہے) گر ذلک کا مشار الیہ مختلفین ہو اور یقیناً مختلفین ہی ہے تو یہ اختلاف قیامت تک مٹنے والا نہیں خدا نے انسان کی ایسی ہی بناوٹ رکھی ہو تو اس کی خلقت کو کون بدلے ع گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را۔ +

فرض کرو کہ ہم ایک مذہبی رائے رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آدمی اس سے اتفاق نہیں کرتا اور معلوم ہے کہ ناحق کی ضد سے اس نے ایسا نہیں کیا تو اسکا اختلاف قابل رحم ہے نہ مستوجب ملامت۔ چاہیئے کہ جب ہمکو جوش ہمدردی بیچین کرے ہم اسکے حق میں دعا کریں۔ رفق و لینت سے اسکو سمجھائیں مدد کریں کہ وہ راہ راست پر آجائے۔ یا فرض کرو کہ وہ ناحق کی ضد کرتا ہے تو وہ اور زیادہ قابل رحم ہے۔ اگر راہ راست پر آجاتا تو اپنا ہی فائدہ کرتا نہ کہ ہمکو بخشوا تا نہیں مانتا تو مر جائے پڑے چولہے میں۔ ہمکو اسکے ساتھ عداوت پیدا کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ +

جو لوگ مذہبی مناظرات کرتے ہیں۔ وہ تمن عقل اتنا نہیں سمجھتے کہ ان مناظرات سے دوسری قوموں کے ساتھ مخالفت اور عداوت پیدا یا تازہ یا راسخ ہوتی ہے اور مسلمانوں میں اب اتنا دم نہیں ہے کہ اس مخالفت کی مقاومت کر سکیں۔ بعض کو یہ خیال بھی ہوتا ہوگا کہ مناظرہ بھی دین کی حمایت کا ایک پیرایہ ہے اور عجب نہیں کہ وہ اسکے اجر کے بھی متوقع ہوں۔ میں سرے سے اسی بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ تقاضائے دینداری ہی لوگوں کو مناظرات کا باعث ہوتا ہے اور وہ احتساباً اور خالصتہً لوجہ اللہ اس کام کو کرتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے کے مافی الضمیر سے آگہی حاصل کرنا مشکل ہے۔ مگر مناظرے ہی میں تو دینداری کا انحصار نہیں۔ دینداری اور بھی بہت سے کام چاہتی ہے۔ دینداری چاہتی ہے مثلاً یہ کہ آدمی یہ جان کر کہ میں دین حق پر ہوں۔ پھر ہمہ وقت خدا سے ڈرتا رہے کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اگر خطر عاقبت پیش نظر ہو اور یہ ایسا خطرہ ہے کہ ہر فرد بشر کے پیش نظر ہونا چاہئے تو میں سمجھتا ہوں اسی ایک خیال میں اسقدر کافی مصروفیت ہے کہ آدمی کو اپنے ہی نفس کی پرداخت سے فرصت مل نہیں سکتی۔ دوسروں کے دین و مذہب کی وہ کیا خبر رکھے ؎ غم نداری بز بخر ٭

آدمی کو دنیا میں آپ ہی اپنا جج (منصف) ہونے دو۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے کہ اس کا گناہ اور اسکی برأت۔ اس کی نیکی اور اسکی بدی ایسا جج تجویز کریگا۔ جسکو اُسکے دل کے بھید۔ اس کی آنکھوں کی چوریاں ذرا ذرا معلوم ہیں یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (وہ آنکھوں کی چوریاں اور سینوں کے راز جانتا ہے) ٭

کیا وہ بڑی خوفناک حدیث نہیں سُنی کہ قیامت کے دن ایک شخص نیکیوں کا انبار اپنے ساتھ لیئے ہوگا اور حکم ہوگا کہ اسکو جہنم میں لیجاؤ۔ یہ حکم سُن کر اسکو سخت حیرت ہوگی اور عرض کریگا کہ اے پروردگار کیا میں نے تیرے حکم کے مطابق نمازیں نہیں پڑھیں۔ روزے نہیں رکھے۔ زکوٰۃ نہیں دی۔ حج نہیں کیا۔ یہ نہیں کیا۔ وہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخر کار کہیگا کہ میں نے تیری راہ میں جان نہیں دی۔ غرض وہ اپنی نیکیاں اور کارگزاریاں ایک ایک کر کے گنوائیگا۔ اور بارگاہِ رب العزت بے نیاز سے ارشاد ہوگا کہ بیشک یہ سب کام تو نے کیئے۔ مگر یہ سب کام تو نے دکھاوے کے لیئے کیئے تھے۔ اور تو دنیا میں ان کا صلہ پاچکا ہے۔ تو نے چاہا لوگ تجھ کو سخی کہیں۔ اور لوگوں نے کہا۔ تو نے چاہا تو بہادر مشہور ہو اور تو بہادر مشہور ہوا۔ پھر اب تو کیا چاہتا ہے۔ تو نے کوئی کام ہماری رضامندی اور خوشنودی کے لیئے نہیں کیا۔ اور نہ تو اس کا مستحق ہو سکتا ہے ٭

یہ سمعہ اور ریا جسنے اس بدنصیب شخص کے سارے اعمال حسنہ حبط کر دیئے۔ مذہبی مناظرات میں بڑی آسانی اور عجلت کے ساتھ دخل کر سکتی ہے۔ مناظرے کو اظہار حق کی حد سے متجاوز نکرنے دینا بڑا مشکل کام ہے بحث میں

سخن پروری اور ضد آہی جاتی ہی۔ کون شاعر ہی جو داد نہیں چاہتا۔ اسیطرح کونسا مناظر ہے جو اپنے فریق سے
مدح وتحسین کی امید نہیں رکھتا ہی۔ اور اسی کا نام ہی ریا۔ انسان کو خدا نے ایسا مخلوق خود غرض پیدا کیا ہے
کہ جب تک جلب منفعت یا دفع مضرت محرک نہ ہو وہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اگر خدا کے نام
ایک پیسہ دیتا ہی تو اس امید سے کہ اسکو عاقبت میں اس ایک پیسے کے بدلے دس روپے پندرہ آنے ملینگے
مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف
لمن یشاء واللہ واسع علیم (جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہی جس سے سات
بالیں پیدا ہوئیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ جسکو چاہتا ہی دوچند سہ چند کر دیتا ہے) تو ہم کیونکر سمجھیں کہ بحث مذہبی
میں بھی اس کی کوئی ذاتی غرض ضرور ہی اور وہ غرض ناموری اور اظہار لیاقت ہی کیوں نہ ہو۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں
مذہب حسن سمجھ کا نام ہی اور یہ مناظرے کا نہیں بلکہ نفس مذہب کا قصور ہی کہ اس کا مباحثہ کبھی ختم۔ اسکا جھگڑا کبھی
فیصل نہیں ہوتا۔ اے کاش مذہب اقلیدس کا کوئی دعوی ہوتا۔ یا حساب کا سوال یا جبر و مقابلے کی مساوات۔ مذہب
کی بنیاد ہی عقیدے پر اور عقیدہ موقوف ہی قبول طبیعت پر اور طبائع اس بارے میں اس قدر مختلف واقع ہوئی
ہیں کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ۔*

یہ ظاہر بات ہی کہ ہم پیغمبر صاحب سے بہتر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ اول تو خود ان کا عقیدہ اسقدر راسخ تھا
کہ ہمکو اسکا پاسنگ بھی نصیب نہیں۔ دوسرے خدا نے ان کی بات میں اثر دیا تھا اور جو بات خلوص سے کہی
جاتی ہی موثر ہوتی ہی ہی۔ ہماری بات میں اثر کیا خاک ہو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں کہتے سب کچھ ہیں کرتے کچھ
بھی نہیں ع اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ *

یا ایہا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون (لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں کہتے ہو جو آپ نہیں کرتے) مگر باوجودیکہ پیغمبر
صاحب کا عقیدہ راسخ۔ ان کی بات میں بھی اثر تھا۔ اور اُن کا اہتمام بھی بلا کا اہتمام تھا۔ پھر بھی جن کی طبیعتوں میں قبول
حق کی استعداد نہ تھی ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور پیغمبر صاحب اس سے کچھ شکستہ خاطر سے ہوئے تو اللہ تعالی نے
انکو سمجھا دیا۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء (جسکو تم چاہو ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جسکو
چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اگر تمکو مناظرے کی کامیابی کا یقین ہی تو کسی ایک صرف ایک مذہبی فرقے کا نام لو جو
مغلوب مناظرہ ہو کر معدوم ہو گیا ہو۔ سچ پوچھو تو لوگوں کو حق کی طلب اور تلاش ہی نہیں کہ مناظرے سے فائدہ
اٹھائیں۔ بحث و مناظرے کا نام آیا اور ان کو خدا واسطے کی کاوش ہوئی۔ بلکہ میری رائے پوچھتے ہو تو جسکو اپنے مذہب

پر زیادہ حملے کرانے منظور ہوں۔ وہ اسطرح کی چھیڑ کرے۔ اس سے زیادہ افسوس کی اور کیا بات ہوسکتی ہی کہ تم کسی فی چاہو دین کے حق میں دوستی۔ اور وہ ہو جائے الٹی دشمنی۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ انکو بُرا نہ کہو ورنہ وہ لوگ بیجا نہیں ناحق خدا کو بُرا کہنے لگینگے۔ اسیطرح ہمنے ہر ایک گروہ کی نظر میں انکے عمل کو بہتر بنا دیا ہی۔ پھر اسکو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی سو جو کچھ وہ کرتے یعنی اسکی کیفیت وہ اُنپر ظاہر کر دیگا) ہندوستانیوں کو جیسے انگریزی عملداری میں آزادی نصیب ہوئی تھی پہلے سے ہوتی تو بہتیری کچھ بہتری کر لیتے۔ مگر یہ اسکے لیے گھسے مذہب ہیں۔ اور مذاہب میں بھی گھسے تو ایسی بھونڈی طرح کہ جس سے آپسمیں نفاق پڑے۔ پیرایہ تو بڑا اختیار کیا ہے۔ مگر ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ ایک دوسرے کی ضد سہی۔ انتقام کی غرض سے سہی۔ شہرت اور ناموری کے لیئے سہی۔ کسی وجہ سے سہی۔ لوگ بد مذہب کی طرف متوجہ ہوے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ اسلام کو غیب سے درپردہ تائید پہنچ رہی ہی۔ اور اسکے اصول بھی ایسے ہی صاف سلیس اور عام فہم کہ کسی کو حق کی تلاش کا نام تو زبان سے لینے دو۔ پھر دنیا میں کہیں اسلام کے سوا اس کا ٹھکانا بھی ہے۔

اسلام کا لب لباب دو مختصر سے جملے ہیں کا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سو میں دیکھتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ کے تو لوگ معتقد ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اور کیونکر معتقد نہ ہوں۔ جو عقل انکو یہ سمجھا رہی ہی کہ خدا ہے۔ وہی یہ بھی سمجھا رہی ہے کہ وہ ایک بھی ہی۔ جن مذہبوں میں شائبہ شرک تھا اب وہ اسکی تاویلیں کرتے جاتے ہیں اور تاویل نہیں کر سکتے تو جھینپ کر دل ہی دل میں پشیمان ہو کر بات کو ٹال جاتے ہیں۔ یا اِس پہلو پر نہیں آتے۔ غرض مذہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی فتح اور کامیابی نہیں تو اور کیا ہی؟ توحید اور اسلام مرادف یک دگر ہیں یعنی لفظ دو اور معنی ایک۔ بیشک اسلام ایک مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب سے جدا اور ممتاز۔ لیکن اصل الاصول توحید ہی۔ اور باقی شرائع و آداب اوامر و نواہی سب فروع۔ توحید گویا نفس قانون) اور باقی تمام مذہب پراسیڈیور یعنی ضابطہ کارروائی۔ اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعوتِ اسلام میں سارا زور اسی ایک توحید پر دیتے تھے اور فرماتے تھے یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں یکساں ہی کہ ہم سوا خدا کے کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو اسکا شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوا کسی کو اپنا مالک قرار دے) بیشک ابھی لوگوں کی توحید میں خامی ہی۔ نقصان ہی۔ کدورت ہی۔ مگر دوسرے لوگوں کی توحید کو کیا کہا جائے۔ اور کس مُنہ سے کہا جائے۔ جب خود ہم

مسلمانوں کی توحید بھی خامی، نقصان اور کدورت سے خالی نہیں۔ ذرا توحید کا پیچ کسا جاتا ہے تو اپنے ہی بھائی وہابی وہابی کہہ کر ہیرو پیٹنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس عالم اسباب میں اسباب سے قطع نظر کرنا ہے بھی ذرا ٹیڑھی کھیر اپنی چھاچھ کو کون کھٹا کہا کرتا ہے۔ جن عقائد اور جن افعال کی وجہ سے ہم دوسرے لوگوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں وہی عقائد اور وہی افعال ہمارے یا ہم میں سے اکثروں کے بھی ہیں۔ فرق اگر ہے تو یہی قدر کہ اوروں نے اپنے بزرگوں کے حق میں افراط کی ہے۔ ہمنے اپنے بزرگوں کی شان میں۔ لیکن بسلسلۂ سخن کشاں کشاں مجھ کو اسی گڑھے میں لیجانا چاہتا ہے جس میں گرنے سے میں تمکو ڈراتا تھا۔ پس اس تذکرے کو چھوڑو اور اصل مطلب کو لو۔

ہاں تو میرا خیال یہ ہے کہ مذہب کا عام رجحان توحید کی طرف پایا جاتا ہے۔ اور میں اسکو اسلام کی فتح نمایاں خیال کرتا ہوں۔ اور اگر مسلمان لینت و استمالت (نرمی و دلجوئی ۱۲) اختیار کریں۔ اور لوگوں کو سختی اور درشتی سے نفرت و وحشت نہ دلائیں۔ تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اسلام مذہب عام پسند نہ ہو۔ اور کیوں سب لوگ مسلمان نہ ہوں۔ آخر ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے ایسی باتیں جن سے تزلزل توحید ظاہر ہوتا ہے۔ سرزد ہوتی ہوئیں دیکھتے ہیں۔ اور انکی تاویلات کو گو فی نفسہا سخیف اور ضعیف ہوں پذیرا رکھتے ہیں۔ اور ان سے مفارقت اور متارکت نہیں کرتے۔ تو ایسی کونسی بڑی قباحت لازم آجائے گی۔ اگر غیر قوموں کے ساتھ ہم دلداری سے پیش آئیں اور مذہبی اجنبیت کو کم کریں۔ کچھ مولفۃ القلوب کی بھی خبر ہے کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ تھے ڈودے سے متزلزل العقیدہ۔ مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء۔ (نہ ادھر نہ ادھر بیچ بلا کدھر) اگر پیغمبر صاحب انکو حکمت عملی سے ہلائے ملائے نہ رہیں تو وہ کھلم کھلا فریق مخالف میں جا ملیں فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (یہی خدا کی ایک رحمت ہے کہ تم انکے لیے نرم ہو گئے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے کبھی کے سٹک گئے ہوتے) لیکن پیغمبر صاحب نے کبھی ان کی نسبت بدگمانی ظاہر نہیں کی اور نہ ان پر شبہہ کیا اور انکے ساتھ بالکل دوستانہ برتاؤ رکھا فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر (ان کو معاف کرو اور خدا سے ان کے گناہوں کی معافی چاہو اور معاملات میں انسے مشورہ لو)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ وہ ایسے سچے اور پکے مسلمان ہوئے جیسے اور۔ اور انہوں نے ایسے ایسے کارنمایاں کیے جیسے دوسروں نے۔

مسلمان ادنے ادنے بات میں پیغمبر صاحب کی نقل و تقلید کرتے ہیں یہاں تک کہ وضع، شکل، صورت بھی ایسی ہی بنانا چاہتے ہیں اور یہ بڑی عمدہ بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پیغمبر صاحب کا سا باطن بنانے میں مطلق اہتمام نہیں جو سراپا حلم، سرتاپا رحمت، سرتاپا سہولت تھی انکو سینکڑوں مولفۃ القلوب گھیرے رہتے تھے۔ امت نے استمالت اور تالیف قلوب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ اور میری آج کی بات کو میں تو چاہتا ہوں دل پر مگر دل پر تو تم کیا لکھو گے کسی کتاب کے پٹھے پر یادداشت

سے طور پر لکھ رکھنا کہ جب تک مسلمان برداشت اور درگزر اور سازگاری کا شیوہ اختیار نکرینگے نہ انکو دنیا مین فلاح ہوگی اور نہ کچھ دین ہی کو فائدہ پہونچا سکین گے ۔

جسطرح فطرت نے لا الہ الا اللہ کے قبول کرنے کا رجحان طبیعتوں میں پیدا کیا ہی۔ اسیطرح وہی فطرت محمد رسول اللہ کے قبول کرنے کی طرف بھی طبیعتوں کو رغبت کرے پر کرے ۔ بشرطیکہ پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھایا جائے سر پیٹ لینے اور منہ کھسوٹ ڈالنے کی جگہ ہی پیغمبر صاحب کی ایسی بھونڈی تصویر دوسری قوموں کے پیش نظر ہو کہ معاذ اللہ وہ ایک شخص ہیں۔ ترش رو۔ بدخو۔ جنگ جو۔ ظالم۔ سفاک۔ کینہ توز[۱]۔ حکومت پسند۔ ان کے دا‏ہنے ہاتھ میں سیف مسلول ہے یا دیوا سلائی کا بنڈل یا ڈنامائٹ۔ اور بائیں میں مارشل لا (قانون جنگ) جب کہ واقع میں از روے حق الامر وہ ایک شخص تھے ہنس مکھ۔ خوش خلق۔ بردبار۔ منکسر۔ متواضع۔ نرم مزاج۔ نیک دل۔ انک لعلی خلق عظیم[۲] ان کے ہاتھ میں گلدستہ یا دستنبو یا آب حیات اور دوسرے میں فوز و فلاح دارین[۳] کا فرمان یعنی قرآن۔ مسلمان کہیں یا نہ کہیں۔ مانیں یا نہ مانیں۔ مگر میں اس بات کے کہنے پر مجبور ہوں کہ ابھی تک مسلمانوں نے پیغمبر صاحب کو ان کی اصلی حالت میں دکھانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی پیغمبر صاحب کو ٹھہرایا ہوا اور آپ بنے ہوا اور لوگوں کو چاہتے ہیں کہ گرویدہ اسلام ہوں[۵]

این خیال ست و محال ست و جنون

اب یہ زمانہ کامپٹیشن (مقابلہ) کا ہی جہاں اور سب باتوں میں کامپٹیشن چلتا ہی۔ مثلاً کوئی شخص نوکری کا طلبگار ہی۔ تو کامپٹیشن کی خبتری میں سے نکلے بدون اسکو نوکری نہیں ملے گی۔ کوئی شخص تجارت کرنا چاہتا ہی کامپٹیشن کی کشمکش کے بغیر اسکو بھی کامیابی نہیں ہوگی۔ اسیطرح مذاہب میں بھی کامپٹیشن قائم ہی۔ ہر مذہب والے چاہتے ہیں کہ ہمکو پبلک کی نظر میں قبولیت ہو۔ جتنے مذہب ہیں گویا اتنے ایک خاص چیز کے دوکاندار ہیں۔ ہر دوکاندار اس کوشش میں لگا ہی کہ سب سے زیادہ اسکی دوکان چلے۔ لوگ کثرت سے اسکا مال لیں۔ جو تدبیر ایک دوکاندار کو اپنی دوکان چلانے کے لیئے کرنی پڑتی ہی۔ وہی تدبیر اسکو کرنی پڑیگی۔ جو چاہتا ہے کہ اسکا مذہب زیادہ تر مقبول عام ہو اور وہ باتدبیر ہے؟ ملنساری۔ راستی۔ خوش معاملگی۔ آسانی۔ ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر یہ ہی کہ ہم اپنے تئیں اچھا دیندار بنا کر لوگوں کو اپنا اچھا نمونہ دکھائیں۔ سو افسوس ہی کہ ہمنے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی ۔

جہاں تک دینداری کو تمدن میں دخل ہی۔ ہمکو بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ مسلمان اگر سوسائٹی کے بہت بڑے ممبر نہیں تو بہت اچھے بھی نہیں۔ حالانکہ ہمکو اس نبی کی امت ہونے کا فخر حاصل ہی۔ مگر کردار سے نہیں بلکہ گفتار سے

[۱] کینہ کش ۱۲ [۲] بیشک تم بڑے ہی خلیق ہو ۱۲ [۳] عامۂ خلائق ۱۲ [۴] دونوں جہان کی کامیابی ۱۲ [۵] یہودی ۱۲

جو مکارم اخلاق کے متمم اور مکمل تھے علیہ من الصلوٰۃ انمہا واکملہا اُن پر خدا کی رحمت پوری اور کامل تمام ہو

اسلام کی بے وقعتی کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی شکستہ حالی بھی ہے۔ مسلمانوں کی دنیاوی حالت درست ہو۔ تو بہت سی باتیں جو لوگوں کی نظر میں مورد اعتراض ہیں۔ وہی مورد تحسین ہیں۔ لیکن خرابی یہ آکر پڑی ہے کہ اس شکستہ حالی پر مسلمانوں کو زہد تعلیم کیا جاتا ہے جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی شکستہ حالی پر صبر کرکے بیٹھ رہے ہیں۔ اور اس کی درستی کی مطلق فکر نہیں کرتے۔ یا کرنا چاہیئے مثلاً من بھر تو یہ کرتے ہیں چھٹانک۔ وہ بھی بادل ناخواستہ کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا برابر۔ اگر ایک چھپر مثلاً سو آدمی کی مجموعی پوری طاقت سے اُٹھائے جانے کا ہے اگر دو چار آدمی اسکو انگلیوں کے سہارے سے اُٹھانا چاہیں تو بھلا وہ چھپر اپنی جگہ سے کب کھسکا۔

میں اس شکایت کی سند میں پیش کرتا ہوں انجمن حمایت اسلام لاہور کی حالت کہ اس نے اٹھاتے تو ایسے بڑے کام کا بیڑا اٹھا لیا جو قوم کے کرنے کا ہے۔ اور قوم کے کرنے کا بھی اس صورت میں ہے کہ قوم کشادہ دلی سے اس کی معین و مددگار ہو۔ لیکن قوم اور کشادہ دلی کا کیا مذکور ہے۔ صرف معدودے چند اسکو اتفاقی طور پر وہ بھی ہچکچاتے ہچکچاتے نباہے چلے جاتے ہیں۔ پس انجمن کی گزران بالکل توکل کی سی گزران ہے جسکو شاعر خاقانی سے بڑھکر سمجھا ہے

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ہمیں آتی تو روزی ہے اور نہیں روزہ

ہمارے ہندوستان کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جتنے چندے کے کام ہیں بڑے چندے۔ اول تو جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ قومی ضرورت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اور خیر تھوڑا بہت جو کچھ ہے۔ اے کاش اسی کو استحکام ہو۔ پائداری ہو۔ یوں سبک سبک کے دینے سے روپے کا روپیہ خرچ ہوتا اور پیاس تو بھلا اوس سے کیا بجھتی ہے۔ سب ملکر ایک دم سے زور لگاؤ کہ بڑا او جو مدتوں سے دلدل میں پھنسی پڑی ہے تیرنے لگے۔ پس و پیش اور حیص بیص میں وقت گزرا چلا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ پھر یہ مرض مزمن ہوکر علاج پذیر باقی نہ رہے۔

انجمن حمایت اسلام لاہور نے تو ایسا پیرایہ اختیار کیا ہے کہ اسپر کوئی متعصب سے متعصب مسلمان بھی اعتراض نہیں کرسکتا۔ اس کو معمولی طور کی انجمن نہ سمجھنا۔ یہ حجت الٰہی ہے جو مسلمانوں پر تمام ہوئی۔ اسوقت تک جو کارروائی انجمن نے کی ہے اس کی رپورٹ ہم انجمن کے دلسوز اور سرگرم سکرٹری سے کل سن چکے ہیں۔ وہ ایک اعتباری کرڈیبل ہے۔ لیکن پھر بھی آدمی کے کام کتنے ہی اہتمام اور کتنی ہی احتیاط سے کیے جائیں ہمیشہ اصلاح طلب باقی رہتے ہیں۔ اے ممبران انجمن معاف کیجئے گا۔ اگر میں آپ کی کارروائی میں کوئی نقص نکالوں میں آپ صاحبوں کو پورا یقین دلاتا ہوں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ اعتراض مخالفانہ نہیں ہے۔ بلکہ صلاح دوستانہ۔

آپ لوگوں میں کوئی سر سید احمد خاں صاحب یا اُنکے اعوان و انصار کے وقار اور انفلوئنس کا آدمی نہیں ہی مگر آپکا ایم (مطلب) وہی ہی جو سر سید احمد خاں صاحب کا ہی۔ البتہ فریقین میں اتنا فرق ضرور ہے کہ آپ کی کارروائی مسلمانوں کے وقتی خیالات سے بالکل ملتی ہوتی ہے۔ جبکو سر سید کے گروہ کے وقار اور انفلوئنس کا پورا جواب ہونا چاہیئے اگرچہ آپکے اور سر سید کے گروہوں میں کامپٹیشن قائم ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور بڑے شکر کا مقام ہی کا مپٹیشن ہی بھی نہیں۔ خدا کے فضل سے ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے۔ کہ دونوں گروہ بلکہ ایسے ایسے کئی گروہ اسمیں جولانیاں کر سکتے ہیں۔ لیکن دونوں گروہوں کے نتائج کارروائی کو مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو آپ سر سید احمد خاں صاحب کی گرد کو بھی نہیں پا سکے۔ یہ کیوں؟ آپ کہیں گے وہی فار کی کی اور وانٹ آف انفلوئنس میں اسکو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ حیدر آباد۔ پٹیالہ۔ بھوپال۔ کپورتھلہ بنارس ایسی ایسی سرکاروں اور دوسری موٹی موٹی چڑیوں کو اپنے دام میں نہیں لا سکتے۔ لیکن میں ایک سب سے زیادہ موٹی۔ سب سے زیادہ بھولی۔ اور سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ دام میں آجانے والی چڑیا بتاتا ہوں کہ اگر اسکو پھنسا لو اور یقین جانو کہ اس کا پھنسانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ صرف تنکے کی اوجھل پہاڑ ہے۔ تو بس یہ سمجھنا کہ تمہارے دولت کو پھنسا لیا۔ بتا دوں کہ وہ کون چڑیا ہے۔ بتا ہی دوں۔ خاص خاص لوگوں نے تمکو بڑے بڑے چندے دیئے اور دیتے ہیں۔ لیکن بندے کی رائے پر عمل کروگے تو بات کی بات میں ایسے ایسے کتنے چندے جمع کر لوگے۔ وہ چڑیا۔ وہ سونے کی بھی نہیں بلکہ جواہرات کی چڑیا **تمہاری ہی قوم ہی**۔ ان تلوں کو زمانے کی گردش نے پیل کر بھر بھری کھل کر دیا ہی۔ مگر اب بھی اس کھل میں اتنا تیل ہی کہ سب نکال کر یکجا کیا جائے تو تیل کی ایک ندی بہنے لگے۔ لیکن افسوس ہی کہ تم میں کوئی سلیقہ مند تیلی نہیں ہی۔

پیاسا کوئیں کے پاس جاتا ہی کوئیں کو پیاسے کے پاس آتا ہوا نہیں سُنا۔ لیکن وہ پیاسے تم ہو کہ کنواں تمہارے پاس آتے تو تمہاری پیاس بجھے۔ یہ سالانہ جلسے اور ماہواری رسالوں اور اشتہاروں کے کاغذی گھوڑے اگر پیاسے کا کوئیں کو اپنی طرف گھسیٹتا نہیں ہی تو کیا ہے۔ ناچنے نکلے تو گھونگٹ کیا۔ آخر تو تم نے قوم کے لیئے گداگری اختیار کی تو جب تک تمہاری جھولی ایک لکھپتی مارواڑی کی توند کی طرح خوب تن نہ جائے۔ بس نہ کرو۔ یا اس کام کو ہی چھوڑ بیٹھو کہ یہ تمہارے بس کا نہیں **گدایان قوم** کا ایک گروہ کھڑا کرو کہ وہ لوگ جدھر کو جس کا منہ اُٹھے۔ ملک میں منتشر ہو جائیں۔ ابرام سے لیں۔ الحاف سے لیں۔ اصرار سے لیں۔ دھینگا مشتی سے لیں۔ ہاتھا پائی کر کے لیں۔ ہیکڑی سے لیں سلگ کر لیں لپٹ کر لیں چمٹ کر لیں۔ سر ہو کر لیں۔ خوشامد سے لیں منت سے لیں۔ لجاجت سے لیں سماجت سے لیں۔ دھرنا دے کر لیں۔ لڑ کر لیں جھگڑ کر لیں۔ بگڑ کر لیں

ہاتھ جوڑ کر لیں۔ پاؤں پڑ کر لیں۔ مکر لیں پر لیں کوئی غریب سے غریب مفلس سے مفلس۔ نادار سے نادار کنگال سے کنگال نہیں جو نہ دے۔ اور نہ دے تو اس کا ذہن داریں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد　　اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مانگنے والے کو ایک طرز خاص یا ایک مقام خاص یا ایک شخص خاص یا ایک مقدار خاص کی پابندی کیا۔

ہر چہ آید در پیش نگزار د درویش ؎

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا　　تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

سید احمد خاں صاحب بڑے آدمی ہیں۔ بڑی بڑی اسامیوں کو ان کے حصے میں رہنے دو۔ تم غریب لوگ ہو غربا سے۔ صرف غربا سے مانگو۔ اور پھر دیکھو کس کا پلہ بھاری رہتا ہے ؎

چرا نستانی از ہر یک جوے سیم　　کہ گرد آید ترا ہر روز گنجے

بس میں ایک دو ٹوک بات اس سال کہے جاتا ہوں کرنا تو یہ کرنا۔ ورنہ خیر خواہی قوم اور ہمدردی قوم کا لفظ منہ سے نہ نکالنا۔ زبانی خیر خواہ اور ہمدرد تو بہتیرے نکل پڑے ہیں۔ اور انہی میں تم لوگ زبردستی مجھ کو بھی دوسرے تیسرے برس تھوڑی دیر کے لئے بلا لیتے ہو۔ ورنہ فی الحقیقت خیر خواہ قوم اور ہمدرد قوم وہ ہے۔ جو اپنے پاس سے دے۔ اُدھار لیکر دے۔ دوسرے سے مانگ کر دے۔ غرض دے۔ کیا دے؟ ابیض منقوش (روپیہ) کہ قوموں کو یہی بگاڑے اور یہی بنائے۔ یہی ڈبوئے۔ یہی ترائے۔

میں نے بڑی خوشی سے وہ تجویز سُنی ہے جو کل کے جلسے میں پیش ہوئی۔ اور دو بزرگوں نے سوچی ہے یعنی پنجاب میں اس انجمن کے زیر اہتمام ایک کالج بنانا چاہیئے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اسپر یہ اعتراض ہو کہ کالج کھولنے کے لیئے بڑے فنڈ چاہئیں اور انجمن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا اعتراض کرنے والوں کو کیا معلوم نہیں کہ خدا کی وہ شان ہے کہ نطفے سے آدمی پیدا کرتا ہے۔ ننھے سے بیج سے وہ شاندار درخت جسکے سایے میں پلٹنیں آرام پاتی ہیں گو انجمن کے پاس اسوقت کافی روپیہ نہیں۔ لیکن اگر استقلال اور ہمت سے کام کیا جائیگا۔ تو بتدریج کافی رقم کا جمع کر لینا کچھ بات نہیں۔ پھر یہ کون کہتا ہے کہ ایکدم سے کالج کھولدیا جائے۔ نہیں اسوقت ایف۔ اے کی جماعت جاری کرو پھر فنڈ مہیا ہونے پر بی۔ اے۔ پھر ایم۔ اے۔ اور پھر خدا کرے ایل ایل ڈی۔ کالج قائم کرنے میں یہ احتمال بھی کیا جاتا ہے کہ علی گڈہ کالج کو نقصان پہونچیگا۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے واسطے وہی ایک کالج کافی ہے میں علی گڈہ کالج کو ایسا ضعیف اور محتاج نہیں سمجھتا جیسا خیال کیا جاتا ہے۔ اسکا اہتمام بڑے زبردست ہاتھ میں ہے۔ اور وہ اِسکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لکچر جناب مولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب کا جو انھوں نے

حکیم محمود خاں صاحب

کی وفات حسرت آیات پر ٹون ہال دہلی کے ماتمی جلسے میں دیا تھا

تمہید

حکیم محمود خاں صاحب شہر دہلی کے بڑے نامی متاخرین میں تھے۔ دہلی میں اور بھی طبیب ہیں مگر انکے ہوتے کسی کو فروغ نہ تھا۔ یہ واقعہ تحقیقی ہی کہ انکے جنازے کے ساتھ اور سیوم کی فاتحہ میں لوگوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ کمتر دیکھنے میں آیا ہی۔ اس میں انکے فرزند حکیم عبدالمجید خاں کی وجاہت کو کچھ دخل ہو مگر مرحوم کی طبابت کے بارے میں عام لوگوں کو بڑی عقیدتمندی تھی۔ کلکتے سے مولوی لطف الرحمن بیرسٹر تعزیت کے لیے آئے۔ اور اس مجمع کے اجتماع کے باعث ہوئے جسمیں یہ لکچر دیا گیا۔ عمائد شہر کے علاوہ خود صاحب ڈپٹی کمشنر میر مجلس تھے اور بولنے والوں میں مولوی لطف الرحمن صاحب بیرسٹر محمد اکرام اللہ خاں صاحب بابو گردھاری لعل صاحب اور آخر میں مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب۔ عام حاضرین کا مقولہ یہ تھا کہ اگر مولوی محمد نذیر احمد خاں صاحب نے یہ لکچر نہ دیا ہوتا تو مجلس تعزیت پھیکی رہتی ۔ لکچر یہ ہے

وقت کو (چاہی وہ کوئی دن ہو یا کوئی تاریخ یا کوئی مہینا یا کوئی سال) نحس یا سعد سمجھنا ہم مسلمانوں کا عقیدہ نہیں ہے اور نہ اسکو عقل قبول کرتی ہی لیکن جب دنیا میں ملائم و ناملائم اتفاقات پیش آتے ہیں تو بتقاضاے ضعف بشریت ایسے

خیالات خواہی نخواہی دل میں آ ہی جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا اور سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا اور نہیں جان سکتا۔ کہ ۱۸۹۲ء کے انجام تک کیا ہو۔ مگر اسکا آغاز تو ایسی آفتوں سے ہوا ہی کہ خدا ہی خیر کرے۔ روس کہ وہاں کے باشندے بھی آخر ہیں تو اپنے ہی ابنائے جنس

قطعہ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ❊ کہ در آفرینش ز یک گوہر اند ❊ چو عضوے بدرد آورد روزگار ❊ دگر عضوہا را نماند قرار ❊

غرض روس ورا تنی دور روس بھی کیوں جاؤ۔ بنگالہ مدراس اور بمبئی کے بعض اضلاع۔ ان سب مقامات کی خشک سالی سُن سُن کر طبیعتیں تو اُداس تھیں ہی کہ دفعتہً ملکہ وکٹوریہ کے بڑے پوتے وارث تخت و تاج پرنس وکٹر کی مرگ مفاجات کی خبر آئی۔ جیسے آسمان سے بجلی گر پڑی۔ جوانی اور جوانی کا بھی عنفوان

ع این ماتم سخت ست کہ گویند جوان مُرد ❊ اور پھر سلسلہ بسلسلہ سلطنت کی امیدواری اور سلطنت بھی انگلستان اور ہندوستان کی سلطنت یعنی دنیا کی بہشت بریں۔ اور سب سے بڑھکر عین اُن دنوں میں کہ تاریخ ٹھہر کر بیاہ کی طیاریاں ہو رہی تھیں ایسے مرنے سے زیادہ اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ خود مرنے والے کے حق میں۔ بوڑھی بیوہ غم زدہ یک سرو ہزار سودا ملکہ کے حق میں۔ مائیوں کی رانڈ پرنسس میری آف ٹک کے حق میں ہمارے شہزادہ ولیعہد کے حق میں۔ ولیعہد بیگم کے حق میں۔ تمام خاندان شاہی کے حق میں۔ اور بلا امتیاز قوم و ملت تمام ملک کے حق میں ابھی اس صدمے سے ہم لوگ پنپنے نہیں نہ پائے تھے کہ حکیم محمود خاں صاحب نے انتقال فرمایا۔ وہ بھی مفاجات۔ گویا آسمان سے پہاڑ ٹوٹ پڑا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حکیم محمود خاں صاحب سے پہلے بھی مشہور طبیب ہو گزرے ہیں مگر ان جیسی شہرت کہ چہار دانگ ہندوستان میں ان کی حذاقت کا غلغلہ تھا میرا خیال یہ ہی کہ متقدمین میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی خیالات کا جھکڑ ایسے زور سے چل رہا ہی کہ تمام علوم و فنون کا ٹھہرنا مشکل بلکہ محال ہو گیا ہے طب یونانی کے اعتبار کو پبلک کی نظر میں جمائے رکھنا اُن ہی مرحوم کا کام تھا۔ ان ہی مرحوم کا حصہ اور ان ہی مرحوم کا حق ان کی شہرت کبرٰی موت الکبراء کے طور کی شہرت نہ تھی بلکہ مبنی تھی ہزاروں مختلف الاعمار مختلف الاوطان مختلف الحالات آدمیوں کے ذاتی تجربے اور اجماع پر جنکو حکیم صاحب نے زبردستی بزور طبابت شکنجۂ عذاب سے بچایا پنجۂ ہلاکت سے چھڑایا۔ اور موت کے حلق سے اگلوایا۔ چونکہ دنیا کے تمام کاروبار متفرع ہیں زندگی اور تندرستی پر جسکا محافظ باسباب ظاہر طبیب ہے اسلیے میں حکیم محمود خاں صاحب کی وفات کو قومی بلکہ ملکی مصیبت خیال کرتا ہوں وہ مصیبت ہم دلی والوں پر سب سے زیادہ شاق ہے اسواسطے کہ دلی یہ بدنصیب دلی یہ بدقسمت دلی یہ بدبخت دلی سینکڑوں برس دار السلطنت ہونے کی وجہ سے دولت اور حکومت اور عزت اور لیاقت کا مرکز رہکر اب ایک ضلع رہگیا ہی من مضافات

ف بڑے مرتے گئے تو ان کی جگہ چھوٹے ہوتے گئے ۱۲

لاہور تعز من تشاء[1] و تذل من تشاء، جاگیر اور منصب اور معافی کا تو کیا مذکور ہے۔ ہماری اسی چاردیواری میں سلطنتوں
کے اخیر فیصلے ہوتے تھے۔ اب ہم ہیں کہ ذرہی ذرسی سے مقدمے کے لیئے لاہور گھسٹنا پڑتا ہے۔ نہ ہماری یہاں
کسی قسم کا کالج ہے نہ کسی صیغے کے اعلیٰ افسر کا ہیڈکوارٹر۔ اس سے بڑھکر محرومی اور خفت اور سُبکی اور بے عزتی اور
کیا ہوگی۔ عالم مشائخ۔ صناع ہر فن کے اُستاد ہر ہنر کے کامل درجنوں کوڑیوں یا اب لے دیکر ایک حکیم محمود خاں صاحب
کا دم رہگیا تھا۔ صد افسوس ہزار افسوس یہ نعمت بھی سلب ہوگئی۔ یہ فخر بھی چھن گیا۔ یہ چراغ بھی گل ہو گیا۔ خود طبیب
بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ اصل میں طبیعت مدبر بدن ہے اور طبیب کا کام ہے طبیعت کی تقویت لیکن اگر طبیب لوگوں
کے دلوں میں ایسا اعتبار پیدا کر لے کہ اسی کی ذات خاص سے طبائع کی تقویت ہو اور اُسکی طرف رجوع کرنے کو لوگ شفا
کی ضمانت اور تندرستی کی کفالت سمجھتے ہیں جیسا کہ حکیم محمود خاں صاحب کی نسبت لوگوں کا عقیدہ تھا۔ تو اب دوسرے
کی نسبت ایسی عقیدت پیدا ہونے کو عمریں چاہئیں۔ یہ بات طبیبوں میں کم دیکھی ہے کہ وہ جس فن کا عمل دوسروں پر
کرتے ہیں اپنے اوپر اُسکا عمل کر کے لوگوں کو اس فن کا گرویدہ کرلیں مگر ہمارے حکیم محمود خاں صاحب طب یونانی
کے صداقت کا خود ثبوت مجسم تھے۔ اگرچہ وہ ارذل العمر کو نہیں پہونچے اور عمر کی اس حد کو پہونچکر جینے کا مزہ بھی نہیں
مگر انہوں نے عمر طبعی سے اکثر[2] اعمار امتی بین ستین وسبعین پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور جب تک زندہ رہے اعلیٰ درجے کی تندرستی
کا عمدہ نمونہ تھے اُنھوں نے اپنی حرارت غریزی کی جو مدار حیات ہے اسقدر احتیاط کی تھی کہ اس عمر پر سخت سے سخت جاڑے کے
دنوں میں بھی کسی نے اُنکو کسی وقت گرم کپڑے پہنے نہیں دیکھا ہوگا وہ اپنی وضع کے ایسے پکے تھے کہ ایسے مستقل مزاج لوگوں کا
پیدا کرنا میں جانتا ہوں خدا نے بند کر دیا ہے۔ کیا من حیث الفن کیا من حیث العمر کیا من حیث التمول کیا من حیث المرجعیت کیا
من حیث الوجاہت کیا من حیث التعزز سب طرح حکیم صاحب مکرم و محترم تھے۔ مگر وہ اپنے نیازمندوں سے اور مساکین سے تو سچ
ایسے بے تکلفانہ طور پر ملتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اُنھوں نے اپنی حالت کی برتری پر کبھی نظر ہی نہیں کی اور یہی
ہی خلاصہ تہذیب اور شائستگی اور اخلاق اور حسن معاشرت کا ہے۔ غرض ایسے اور اس سے بمدارج بڑھکر تھے وہ بزرگ قوم جنکی رسم تعزیت
عام طور پر ادا کرنے کیلئے ہم لوگ جمع ہوئے ہیں۔ حکیم محمود خاں صاحب کی وفات سے جو نقصان عظیم قوم اور ملک کو پہونچا ہے اگرچہ
فی حد ذاتہ ناممکن التلافی ہے مگر ؎ نخواہد این چمن از سرو لالہ خالی ماند۔ یکے ہمی رود و دیگری ہمی آید۔ بڑے شکر کا مقام ہے کہ
ہم انکے فرزند اکبر حکیم عبد المجید خاں صاحب میں انکے نعم البدل ہونے کی توقع رکھتے ہیں انھوں نے باپ کی زندگی میں اپنی طبابت کا
سکہ بٹھا لیا ہے بلکہ ایک بات میں اُن پر بھی سبقت لیگئے ہیں کہ انکو زمانے کی ضرورتوں پر نظر ہے اور مدرسہ طبیہ جسکے یہ بانی
ہیں اسکا شاہد ہے۔ پس میری اور ہم سب کی دلی آرزو اور تمنا ہے کہ خدا حکیم محمود خاں صاحب کی مغفرت کرے۔ انکے پسماندوں کو

[1] جسکو چاہے عزت دے اور جسکو چاہے ذلت دے ۱۲ [2] یہ اشارہ ہے طرف اس حدیث کے کہ میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر برس کے بیچ میں ہیں ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ لکچر جناب مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب نے ۱۵ جون ۱۸۹۲ء کو

مدرسہ طبیہ دہلی

کے تیسرے سالانہ جلسے پر دیا

ہاتف نے آج مجھ کو جگا کر علی الصباح — آواز دی کہ آشنا بھی بیگانہ خو نہ ہو

طبیہ مدرسے میں ہی ایک ازدحام خلق — ایسا نہ ہو کہ آج کے جلسے میں تو نہ ہو

اُٹھ چل خدا کے واسطے اور دیر مت لگا — لوگوں کو زحمت طلب و جستجو نہ ہو

میں نے کہا کہ خیر۔ مگر اس سے فائدہ — قسمت کا چاک تابقیامت رفو نہ ہو

تو چاہتا ہے سیر مجھے دُرد جام سے — اور یاں سبو بھی قطرہ ہی گرتا گلو نہ ہو

ضبط معطات کو درکار ہے دماغ — یہ مغز تخم خربزہ تخم کدو نہ ہو

دولت مدار رونق باغ جہان ہے — زر ہو۔ بلا سے رنگت ہو گل میں بو نہ ہو

دنیا میں مفلسی مرض لاعلاج ہے — اس طرح کے مریض کو صحت کبھو نہ ہو

مجھ کو دیا گیا ہے وہ مایوس دل۔ جسے — احساس شادمانی لاتقنطوا[1] نہ ہو

دیکھے ہیں کتنے کھیل بگڑتے ہوئے بچشم — کیونکر یقین ہو کہ یہ چرچا فرو نہ ہو

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال — اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

[1] اشارہ ہی طرف اس آیت کے جس میں ارشاد ہو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ یعنی خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو ۱۲

اس قسم کے جلسے جیسا کہ یہ ہی اگر سال گذشتہ کی کارروائی کا نتیجہ کامیابی ہی تو خوشی کے جلسے ہیں اس صورت میں سکرٹری جو رپورٹ سُناتا ہی اُسکا انداز ہی دوسرا ہوتا ہی وہ آپ ہی آپ ہنسے دیتا ہی خوب کڑاکے کی آواز سے ایک ایک جُملہ پورا کرتا ہے۔ اور واد کے لیئے ہر چہار طرف دیکھتا جاتا ہے۔ اور اسکی رپورٹ کی نسبت خیال کیا جاتا ہی کہ گویا ایک فتحمند جنرل کا کارنامہ ہی۔ جیسے لارڈ رابرٹس کا وہ مشہور دھاوا جو اُنھوں نے کابل سے قندھار پر کیا تھا۔ اور اگر پچھلا برس مندے کا گزرا ہی نئے چندہ دینے والے دام میں نہیں آتے۔ اور پُرانوں سے وصول نہیں ہوا یا بقدر توقع وصول نہیں ہوا۔ مدرسوں کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور طالب العلموں کے وظیفے۔ اور جنکے رتبے مقرر ہیں اُنکو گوشت کے عوض ملنے لگی دال وہ بھی اُبالی جسمیں ترمرے کا نام نہیں اور پتلی پانی۔ تو ایسی حالت میں جلسۂ سالانہ محرم کی سی مجلس ہوگی۔ چونکہ عبد المجید خاں صاحب رپورٹ سُنا چکے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ شریک محفل خوشی ہے یا داخل مجلس عزا۔ میری طبیعت ایک خاص طور کی واقع ہوئی ہی کہ مجھکو موافق کم اور مخالف احتمالات بہت سوجھا کرتے ہیں۔ یہ بیچارہ مدرسۂ طبیہ تو کسی آدمی کے پیر شدہ ہی۔ میں تو علی گڈہ کالج کی طرف سے بھی پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں جسکی بنیاد کو سر سید احمد خاں نے اپنے پندار میں اسقدر مستحکم کر دیا ہے اور کرتے جاتے ہیں کہ فرانٹیئر ڈیفنسیو ورکس[1] کی بھی اُسکی مضبوطی کے آگے کچھ حقیقت نہیں۔ پس میں تو یہی کہونگا کہ عبد المجید خاں اپنا مرثیہ پڑھ چکے اب میں کچھ تحت اللفظ پڑھنے کے لیئے کھڑا ہوا ہوں۔ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ نازک وقت بچپن کا ہے۔ کیونکہ رجسٹر اموات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی ہے کہ بچے بہت کثرت سے ضائع ہوتے ہیں۔ کچھ یہیں ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ یوروپ میں بھی جہاں سائنٹیفک طور پر اطفال کی پرورش کی جاتی ہے۔ اسکی وجہ کا بتانا عبد المجید خاں کا کام ہی۔ اور اُن لوگوں کا جو مدرسۂ طبیہ میں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ لیکن میں کہ کوچۂ طبابت سے نابلد ہوں۔ اور خدا مجھکو نابلد ہی رکھے۔ کیونکہ میں عمر طبعی کے قریب قریب آلگا ہوں چلتے چلاتے کیوں اپنے ایمان کو ڈانواں ڈول کروں غرض میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ سن طفولیت میں روح و جسد کا تعلق ہوتا ہی جدید العہد اعضا غلبۂ رطوبت کی وجہ سے جسکا ہونا نمو کے لیئے ضرور ہی نازک عمارت بدن تھوڑے سے جھکولے کی بھی مقاومت نہیں کر سکتی۔ بعینہ یہی حال ہی اسطرح کے قومی کاموں کا جیسا کہ مدرسۂ طبیہ ہی۔ مدرسۂ طبیہ کی عمر اب تین برس کی ہی۔ اگر یہ آدمی کا بچہ ہوتا تو آج کو دوڑا دوڑا پھرتا اور بلبل ہزار داستان کی طرح چہکتا۔ لیکن باوجودیکہ عبد المجید خاں کی سرپرستی میں اسنے

[1] وہ قلعہ سرحدیں جو سرحد افغانستان پر حفاظت ہندوستان کے لیئے بنائے گئے ہیں ۱۲ سنہ ۱۹ علی ۱۲

پرورش پائی ہی۔ میں اسکو ویسا چونچال اور توانا اور خوشحال نہیں پاتا جیسا کہ اسکو ہونا چاہیئے تھا۔ اسکا سبب یہی ہے کہ اس بیچارے معصوم کو پیٹ بھر کر دودھ نہیں ملتا یعنی کافی فنڈ نہیں۔ اور اگر ابھی سے اسکی انتڑیاں سوکھ گئیں تو سمجھ لو کہ ساری عمر کے لیئے ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اِس مدرسے کو تو اس طرح کا بنانا منظور تھا کہ ویسا بن گیا ہوتا تو ہندو اور مسلمان سب کی جائنٹ پراپرٹی ہوتا۔ کیونکہ پیش نہاد خاطر یہ تھا کہ ویدکی اور یونانی اور ڈاکٹری کے اجزائے ثلثہ کو ملا کر ایک معجون طبابت تیار کیا جائے۔ یہ خیال مجالس میں مجامع میں بار بار باعلان ظاہر کیا گیا۔ اور اخباروں میں اشتہاروں میں رسالوں میں اسکی تحریری یادداشتیں موجود ہیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور نے سنین ماضیہ کی متصل اور متزائد کامیابی کے بھروسے پر حال میں ایف اے کی ایک جماعت کھولی ہے جسکو کالج کی ابجد کہنا چاہیئے۔ اسپر سارا ہندوستان انجمن کی تحسین کر رہا ہے کہ کم سے کم پندرہ لاکھ روپیہ نقد منضبط جمع کر کے کالج کا نام لینا تھا۔ وہ کالج جو انجمن حمایت اسلام لاہور کھولنا چاہتی ہے یہی متعارف طور کا کالج ہے۔ دوسرے کالجوں کی نقل محض لیکن مدرسۂ طبیہ ایک بالکل نئی چیز ہے جسکی نظیر دنیا میں کسی جگہ موجود نہیں۔ نہ یوروپ میں نہ امریکہ میں نہ قسطنطنیہ میں نہ مصر میں نہ ہندوستان میں۔ ہمکو نئے کورس بنانے ہیں نئی طور کی کتابیں تصنیف کرنی ہیں نئی طور کے پروفیسر بہم پہونچانے ہیں۔ مطلب تو ایسا عظیم ایسا سترگ ایسا مہتم بالشان اور بے سامانی اس درجے کی کہ چند پیسوں کے سوا (اسے وہ چند ہزار ہوتے تو بھی ایسے کام کے لیئے پیسے ہی گننے میں آتے ہیں) گرہ میں کچھ نہیں اور سب سے بڑھکر جلدی یہ کہ مدرسے کو جاری ہوئے اب چوتھا برس شروع ہی نتیجہ کیا ہی اور اسکے سوا ہونا بھی کیا تھا کہ بجائے اس عجیب خیالی مدرسے کے جسکا باغ سبز سپیچیس میں پبلک کو دکھایا گیا تھا ایک سکول یک ہتی اینچ آف سکول ہی جسمیں صرف طب یونانی کا وہی پرانا دقیانوسی درس ہی۔ اور وہ بھی چنداں فخر و ناز کے قابل نہیں۔ لیکن اس ناکامیابی اس فیلیور کا الزام کس پر ہی ہر ہر متنفس پر جسکے اوطان میں اس مدرسے کی ضرورت ثابت کی گئی اپنچ اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ ہر بندہ بشر محتاج طب ہے اور مروجہ طب محتاج اصلاح و ترمیم۔ جہانتک اس مدرسے کو اور نہ صرف اس مدرسے کو بلکہ قومی یا ملکی یا پبلک اصلاح قومی یا ملکی یا پبلک رفارم قومی یا ملکی یا پبلک ترقی کو مسلمانوں کے ساتھ تعلق ہے ایسے امداد و اعانت کی توقع لاحاصل سی ہی۔ مسلمانوں میں اپنی حالت کی اصلاح کی صلاحیت ہوتی تو یہ اس نوبت ہی کیوں پہونچتے ان کے حالات ان کے کمالات ان کے عادات ان کے معتقدات پر نظر کر کے میں نے تو یہ رائے قائم کی ہی کہ مسلمان یا تو کریں سلطنت اور یا مانگیں بھیک۔ یا رہیں اعلے علیین پر۔ یا گریں اسفل السافلین میں۔ بیچ میں کہیں ان کا ٹھکانا ہی نہیں۔ سو سلطنت تو بہت کی اور ایسی کی کہ نہ کسی نے کی ہوگی اور نہ

کوئی کریگا۔ خدا کی طرف سے سلطنت کا کوئی استمراری ٹھیکہ نہ تھا ع ہر کہ پنجروز نوبت اوست۔ اب بھیک مانگنے کی باری
ہی اور اسکے آثار دکھائی دے رہے ہیں سلطنتیں نکل گئیں اور نکلتی جا رہی ہیں۔ اور جو باقی ہیں یوماً فیوماً ضعیف ہوتی
چلی جاتی ہیں طبّ یونانی جسکے سنبھالنے کا اس مدرسے نے بیڑا اٹھایا ہی۔ ہی تو محتاج الیہ عام۔ مگر پھر بھی اسکو مسلمانوں کے ساتھ
ایک طور کی خصوصیت ضرور ہی۔ چاہے اس طب کا ماخذ اصلی یونان ہو لیکن ہندوستان میں اس طب نے مسلمانوں کی وجہ سے
رواج پایا۔ یہ فن ہمیشہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ ہر زمانے میں اور ہر جگہ مسلمان ہی اس فن کے بڑے سے بڑے ماہر ہوتے
چلے آئے۔ الیٰ یومنا ھذا پس اگرچہ باشندگان ہند عموماً صدہا سال سے طب یونانی کے ممنون ہیں۔ لیکن دوسروں سے
طب کا استحقاق ہی۔ تو مسلمانوں پر دعویٰ خیرات مبرات کی جیسی کچھ تاکید اسلام میں ہی میں جانتا ہوں کہ کسی دوسرے مذہب
میں نہ ہوگی میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذاہب میں اسکا حکم نہیں ہی مگر نہ اس شد و مد کے ساتھ کہ قرآن میں جہاں
اقیموا الصلوٰۃ ہی اٰتوا الزکوٰۃ بھی ضرور ہی پھر میں اسکا بھی قائل نہیں کہ مسلمان ایز اے نیشن احکام مذہبی کی بجا آوری
میں کاہل اور بے پروا ہیں۔ ابھی رمضان کو گزرے کے دن ہوئے۔ بلا کی گرمی اور پہاڑ دن اور اسپر حرارت ہوا اور شاید طبیبوں
اور ڈاکٹروں کا اجماع کہ فاقہ محل خطر ہی مگر اتنے بڑے شہر دلّی میں دس مسلمان بھی ایسے نہیں نکلینگے جنھوں نے تکلیف سے جان
بچا کر یا دوا سے ڈر کر روزہ نہ رکھا ہو سوا اور جنھوں نے نہیں رکھا وہ ایسے با ہمت بزرگ تھے جو بردعجوز کے رمضان میں بھی
روزہ نہیں رکھ سکتے۔ بہرکیف میں مسلمانوں کو ایز اے نیشن ایسا گروہ خیال کرتا ہوں جو بجا آوری احکام مذہبی میں کسی دوسرے
گروہ سے ہیٹے نہیں۔ یہ خرچ کرنے میں بھی ایسے دھنی ہیں کہ اگر مولویوں نے سب نہیں بلکہ اُن مولویوں نے جنکو
دل آزاری کے لیے وہابی کہا جاتا ہے روک ٹوک نہ کی ہوتی تو مسلمان شادی غمی یا اور دوسری تقریبات میں بہت
سے فضول اور لایعنی مصارف اپنے اوپر لازم کیے رہتے۔ بھلا پھر مسلمان باوجودیکہ مطیع مذہب اور خرچ کرنے پر دلیر بھی ہیں
مدرسہ طبیہ جیسے نیک کام میں جی کھول کر کیوں نہیں شریک ہوتے۔ اسکی دو وجہیں خیال میں آتی ہیں۔ اول تو لوگ ایسے کاموں
کو مصرف خیرات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ بیمار کو دیکھکر بے شک ترس کھائینگے۔ اور دوا بلکہ غذا بہم پہونچانے میں بھی
اسکی مدد کو آمادہ ہونگے لیکن یہ خیال دور از کار اُنکے ذہن میں بھی نہیں گزرتا کہ کار ثواب سمجھکر اپنی گرہ کے دام
خرچ کریں لوگوں کو طب پڑھوائیں اس توقع سے کہ نئے طبیب تیار ہوں اور آخر کار مریضوں کا علاج کریں۔ دوسرا
سبب اینڈ دی لاسٹ ڈونٹ دی لیسٹ ہی عموماً مسلمانوں کی بیمقدوری۔ یہ تو خاص ایک معزز لوگوں کا مجمع ہے
اور جتنے مسلمان اس جگہ موجود ہیں ماشاء اللہ سب مقتدر ہیں۔ لیکن میں عام مسلمانوں کی قوم کا مذکور کر رہا ہوں
سو قوم تو بہت بڑی چیز ہے۔ ایک دلّی شہر میں ایسے مسلمان کتنے ہونگے شاید مشکل سے محلے پیچھے ایک یا دو

ہمارے شہر میں صرف پنجابیوں کی ایک قوم بدولت تجارت خوشحال ہے۔ اور یہ لوگ مخیر بھی ہیں۔ مگر اُنکے مذاق ہمارے
ڈھب کے نہیں۔ پس مدرسے کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے برابر۔ تو غرض یہ ہے کہ مدرسہ طبیہ کو جہاں تک آسرا اور سہارا
مسلمانوں کا ہے مسلمانوں کا حال یہ ہے **شعر** کریماں را بدست اندر درم نیست ۔ خداوندان نعمت را کرم نیست
پس مدرسہ طبیہ کی تقدیر حقیقت میں فیصل شدہ ہے۔ یوں بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا چھپر پھاڑ کر اُن
پر برسا دے تو کہی نہیں جاتی۔ ورنہ باسباب ظاہر تو اسکول کی حالت افسوس کے قابل ہے۔ اور یہ سالانہ جلسے اور اژدحام
اور اجتماع اور رپورٹ اور لکچر سب چیزیں بے مناسبت معلوم ہوتی ہیں۔ اگر فنڈ جمع کرنے کی ایک عمدہ تدبیر فیزیبل[1]
یہ پریکٹیکیبل میری سمجھ میں نہ آئی ہوتی تو میں اس جلسے میں شریک ہونے اور لکچر دینے پر ہرگز جرأت نہ کرتا۔ اے
حکیم عبد المجید خاں صاحب آپ اپنے مدرسہ طبیہ کے قائم کرنے اور اُسکو ترقی دینے کے لیے وہی یا ویسی ہی تدبیریں
عمل میں لا رہے ہیں جو ہر ایک فونڈر[2] آف سکول یا فونڈر آف کالج عمل میں لاتا ہے۔ لیکن میں آپ سے معافی مانگ کر کہنا چاہتا
ہوں کہ آپ کی وہی مثل ہے۔ ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں۔ اے جناب آپکے فنڈ آپ ہی کی جیب میں آپ ہی کی
مٹھی میں اور آپ ہی کے اختیار میں ہیں۔ دوسرے فونڈر بھیک مانگنے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور گڑگڑانے
کے سوا اور کچھ ہنر نہیں رکھتے۔ اگر آپنے یہ سمجھا ہے کہ آپ بھی ان ہی میں کے ایک ہیں تو آپنے اپنی قدر نہیں
پہچانی **مصرع** ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز ۔ آپ خدا کے فضل سے مشہور و نامی طبیب ہیں اور خدا نے ہزاروں
دلوں کو آپکے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ تابحدیکہ لوگ آپ کو اپنی تندرستی کا نگہبان اور اپنی جان کا محافظ باور کرتے
ہیں آپ کو بہت سی عام اور کثیر الوقوع بیماریوں کے ایسے مجرب اور بھروسے کے نسخے ضرور معلوم ہوں گے جو خطا
نہیں کرتے۔ آپ کی بڑی دولت یہی نسخے ہیں۔ اور اگر آپ چاہیں اور آپ کو چاہنا چاہیئے اور آپ ضرور چاہیں گے
تو آپ یہ ایک مدرسہ طبیہ ایسے ایسے کئی بے منت غیرے قائم و جاری کر سکتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرنی ہوگی کہ
آپ اپنے نسخے کسی کو بتاتے نہیں۔ مگر اُن کے فوائد کو مشتہر کیجیے۔ مشتہر کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اکمل الاخبار
میں اشتہار دے کر فارغ ہو بیٹھیں۔ بلکہ اس کثرت سے اشتہار دینا ہوگا کہ بھلا زیادہ نہیں تو چہار دانگ ہندوستان
میں کشمیر سے لیکر مدراس بلکہ سیلون تک اور پشاور سے لیکر برہما تک کوئی بستی جسپر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہے ایسی
باقی نہ رہے جہاں آپ کا اشتہار نہ پہونچا ہو۔ اے جناب اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہر چند سینٹیفک ہوتی چلی جاتی
ہے۔ اشتہار کا دینا بھی بجائے خود ایک سائنس ہے۔ اور ہر شخص اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اشتہار حقیقت

[1] ممکن التحصیل اور سہل التعمیل ۱۲ [2] بانی مدرسہ ۱۲

میں خریداروں کے پھنسانے کا جال ہی۔ اور اس طریقے پر جال ڈالنا کہ خالی نہ آئے خاص سلیقہ چاہتا ہی۔ لوگوں
کی زبانیں مختلف ہیں مراسم و عادات مختلف ہیں۔ اُن کے مذہب مختلف مذاق مختلف مشاغل مختلف ان سب
کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور نہ صرف متوجہ کرنا بلکہ اُنکو شوق و رغبت دلانا ایک طرز خاص سے نہیں ہو سکتا۔ بیشک
تحریر ہی ایک آلہ ہی۔ جسکے ذریعے سے ہم کسی بات کو مشتہر کرسکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ اخباروں میں اشتہار
کا دینا ہے۔ مگر متعدد اخباروں میں متعدد خطوں کی زبانوں میں۔ دوسرا طریقہ مناظر عام میں اشتہاروں کا
چسپاں کرنا ہے۔ مناظر عام میں سب سے عمدہ ریل کے سٹیشن ہیں جن کی دیواریں مارے اشتہاروں کے لپی پڑی
ہیں۔ پھر نفس اشتہار کا پیرایہ غور طلب ہی۔ اکثر اشتہار میں کوئی عمدہ تصویر شامل ہوتی ہی کہ خواہی نخواہی اُس پر
نظر پڑے۔ کبھی مضمون اشتہار ایسا دلچسپ ہوتا ہے کہ وہ توجہ دلاتا ہے۔ صرف توجہ دلانے کی غرض سے تھا
کہ ڈاکٹر سیکو اکو تم نے دہلی میں دیکھا ہوگا۔ ایک عجیب صنعت کی گاڑی میں عجیب الخلقت اونٹ جوتے ہوئی
سڑکوں پر اور گلیوں میں بگل بجاتے پھرتے۔ لوگ تمسخر کرتے تھے۔ مگر ڈاکٹر سیکو اسی تمسخر میں لاکھوں روپے
کماکر چین سے اپنے وطن میں جا بیٹھے۔ غرض اِدھر تو آپ اشتہار دینا شروع کیجئے اور اِدھر کارخانہ دواسازی
میں اگر ہو اور نہ ہو تو اسکو اب قائم کیا جائے دوائیں تیار کرلیئے اور پھر دیکھئے کہ کتنی فرمائشیں آکر گرتی ہیں۔
میں کامل یقین کرتا ہوں اور آپ بھی کامل یقین کرینگے۔ اور غالباً تمام حاضرین کامل یقین کرینگے کہ آپ خاک کی
چٹکی بھی دینگے تو لوگ اکسیر سمجھ کر بہزار جان اُسی کے خواہاں ہونگے۔ دوا فروشی کا فائدہ آپ رسے کو دیجئے
اور ایک لٹکا فقیر کا بتایا ہوا بھی کام میں لاکر دیکھئے۔ خدا نے چاہا تو وہ فائدہ جو دوا فروشی پر مترتب ہوگا مدرسے
کے لیئے کافی اور کافی سے بہت زیادہ ہوگا۔ ہاں یہ لٹکا انگریزی دوا کی طرح سریع التاثیر نہیں ہے۔ بے دیر
طلب لیکن اسکی کامیابی متیقن ہے اور چندہ بھی آپ کو کون نقد پرکھا رہا ہے۔ اور چندے کا نتیجہ مشکوک
بلکہ موہوم بلکہ معدوم ہے۔ جناب یہ میرا خیالی ڈھکوسلا نہیں ہی۔ میں اس کے اتنے شواہد پیش کرسکتا ہوں
کہ پھر کسی کو گنجایش انکار نہ ہو۔ آپ صاحبوں میں سے اکثروں نے ہوورڈس کونین۔ اینوز فروٹ سالٹ
کریمالٹ سرپ۔ فیلوز سرپ۔ بیچمس پلز۔ کاکلس پلز۔ ہالوویز پلز۔ ہالوویز اوئینٹمنٹ۔ کیلپرس اکسٹرکٹ
آف مالٹ۔ کالس براون کلوروڈین۔ لیلرس فاسفوڈین۔ اور اسطرح سے بہت سے انگریزی دواؤں کے
نام سنے اور نہ صرف سنے بلکہ اُنکو استعمال کیا ہوگا۔ مگر ان دواؤں سے جو مالی منفعتیں اہل یوروپ نے حاصل
کی ہیں، شاید بہت کم لوگ اسکا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں۔ اندازے کے متعلق مجھ کو اپنے بچپنے کی باتیں یاد آتی

ہیں کہ ہمارے دہلی کالج میں بڑے مولوی صاحب یعنی عربی کے مدرس اول کو جن کی شاگردی پر مجھے
ناز ہے سو (۱۰۰) روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور اس پر وہ اکثر عسرت کی شکایت کیا کرتے تھے اور ہم طالب العلموں
کے وظیفے چار (۴) روپیہ سے لیکر بارہ (۱۲) روپیہ تک تھے۔ تو ہم لڑکے لڑکے آپس میں کہا کرتے کہ کیوں مولوی
صاحب خلاف واقع اپنی تنگدستی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ہم لوگ ان کی تنخواہ بڑھوانا چاہتے ہیں کہ دفع دخل مقدر
کے طور پر اس تمہید کی ضرورت ہی۔ اُس وقت ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کوئی شخص سو (۱۰۰) روپیہ ماہوار
کی آمدنی رکھ کر بھی تنگدست رہ سکتا ہے۔ پھر ہم ان کے تفصیلی مصارف پر نظر ڈالتے۔ مثلاً کھانا۔ ایک
دس (۱۰) روپے تجویز کرتا۔ تو دوسرا بڑی فیاضی کے ساتھ کہتا کہ دس نہیں بیس (۲۰) بلکہ پچیس (۲۵)۔ اسی طرح ہر ہر بات
اور ہر ہر رقم پر بحث ہوتی۔ اُسی یا اُس سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ جو گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان
کی بجٹ[۵۱] پر ہوتی ہے۔ بہرکیف مصارف کا مجموعہ پچاس (۵۰) ساٹھ سے متجاوز نہ ہوتا۔ غرض اس خصوص میں مولوی
صاحب کی طرف سے ہم سب کو بدگمانی رہی۔ آخر وہ دن آیا۔ اور آنا تھا کہ میں کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر تھا۔ اور
بھتہ ملا کر پہلی تنخواہ سوا سو (۱۲۵) سی بھی زیادہ مجھکو ملی اور اتفاق سے اُس وقت وہ ناکافی بھی تھی۔ مجھ کو فوراً مولوی صاحب
یاد آئے۔ اور اُن کی عسرت کی تصدیق ہوئی۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ بڑے سے بڑا عہدہ دار بھی جھوٹوں شکایت
کرے سچی باور کرلیتا ہوں۔ اسی قبیل کی دوسری بات یہ ہی کہ جب مجھکو اول اول مدارج اعداد سکھائے گئے
تو وہ یہی معمولی سلسلہ تھا۔ اکن۔ دہن۔ سہن۔ سہسن۔ دہ سہسن۔ لکھن۔ دہ لکھن۔ کروڑن۔ دہ کروڑن
اربن۔ دہ اربن۔ کھربن۔ دہ کھربن۔ نیلن۔ دہ نیلن۔ پدمن۔ دہ پدمن۔ سنکھن۔ دہ سنکھن۔ مہا سنکھ
اس لیئے بچپن میں تعلیم کی تاکید کرتے ہیں کہ اُس وقت کا سیکھا ہوا کالنقش فی الحجر[۵۲] ہوجاتا ہے۔ اس
سلسلے کے الفاظ جیسے بے کھڑت ہیں ظاہر۔ مگر چونکہ بچپن کے یاد کیئے ہوئے ہیں ابھی تک نہیں بھولے
اگرچہ مدارج بے ترتیب یا متروک ہوگئے ہوں تو شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ سے صحیح کرلینا
خیر تو غرض یہ ہے کہ مدتوں مجھ کو اس سلسلے پر اعتراض رہا۔ کہ دنیا کا کام لاکھوں کروڑوں سے چلتا اور
چل سکتا ہے۔ یہ شیطان کی سی انتڑی بے فائدہ کیا بنا رکھی ہے۔ پارسے جب دائرہ معلومات وسیع
ہوا۔ تو سمجھ میں آیا کہ یہ فیبیولس[۵۳] فگرز نہ ہوں تو اہل یورپ کی تجارت اور اسٹرانمی[۵۴] کے مقادیر کیونکر سمجھائے
جائیں۔ یہاں میرے ایک عزیز دوست حافظ عبد المجید صاحب کسی جگہ موجود ہوں گے انھوں نے مسٹر ہیچم

۵۱ تخمینہ آمدنی و خرچ آئندہ ۱۲ ۵۲ پتھر کی لکیر ۱۲ ۵۳ یعنی اتنے بڑے بڑے اعداد جو افسانہ معلوم ہوتے ہیں ۱۲ ۵۴ علم ہیئت ۱۲

ومحترم ہوں گے۔ جیسے کوئی شریف آدمی دنیا میں معزز اور محترم ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے یا آیندہ ہوگا۔ ہمارے ملک پر یہ ایک عذاب الٰہی ہے کہ پیشوں اور کاموں کے تعزز میں امتیاز کیا جاتا ہے اور تا وقتیکہ یہ امتیاز بالکل ملیامیٹ نہ ہوجائے گا۔ ملک اور قوم کے فلاح کی توقع رکھنی فضول ہے۔ ہم اگر اپنی دنیاوی حالت بہتر کرنی چاہتے ہیں تو ہمکو چار و ناچار یوروپ کی تقلید کرنی پڑے گی۔ وہاں کا حال یہ ہے کہ مسٹر گلیڈسٹون کا نام اسوقت روے زمین پر ہوس ہولڈ ورڈ ہے۔ یہ شخص جس نے سینکڑوں مسٹر اور لارڈ بنادیئے آپ وہی سیدھا سادھا مسٹر[1] شخص سینے میں قلزم کو لئے قطرے کا قطرہ رہا۔ بل بے سمائی تیری اُف رے سمندر کے چور۔ تین بار انگلستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہے اور عجب نہیں نیو الکشن[2] میں جو عنقریب ہونے والا ہے پھر زیب دہ کرسی وزارت ہو۔ یہ عجیب شخص ایک اناج بھرتی کرنے والے کا بیٹا ہے اور خود اسکے بیٹے کی دوکان کلکتے میں موجود ہے اور شاید اسکا بھتیجا یا قریب کا کوئی اور رشتہ دار برھما میں ڈپٹی کمشنر تھا یا ہے۔ لارڈ سڈلی جام یعنی مربا بنانے والا ہے۔ چنبر جیکے تالے مشہور ہیں سر کا خطاب رکھتا ہے۔ ایک موچی سر ولیم ہیلپبر ہے۔ ہنٹلی پامر کے بسکٹ چاے کے ساتھ کھاے ہوں تو اس فرم کا مسٹر پامر پارلیمنٹ کا ممبر ہے۔ مسٹر ڈبلیو ایچ سمتھ چند مہینے ہوے ایک کروڑ چھہتر لاکھ کا سرمایہ چھوڑ کر مرے ہیں ایک کتاب فروش تھے۔ خدا نے برکت دی ہوتے ہوتے ہوس آف کامنس کے لیڈر[3] اور ٹریژری کے فرسٹ لارڈ ہوگئے۔ اور مرتے دم تک تجارت سے دست کش نہ ہوے۔ اُن کی بیم کو ملکہ نے پیرس کا خطاب دیا۔ مسٹر ہالوی جنکا میں مذکور کرچکا ہوں اُن کو یہ عزت حاصل ہوئی کہ اُن کے کالج کو خود کوئین وکٹوریہ نے کھولا۔ نیشنل گیلری میں اُن کی تصویر تیسرے نمبر پر لگی ہوئی موجود ہے۔ مسٹر کین ممبر پارلیمنٹ جو ہندوستان میں بھی گشت لگا گئے ہیں اور جنہوں نے انتظام آبکاری پر بڑا غل مچا رکھا ہے ایک ٹین والا ہے۔

غرض یوروپ کا اصول تو یہ ہے کہ اصلی عزت دولت اور لیاقت کی ہے۔ اور ہے بھی یوں ہی اور ہونا چاہیئے بھی یوں ہی۔ کچھ ضرور نہیں کہ جو راے میں نے پیش کی ہے ابھی اسکو رد یا قبول کیا جاے مگر اتنا اصرار ضرور کرونگا کہ اس سے قطع نظر نہ کیا جاے۔ حکیم عبد المجید خاں صاحب! میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ اپنے مجربات کی رائلٹی[4] دینا چاہیں گے تو کوئی انٹرپرینزنگ[5] مین اسکا بڑا بھاری معاوضہ دینے کے

[1] زبان زد خلائق ۱۲ [2] انتخاب جدید ۱۲ [3] سرگروہ ۱۲ [4] خزانے کا وزیر اعظم ۱۲ [5] حق ایجاد ۱۲ [6] حوصلہ مند ۱۲

لیئے کھڑا ہو جائے گا۔ اور آپ کے چندے کی فہرست میں وہ ایک بڑی رقم ہوگی +

میں نے نہایت تعجب سے سُنا ہے کہ آپنے مدرسے کے سرمائے کو جائداد اراضی میں مشغول کیا ہی بیشک جائداد اراضی سے بھی کچھ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس بات کو سعی ورماندگی سمجھتا ہوں جسکو زیادہ کمائی کرنے کا سلیقہ نہیں وہ ہارے درجے اس تدبیر کو اختیار کرتا ہے۔ میں بہت زیادہ خوش ہوتا اور آپ بہت فائدہ حاصل کرتے۔ اگر یہ سرمایہ اُس طرح پر صرف ہوتا جو میں نے بیان کیا۔ میں مدرسۂ طبیہ کے مدرسوں کو تو نہیں طالب العلموں کو بھی دو چار صلاحیں بتاتا۔ مگر گرمی اور صاحب ڈپٹی کمشنر کی پریزیڈنسی اور وقت کی تنگی اجازت نہیں دیتی۔ اگر برغم اَنف طبابت جیتا رہا تو اگلے سالانہ جلسے کے لیئے لگا تے رکھتا ہوں۔ کیونکہ اس مدرسے میں لکچر دینا اب مجھ کو لازم سا ہو گیا فقط

ط برخلاف ۱۲

تمت

لکچروں کا مجموعہ ختم ہوا

ضروری اطلاع

اگرچہ ہم نے شروع سے جون ۱۸۹۲ء تک کے لکچروں کو اِس جلد میں جمع کر دیا
ہی اور مذاق شناسان سخن فہم کے لیے بجائے خود یہ ایک اچھا مفید اور دلچسپ
رسالہ ہوگیا ہی۔ مگر اس زمانے کے مصنفوں میں صرف ایک مولوی محمد نذیر احمد خاں
صاحب ہی ایسے مصنف ہیں جن کی تصنیفات سے آدمی ملول ہونے کا تو کیا ذکر
ہی سیر نہیں ہوتا پس ہم نے ایسا بندوبست کر لیا ہی کہ آیندہ جب جب مولوی
محمد نذیر احمد خاں صاحب کہیں کوئی لکچر دیں وقتاً فوقتاً اُس کو اِسی تقطیع اسی کاغذ
اور اسی شان کے ساتھ بوضع رسالہ جداگانہ چھاپ دیا کریں گے۔ تاکہ جن کے
پاس یہ کتاب ہو جدید لکچروں کو اُس میں بڑھاتے جائیں یا چاہیں علحدہ رکھیں
اور اِس پتہ سے طلب فرمائیں۔ دہلی بازار دریبہ کلاں دوکان محمد نذیر حسین تاجر کتب